تذکرہ

حضرت مولانا محمد یوسف دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

عبدالرشید ارشد

مکتبہ رشیدیہ

۳۲- اے، شاہ عالم مارکیٹ لاہور

نام کتاب ـــــــــ تذکرہ مولانا محمد یوسف رح

مرتب ـــــــــ عبدالرشید ارشد

ناشر ـــــــــ مکتبہ رشیدیہ لاہور

مطبع ـــــــــ استقلال پریس لاہور

تعداد ـــــــــ ایک ہزار

صفحات ـــــــــ ۲۸۸

بار ـــــــــ اوّل محرم ۱۳۸۷ھ / اپریل ۱۹۶۷ء

قیمت ـــــــــ چھ روپے

فہرست مندرجات

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

علم وفضل کی دنیا میں ایسا بہت کم اتفاق ہوا ہے کہ والد اگر علم وعمل، زہد وتقویٰ، جہد وہمت اور ارشاد وسلوک میں یگانہ روزگار ہے تو بیٹا بھی انہی اوصاف میں فرد وحید ہو، ہندوستان میں اس کی نظیر خاندان ولی اللّٰہی میں ملتی ہے کہ حضرت شیخ عبدالرحیم کے گھر شاہ ولی اللہؒ پیدا ہوئے تو شاہ ولی اللہ کے ہاں شاہ عبدالعزیز۔ شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالغنی رحمہم اللہ اجمعین جیسے عارفین وکاملین پیدا ہوئے جن کی نظیر و مثیل مجدد الف ثانیؒ اور امام المحدث شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ پورے اسلامی ہندوستان میں نہیں ملتی اور اپنے زمانے میں پورے عالم اسلام میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے اور پھر ان صاحبزادگان والاتبار کی اولاد بھی علم وفضل کے اعتبار سے کچھ کم مرتبہ نہیں رکھتی۔ اسی قبیلہ کے ایک فرد شاہ اسماعیل شہید اور اسی خاندان کے تربیت یافتہ حضرت سید احمد شہیدؒ تو صحابہ کرامؓ کے بعد اپنے جہد وعمل اور ایثار وخلوص کی بدولت پوری امت میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ بلا کسی تشبیہ وتمثیل کے انبیاء علیہم السلام کے مقدس گروہ میں جو امتیازی مقام حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا ہے۔ یہی مقام امت محمدیہ علیہ التحیۃ والسلام میں خاندانی لحاظ سے شاہ ولی اللہؒ کے خاندان کا ہے..... اور پھر اسی خاندان کی معنوی وروحانی اولاد مشائخ واکابر دیوبند ہیں کہ اس جماعت کے علماء نے اپنے علم وفضل سے کتاب وسنت کی خدمات جلیلہ وعظیمہ کی جو تابناک مثال قائم کی ہے اس کی مثال بھی مشکل ہی سے ملے گی..... اس جماعت کے آخری دور کے علماء ومشائخ میں سے ایک نامور شخصیت حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی ہے ان پر

تفصیلی مطالعہ کے لئے " مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت" نیز مکاتیب و ملفوظات مرتبہ مولانا سید ابوالحسن ندوی مطبوعہ لکھنو، بہترین کتابیں ہیں)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اپنے تمام علم وفضل کے باوجود ملک گیر شہرت کے مالک تھے مگر ان کے فرزند ارجمند اپنے گرامی قدر والد کی چلائی ہوئی تحریک کی قیادت و امارت کرتے ہوئے عالمگیر شہرت کے مالک ہوتے (تاہم " الفضل للمتقدم" ومن سن سنۃً حسنۃً فلہٗ اجرہا واجر من عمل بہا (الحدیث)، کے مصداق مولانا محمد یوسفؒ اور ان کے ساتھیوں کی خدمت اور فضل و شرف بھی انہی کا حصہ ہے اور نیک بیٹے کے اعمال کے اجر باپ کو بھی برابر ملتے رہتے ہیں) اور اس وقت دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہوگا جہاں تبلیغی جماعت کے افراد کے مبارک قدم نہ پہنچے ہوں - پچاس برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے اور پھر اس میں سے بھی اکیس برس مولانا نے تحریک کی سیادت کی لیکن برق رفتاری کا یہ عالم تھا ؎

ہیں مردِ مجاہد کے بھی انداز نرالے — رفتار قیامت کی ہے پاؤں ہیں ہیں چھالے

حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ گفتار و کردار میں اس زمانہ میں اللہ کی برہان تھے - دریا و صحرا ان کی ٹھوکر سے دو نیم تھے - پورا عالم ان کی تگ و دو کے سامنے سمٹ کر رہ گیا تھا - ان کا اپنا کوئی ارادہ نہیں تھا، کوئی خواہش ان کی اپنی خواہش نہیں تھی، وہ خدائے تبارک و تعالیٰ کے مقاصد و احکام کے ترجمان و عکاس تھے - ان کی پوری زندگی کتاب و سنت کی تبلیغ کے لئے وقف تھی، ان کا مقصد زندگی ایک ہی تھا کہ غیر مسلم مادی آسائش اور زندگی کی راحت و آرام کے لئے جیتا ہے؛ اس کی دشمنی بھی نفسانی، محبت بھی نفسانی لیکن مسلمان کی تخلیق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ہوئی ہے - وہ اللہ کی رضا کے لئے جیتا ہے، وہ اسی کی رضا کی خاطر جان دیتا ہے - مادی اغراض اس کی مطمح نظر نہیں ہوتیں یہی وجہ ہے کہ وہ حوادثات میں بھی مسکراتے رہے - جہالت، مغربی تہذیب کی چکا چوند اور راہ کی تاریکیاں ان کا راستہ نہ روک سکیں - حالات کی ناسازگاری کو وہ کبھی خاطر میں نہ

لائے، تکالیف و مصائب کے پہاڑ ان کے وقار و تمکنت میں فرق نہ ڈال سکے، وہ تاریکیوں میں ایمان کی شمعیں جلاتے، مردہ دلوں میں حیاتِ تازہ دوڑاتے، دنیاوی امور میں غرق انسانوں کو فکرِ آخرت دلاتے اور روحانی و اخلاقی اقدار کو زندہ کرتے ہوئے ایک تبلیغی سفر میں اس جہان سے اور اپنی جان سے گذر کر زندہ جاوید ہو گئے۔

مولانا کی زندگی میں ان کی سیرت و کردار پر بہت کم لکھا گیا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت جی رح اس کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ کسی قسم کی کوئی تشہیر ہو۔ وہ عمل اور صرف عمل کے قائل تھے جیسا کہ قارئین کو کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو گا۔

حضرت جی نے ایسی مصروف اور عملی زندگی گذاری کہ اس کی نظر ماضی قریب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ اور پھر ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ کی ملتی ہے۔ حضرت جی نے اکیس بائیس برس میں کتنا زیادہ کام کیا اس کا اندازہ کرنا ہو تو کبھی رائے ونڈ جا کر سالانہ تبلیغی اجتماع دیکھنا چاہیئے میرا خیال ہے کہ حج کے بعد پوری دنیائے اسلام میں منتخب اور اسلامی جذبہ و عمل سے سرشار لوگوں کا اتنا بڑا اجتماع شاید ہی کہیں ہوتا ہو لیکن اس قدر کام کے باوجود کوئی اخبار نہیں، ممبر سازی نہیں، رجسٹر نہیں، کوئی چندہ نہیں اور کسی قسم کا کوئی پروپیگنڈہ نہیں حالانکہ دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں رہا جہاں جماعت کا کام نہ پہنچا ہو۔

یہاں "دعوت" اور تبلیغی نظام اور اس کی ضرورت یا پھر اسلام میں اس کی کتنی اہمیت ہے، پر لکھنا پیشِ لفظ کو طویل کرنا ہے۔ پوری کتاب میں یہی کچھ بیان کیا گیا ہے حضرت مولانا کی زندگی کا ماحصل یہی تھا اور اسی کی خاطر اسی سفر میں انہوں نے جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔

حضرت جی کی وفات پر بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ لکھا جائے گا۔ اردو، فارسی، عربی انگریزی اور بعض دوسری زبانوں میں بیش بہا مضامین شائع ہوئے جو مختلف رسائل اور اخبارات میں وقتاً فوقتاً چھپتے رہے۔ ماہنامہ "الفرقان" لکھنو اور ہفت روزہ خدام الدین لاہور

نے خاصے ضخیم خاص نمبر نکالے اور دوسرے عام شماروں میں بھی مختلف اوقات میں مضامین چھپتے رہے اور ابھی تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلہ میں ہفت روزہ "المنبر" لائلپور نے بھی قیمتی مضامین شائع کئے، اس کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے اکثر دینی پرچوں نے حضرت مولانا کو خراج عقیدت ادا کیا۔ . . . . . تاہم یہ تمام پرچے، ماہنامے، ہفت روزے یا سہ روزہ ہیں۔ بعض مخلص احباب نے ہمیں توجہ دلائی کہ طبع شدہ منتخب مضامین پر مشتمل ایک کتاب مرتب ہونا چاہیئے جس میں حضرت مولانا کی اہم تقریریں، مکتوبات اور دیگر علمی چیزیں یکجا جمع کر دی جائیں . . . . راقم الحروف کافی عرصہ اس بارے میں متذبذب رہا۔ بالآخر احباب کا اصرار غالب آیا۔ اب یہ مجموعہ "تذکرہ مولانا محمد یوسف رح" کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے ہو سکتا ہے آئندہ ایڈیشن میں اس میں کچھ اور اضافہ ہو۔ ہمارا خیال تھا کہ کتاب دو صد صفحات سے زیادہ نہ پھیلے پھر بھی ۲۸۰ کے قریب صفحات ہو گئے اور کئی مضامین کے متعلق حسرت ہی رہی کہ کاش وہ بھی شامل کتاب ہوتے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ مرتب کے حق میں دعائے خیر کریں۔

عبد الرشید ارشد

۳ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ، لاہور

○

میں قسم کھا کر کہتا ہوں جس طرح یہ تلواروں کو زیر کرنے والا راستہ ہے (تبلیغ دین اور دعوت الی اللہ کا رستہ مراد ہے) اسی طرح اس زمانے کی ایجادات، ایٹمیات و سائنس کو زیر کرنے والا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے کے نبی نہ ہوتے۔ یہ قیامت تک کے فیصلے ہیں۔

ہمیں ملک کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہتھیار کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں امریکہ اور روس کے ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں۔ جب خدا ہمارے ساتھ ہو جائے گا۔ تو ہمیں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ہم کو گورنروں، وزیروں، کروڑپتوں کے آگے ہاتھ جوڑنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ ہمارے آگے ہاتھ جوڑیں گے۔ امریکہ و روس ہمارے آگے جھکیں گے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ ہو جائیں گے۔ وہ کائنات کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے گا۔

حق تعالےٰ شانہٗ نے کامیاب زندگی گذارنے کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ایک طریقہ دیا ہے۔ ۲۴ گھنٹے میں پیش آنے والے تمام اعمال کے طریقے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں۔ اگر یہ طریقے زندگی میں آجائیں۔ تو اس بات کی ضمانت دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ ترین عزت نصیب فرمائیں گے خواہ ان کے پاس ایٹمیات وغیرہ کچھ بھی نہ ہوں۔

انسانوں کی جو زندگی بنے گی، دنیا میں انسان جو چمکیں گے تو خواہش دبانے کے بعد پھر خواہش پوری کرنے کے لئے حدود قائم رکھیں۔ عورت، مکان وغیرہ کی خواہش کی ایک خاص حد رکھی ہے۔ خواہشات کے مقابلے میں احکامات والے طریقے ہیں۔ احکامات میں جیسا مکان کو بنانے کو کہا گیا ہے ویسا بنایا جائے۔ شادی کا ایک طریقہ خواہش کا ہے۔ اس طریقے سے

شادی نہ کی جائے بلکہ احکام کے مطابق شادی کرے۔

جو علم انسان اپنے پاس رکھتا ہے وہ باقی رہنے والا نہیں ہے۔
جہالت کی دو قسمیں ہیں۔ نہ جاننا اور غلط جاننا۔ اس لئے تعلیم کا لفظ بول کر دنیا کے علم کو جاننے پر محمول کر لیتے ہیں۔ جو غلط استعمال ہے لفظ علم کا۔ علم انسانی یہ ہے کہ یوں ہے سے یہ ہو سکتا ہے۔ راکٹ سے یوں ہو جائے گا۔ کارخانہ سے یہ ہو جائے گا۔ گویا جن سے ہوتا کچھ نہیں، اس کا علم ہے۔ مگر جس سے سب کچھ ہوتا ہے اس کو جانتے نہیں۔ اس لئے بحقیقت میں علم نہیں۔

من تو شدم، تو من شدم، من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم، تو دیگری

یہ حضرت امیر خسروؒ کا مشہور ترین شعر پڑھ کر فرمایا "اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم خدا ہو جاؤ۔ خدا تمام انبیاء، تمام صحابہؓ، تمام اولیاءؒ، غوث، قطب، ابدال، صلحاء، شہداء اور سب سے بڑھ کر سید الاولین والآخرین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا نہیں ہو سکتے اور نہ ہو سکے۔ بلکہ بندے رہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اپنی چاہت اور اپنی مرضی نہ رہے۔ جو چاہت اور رضا خدا تعالٰی کی ہو، وہی بندے کی ہو جائے۔ وحدت کا بھی یہی مفہوم ہے اور دُوئی کو مٹانے کا بھی یہی مطلب۔ حلول وغیرہ کا مفہوم تو کفار و مذاہب باطلہ کا ہے۔ حجاب خودی بھی یہی ہے۔ کہ بندے کی خواہشیں اللہ تعالٰی کی خواہشوں پر چلنے سے مانع نہ آئیں کلمہ بھی یہی چاہتا ہے اور جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو تمام عالم، تمام حکومتیں اور زمین و آسمان کے خزانے حتٰی کہ فرشتے بھی اس کے تابع کر دیئے جاتے ہیں۔

اگر ایک شخص ایسے مکان میں ہو جس میں سو شیشے لگے ہوئے ہوں۔ اس میں ایک چڑیا اُڑ رہی ہو۔ تو بلاشبہ سو جگہ اُڑتی نظر آئے گی۔ لیکن اس ایک چڑیا کے سوا سب کے سب اس کے ظِل اور شیشوں میں اُتری ہوئی تصویریں ہیں۔ جو شخص اس ایک اصلی چڑیا کو پکڑلے گا۔ سب کے سب اس کے ہاتھ آجاویں گی اور جو اُسے چھوڑ کر دوسروں کو پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ عمر بھر محنت کرتا رہے کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ فرمایا اسی طرح اگر کوئی اسی ایک ذاتِ حقیقی کو حاصل کرلے گا تو تمام ضروریات خود بخود اس کے قبضہ میں آجاوینگی اور اسے چھوڑ کر جتنی بھی محنت کرو۔ سب رائیگاں اور فضول۔ اوکما قال رحمہ اللہ تعالےٰ

انسان عناصر اربعہ کا مجموعہ ہے۔ ہر عنصر میں خاص اثر ہے۔ ان کے نامناسب اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے ابتداءً آذان میں چار بار تکبیر کہلوائی گئی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مولانا محمد ہارون صاحب (جو ان دنوں مولانا محمد یوسف رح کے جانشین مقرر ہوئے تھے) بیمار پڑگئے۔ ان کے سر پر ایسا خطرناک پھوڑا نمودار ہوا تھا کہ نازک صورت حال پیدا ہو گئی۔ معاملے کی سنگینی کو دیکھ کر حضرت شیخ الحدیث نے مولانا محمد یوسف رح صاحب کو مطلع کیا۔ کہ وہ گھر میں جلد پہنچنے کی کوشش کریں

ادھر دینی و تبلیغی کاموں میں حضرت جی کی روایتی مصروفیت و مشغولیت کے باعث کچھ دیر ہو گئی۔ گھر پہنچے تو ایک نگاہ اپنے مریض لختِ جگر کو دیکھ کر پھر بسلسلۂ تبلیغِ اسلام اپنے سفر پر روانہ ہونے لگے۔

حضرت شیخ الحدیث نے صورت حال کی نزاکت کا احساس دلاتے ہوئے کچھ توقف کرنے کا اظہار فرمایا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے قابل صد احترام شیخ کی خدمت

میں عرض کیا:۔

"حضرت! جب یہ پیدا ہوا تھا۔ تو میں نے اپنے خداوند قدوس کی بارگاہ میں نہایت عاجزی کے ساتھ یہ دعا مانگی تھی کہ "اے اللہ! اگر اس لڑکے سے تجھے دین کا کام لینا مقصود ہے۔ تو اسے زندہ و سلامت رکھ۔ ورنہ مجھے ایسے بیٹے کی ضرورت نہیں"۔ اگر اللہ پاک کو اس سے دین کا کام لینا مقصود ہوا۔ تو یہ ضرور زندہ و سلامت رہے گا۔ میں تو جاتا ہوں۔"

از ملفوظات حضرت جی

خوش درخشید و لے دولت مستعجل بود

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

آنچہ قدر ایشاں ما مردم می دانیم شما چہ دانید، احوال مردم ہند بر ما مخفی نیست کہ خود مولد و منشا فقیر است و بلاد عرب را نیز دیدہ ایم، و سیر نمودہ، احوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدہ ایم، و تحقیق کردہ کہ عزیزی کہ بر جادۂ شریعت و طریقت و اتباع کتاب و سنت ہمچنیں استوار و مستقیم باشد، و در ارشاد طالبان شانی عظیم و نفس قوی دارد، دریں چند زماں مثل ایشاں در بلاد مذکور یافتہ نمی شود مگر در گذشتگاں، بلکہ در ہر چند زماں وجود ایں چنیں عزیزاں کمتر بودہ است چہ جائی ایں زماں کہ پر فتنہ و فساد است [1]

ہم لوگوں کی نگاہ میں ان کی جو قدر و منزلت ہے اس کو تم کیا جانو؟ ہندوستان کے لوگوں کے حالات ہم سے پوشیدہ نہیں، کہ یہیں کی پیدائش ہے، اور یہیں عمر بسر ہوئی، ملک عرب کو خود دیکھا ہے اور اس کی سیاحت کی ہے، افغانستان اور ایران کے لوگوں کے حالات وہاں کے معتبر لوگوں کی زبانی سنے، اس سب کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوا کہ کوئی ایسا بزرگ جو جادۂ شریعت اور طریقت پر، اور کتاب و سنت کی پیروی میں ان کی طرح استوار و مستقیم ہو اور طالبین کی رہنمائی میں اس کا پایہ اتنا بلند، اور اس کی توجہ اتنی قوی ہو، ہمارے اس دور میں ان ملکوں میں کسی ملک میں جن کا اوپر ہم نے تذکرہ کیا، پایا نہیں جاتا۔ دور ماضی اور بزرگان سلف میں بیشک ہو سکتا ہے بلکہ سچ پوچھئے تو ہر زمانہ میں ایسے باکمال بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے، چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنوں اور فساد سے پُر ہے۔

---

[1] کلمات طیبات ص ۱۶۴-۱۶۵

ان الفاظ میں حکیم الامت، امام وقت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نامور معاصر حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے متعلق شہادت دی ہے، جس وقت یہ الفاظ کہے گئے ہوں گے، کتنے اہلِ علم اور واقفین حال کو استعجاب ہوا ہوگا۔ اور کتنے ابنائے زمانہ نے اس کو مبالغہ اور غلو پر محمول کیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ معاصرت بہت بڑا حجاب ہے اور جب ذوق اور طریق کار کا اختلاف بھی شامل ہو جاتے اور وضعی ورواجی طریقوں کے رجحانات بھی درمیان میں حائل ہوں، تو پھر حجاب نہیں بلکہ ایک سنگین دیوار بیچ میں آکر کھڑی ہو جاتی ہے اور اس شخصیت کے متعلق کتنے ہی خلوص وصداقت اور کتنے ہی احتیاط اور احساس ذمہ داری سے کہا جائے، اس کو مبالغہ یا خوش عقیدگی پر محمول کیا جاتا ہے۔

راقم سطور کو اپنی بے بضاعتی اور تہی دامنی کا پورا احساس ہے، لیکن یہ ایک تقدیری بات ہے کہ اس کو ممالک اسلامیہ کی سیاحت اور عالم اسلامی سے واقفیت کے ایسے ذرائع اور مواقع میسر آئے جو (بلا کسی تنقیص وتحقیر کے) اس کے ہم وطنوں اور ہم عمروں کے بہت کم اشخاص کو میسر آئے ہوں گے۔ دُنیائے اسلام اور بالخصوص ممالک عربیہ کے دینی، علمی اور روحانی حلقوں کو بہت قریب سے دیکھنے اور برتنے کا اتفاق ہوا۔ دورِ حاضر کی مشکل سے کوئی تحریک اور کوئی عظیم شخصیت ہوگی جس سے ملنے اور تعارف حاصل کرنے کی سعادت نہ حاصل ہوئی ہو۔ اس وسیع واقفیت کی بنا پر (جو کسی کا ذاتی کمال اور سرمایہ فخر نہیں) یہ کہنے کی جرأت کی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی دعوت، دعوت کے شغف اور انہماک اور تاثیر کی وسعت وقوت میں اس ناکارہ نے اِس دَور میں مولانا محمد یوسف صاحب کا کوئی ہمسر اور مقابل نہیں دیکھا، یوں ان کی نادرۂ روزگار شخصیت میں بہت سے ایسے کمالات پائے جاتے تھے، جن میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، ان کی ایمانی قوت، ان کا اعتماد وتوکّل، ان کی ہمت وجرأت، ان کی نماز اور دُعا، صحابہ کرام کی زندگی سے ان کی گہری واقفیت اور ان کے حالات کا استحضار، اتباعِ سنت کا اہتمام، فہم قرآن اور واقعاتِ انبیاء سے عظیم نتائج کا استخراج، دعوت وتصنیف کے متضاد مشاغل کو جمع کرنے کی قوت، اور آخر میں ان کی غیر معمولی محبوبیت اور مقبولیت، یہ سب ان کی زندگی کے وہ پہلو اور نمایاں صفات ہیں جن کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور جس کے

لفظ لفظ کی تصدیق وُہ سب لوگ کریں گے جن کو ان کی خدمت میں کچھ دن رہنے کی سعادت، یا کسی سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہُوا ہے اور ان کی تعداد ہزاروں کی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سب اور ان کے ماسوا اور بہت سے پہلو اِن کی تاریخ اور سیرت کا موضوع ہیں اور ان میں سے بعض کمالات و امتیازات وُہ ہیں جن میں ان کے سہیم و شریک مل سکتے ہیں اور بعض شخصیتیں ان میں ان سے فائق بھی ہو سکتی ہیں لیکن راقم نے ان کے جن امتیازات کا یہاں انتخاب کیا ہے ان میں (اپنے محدود واقفیت و علم میں) ان کا کوئی شریک، وسہیم اور ان کا کوئی مدِ مقابل نظر نہیں آتا۔ **والغیب عند اللّٰہ**

جہاں تک پہلے عنوان کا تعلق ہے، ہم نے غیبی حقائق، اللّٰہ کے وعدوں اور انبیاء علیہم السلام کی دی ہوئی اطلاعات پر ایمان لانے اور ان کے اعتماد و یقین پر اپنی زندگی کی کشتی کو چھوڑ دینے کی ایسی واشگاف طاقتور اور بے لاگ دعوت کسی دوسری جگہ نہیں دیکھی۔ جس وقت وہ اللّٰہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کی قدرت کن فیکون اس کے بلا شرکتِ غیرے پورے نظامِ عالم کو چلانے، اسباب کی بے حقیقتی، خواص اشیاء اور انسانی تجربات کی بے اعتباری، محسوسات و مشاہدات کی تحقیر و نفی، احکام الٰہی اور نظامِ تشریعی کے سامنے نظامِ تکوینی کی سپراندازی و مغلوبیت، ایمانی صفات و اخلاق اور اطاعت و عبودیت کے سامنے وسائل و ذخائر کی بے حقیقتی، حاملینِ نبوّت اور اہلِ ایمان و دعوت کا اربابِ اقتدار، اہلِ حکومت اور سرمایہ داروں کے مقابلہ میں فتح و غلبہ، خدا کے وعدوں کی ابدی صداقت اور سنت اللّٰہ کی ہمہ گیری کا مضمون اپنی پوری ایمانی قوت اور اپنے والہانہ اندازِ بیان میں بیان فرماتے تو سننے والے اتنی دیر کے لیے اِس حواس و مادہ پرستی کی دُنیا سے منتقل ہو کر ایمان بالغیب کی دُنیا میں پہنچ جاتے اور اسباب و مسببات کا سلسلہ اور مقدمات و نتائج کا ربط و تعلق اتنا بے کار و بے حقیقت نظر آنے لگتا تھا کہ ہم جیسے مدرسی لوگوں کو بعض اوقات اس کی فکر پیدا ہو جاتی تھی کہ کہیں یہ دعوت سننے والوں میں ترکِ اسباب اور تجرد و رہبانیت کا رجحان نہ پیدا کر دے، لیکن اس دَورِ مادیت میں جہاں "اسباب" نے "ارباب" کی شکل اختیار کر لی ہے اور ایک عالَم کا عالَم اپنی قسمت کو مادی اسباب اور اپنی ذاتی کوشش و قابلیت کے ساتھ وابستہ کر چکا ہے اور کسی دینی

دعوت و تحریک کو وُہ قلندر صفت افراد نہیں مل رہے ہیں جن کا عشق آتشِ نمرود میں بے خطر کُود کر عقل کو "محوِ تماشائے لبِ بام" کر دے، بلکہ اس تصور نے سے ایثار و قربانی کی جنس بھی نایاب ہو گئی ہے جس کے ایندھن کے بغیر کسی تحریک کی گاڑی دو قدم بھی نہیں چل سکتی۔ مادّی ترقی اور مادّی اقدار کی اہمیت و تقدیس کی مسلسل اور پُر جوش تبلیغ و تلقین نے خود اس اُمّت کو متاثر کر لیا ہے جس کی ساری طاقت اور جس کی فتح کا راز ایمان بالغیب کی قوّت رضائے الٰہی کی طلب اور جنت کے شوق میں مضمر تھا۔

مسلمان نے ذرائع معاش کو اپنا رزّاق سمجھ لیا ہے، مادیّت کی اس وبائے عام کے دَور میں مولانا محمد یوسفؒ صاحب کی ایمانِ بالغیب کی اس دعوت سے بعض اوقات سینکڑوں سامعین کے دِل ایمان کے جذبہ سے معمور اور قربانی کی لذت سے مخمور ہو جاتے تھے، اور وُہ اس کے اثر سے ایثار و قربانی کے ایسے نمونے پیش کرنے لگے تھے جن کو عقل و دلائل، حکمت و مصلحت، اور علم و خطابت کی کسی بڑی سے بڑی طاقت سے حاصل نہیں جا سکتا تھا، اور جن کی بُنیاد پر یہ تحریک دُنیا کے دُور دراز گوشوں میں پہنچ گئی ہزاروں آدمیوں نے جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے مہینوں کے لیے گھر بار چھوڑ کر دوسرے براعظموں کا سفر کیا اور دعوت و تبلیغ کے راستہ میں بڑی بڑی مشقتیں برداشت کیں، انہوں نے بڑی دریا دلی اور عالی ہمتی کے ساتھ اپنا وقت اور اپنا مال راہ خدا میں خرچ کیا، اگر خدا کو منظور ہوتا اور مولانا کی زندگی وفا کرتی تو وُہ ایمان بالغیب کی اس طاقت سے (جو اس دَور میں مشکل سے کسی اور جماعت کو میسر آئی ہو گی) معاشرہ کی اصلاح و انقلاب اور دُنیا کے حالات میں تبدیلی کا اور زیادہ وسیع و عمیق کام لیتے، اور افراد کی یہ قوتِ ایمانی اجتماعی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتی ان کی ان مجالس میں کبھی کبھی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مجالس وعظ کی جھلک نظر آنے لگتی تھی جن کی (غیر اللہ کی نفی سے لبریز) تقریروں نے ہزاروں دلوں اور دماغوں پر گہری چوٹ لگائی، جس وقت آدمی ان کے ان مواعظ کو جو فتوح الغیب اور دوسرے مجموعوں میں محفوظ ہیں پڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پوری بے باکی اور قوّت کے ساتھ گرز چلا رہا ہے اور اس کی ضرب سے مادیّت کے ہزاروں بُت پاش پاش ہو رہے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم جیسے لوگ جن کا دماغ اسباب و مسببات کے باہمی تعلق سے کبھی

آزاد نہیں ہونے پاتا اور جو مادی سعی وجہد کو بھی دین و شریعت میں ایک مقام دیتے ہیں اور انسان کو اپنی سعی کا مکلف و مامور سمجھتے ہیں اور جو اس عالم اسباب میں مسلمانوں کی پست ہمتی اور بے عملی کو ان کے زوال کا ایک سبب قرار دیتے ہیں، وہ کبھی مولانا کے اس طرز کی کامیابی کے ساتھ نقل نہیں اُتار سکے اور ان کے ذہن نے عین ان مجالس وعظ میں بھی اپنا کام کرنا نہیں چھوڑا، لیکن ہم کو اس کا صاف اعتراف ہے کہ ان کی اس دعوتِ ایمانی نے وہ نتائج پیدا کیے جن سے ہماری "متوازن و معتدل" دعوتیں (جن کی عصرِ حاضر کے حقائق پر نظر ہے) قاصر رہیں اور صاف اندازہ ہوا کہ

لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

ان کا دوسرا امتیاز اپنی دعوت کے ساتھ ان کا ایسا شغف و انہماک تھا جس کی مثال نہ صرف یہ کہ دینی دعوتوں اور تحریکوں کے میدان میں نظر نہیں آتی بلکہ جہاں تک اس کوتاہ نظر کی نظر و واقفیت کا تعلق ہے کسی مادی و سیاسی تحریک کے داعیوں میں بھی وہ استغراق، خود فراموشی و الہیت اور جذب کی کیفیت نظر نہیں آتی، ان کا یہ پہلو اتنا نمایاں اور حیرت انگیز تھا کہ جب تک کسی شخص کو کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہنے اور کسی سفر میں ان کی معیت کا موقع نہ ملا ہو وہ بہتر سے بہتر تصویر کشی اور واقعہ نگاری کے بعد بھی اس کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا، چند دن رہ کر آدمی ان کی مشغولیت و انہماک اور ان کے جذب و استغراق کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا تھا اور اس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اتنی قوت و تازگی کہاں سے آتی ہے اور اس کا سرچشمہ کیا ہے؟ عام حالات میں "عشق" اور خاص حالات میں تائید الٰہی اور نصرتِ غیبی کے سوا اس کی توجیہ نہیں ہو سکتی، معمولی بات یہ ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد سال کے بارہ مہینے اور مہینہ کے تیس دن تقریر فرماتے، یہ تقریر تین گھنٹے سے کم نہ ہوتی، اس میں موسم کی سختی، دھوپ کی گرمی، صحت کی خرابی، مجمع کی کمی و زیادتی قطعاً اثر انداز نہ ہوتی، یہ مجاہدہ رمضان المبارک میں بہت بڑھ جاتا، جبکہ فجر کے بعد لوگوں کے سونے کا عام معمول ہے، رمضان میں ان کی رات کا بڑا حصہ[1] شب بیداری اور دعوت کے کام میں صرف ہوتا۔ اس کے باوجود وہ فجر کی نماز کے بعد پوری قوت تازگی اور نشاط کے ساتھ تقریر فرماتے اور اسی قوت کے ساتھ آخر میں دعوت دیتے، عام دنوں میں چلّے کے

[1] جہاں تک اس عاجز کو معلوم ہے رمضان المبارک کی راتوں میں سونا بالکل نہیں سوتے تھے ۱۲ نعمانی

دوران اور جانے کے بعد پھر گفتگو اور تقریر کا سلسلہ شروع ہو جاتا، عام طور پر وہ جماعتوں کو رخصت کرنے کا وقت ہوتا، وہاں تشریف لے جا کر پھر اسی طرح تقریر فرماتے اور ہدایات دیتے کہ معلوم ہوتا کہ ابھی تک خاموشی کی مہر لگی ہوئی تھی اور وہ اب ٹوٹی ہے، پھر اسی جذبہ اور طاقت کے ساتھ دُعا کرتے کہ معلوم ہوتا کہ نہ اس سے پہلے دُعا کی ہے اور نہ اس کے بعد کریں گے، سب کچھ اسی دُعا میں مانگ لینا ہے اور سب کچھ اسی دُعا میں کہہ دینا ہے۔ اس کے بعد بھی مختلف تقریبوں میں گفتگو اور خطاب کرنے کا سلسلہ جاری رہتا، پھر کچھ دیر تصنیف و تالیف کا کام کرتے، پھر کھانے کا وقت ہو جاتا۔ ظہر کے بعد پھر کوئی سبق پڑھاتے یا تصنیف و تالیف کا کام کرتے، ملنے جلنے اور ڈاک دیکھنے کا سلسلہ بھی جاری رہتا، کبھی بعد عصر اور بعد مغرب بھی کوئی تقریر ہو جاتی اور اس میں تازگی اور جوش کا وہی عالم ہوتا۔ عشاء کے بعد (جو اکثر بڑی تاخیر سے ہوتی) سیرت کی کوئی کتاب یا صحابہ کرام کے حالات کا کوئی مجموعہ سنانے کا معمول تھا، کتنا ہی تھکے اور جگے ہوئے ہوں اور کیسی خستہ اور شکستہ حالت ہو اس معمول میں حتی الامکان فرق نہ ہوتا۔ دیر رات تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ سننے والے کو یہ محسوس ہوتا کہ اس شخص نے دن بھر آرام کیا ہے ہم جیسے پست ہمتوں کے لیے نظام الدین کا دو روز کا قیام بھی سخت آزمائش اور مجاہدہ تھا۔ میرا خود حال یہ تھا کہ اکثر اپنے دل سے خطاب کر کے کہتا کہ بے ہمّت! مولانا کے لیے ساری زندگی کا معاملہ ہے تیرے لیے صرف دو دن کا معاملہ ہے، لیکن بہانہ جو اور سہولت پسند طبیعت اپنی صحت کی کمزوری اور مولانا کی عالی ظرفی کا سہارا لے کر کوئی گوشۂ عافیت تیار کر لیتی۔ اس وقت اگر کوئی تلاش کرنے والا تلاش کرتا تو خود زبانِ حال سے اس کو اپنا پتہ نشان اس طرح دیتا کہ

ہو گا کسی دیوار کے سایہ کے تلے میؔر
کیا کام محبّت سے اس آرام طلب کو

سفر میں تو یہ انہماک اور استغراق بہت بڑھ جاتا، پھر تقریروں کی تعداد، ان کی مقدار اور ان کے اوقات کی تحدید نہیں تھی، بعض دوستوں نے اندازہ لگایا ہے کہ آخر میں مجموعی طور پر آٹھ آٹھ گھنٹے بولنے کی نوبت آئی۔ اس میں بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہر بعد کی تقریر میں نئے سننے والوں کو یہ اندازہ ہوتا

کہ بولنے والا اسی وقت بولنے کھڑا ہوا ہے اور اس سے پہلے اس کو اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب اسی موقع پر اپنا دل کھول کر رکھ دینا چاہتا ہے، یہی ہر وقت کی دُعا کی کیفیت ہوتی، مجھے حجاز کے آخر سفر میں حاضری کا موقع نہیں ملا لیکن میں نے بالتواتر سنا ہے کہ وہاں یہ جوش وخروش اور یہ جذبہ وانہماک اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکا تھا، مسجد نبوی میں صحن مسجد میں فجر کی نماز کے بعد تقریر شروع ہوجاتی اور دن چڑھ آتا اور جن خوش قسمت آنکھوں نے تقریر کے آغاز میں گنبدِ خضرا پر چاندنی دیکھی ہوتی وُہ دھوپ چڑھی ہوئی دیکھتے۔ مجھے یاد ہے کہ بھوپال کے ایک اجتماع میں مولانا نے مغرب کے بعد پوری قوت اور اپنی تقریر کے عام پیمانہ کے مطابق بسیط تقریر کی، تقریر کے بعد تشکیل ہوئی، پھر دُعا ہوئی، مجھے اطمینان تھا کہ اب اس تقریر کے بعد آرام فرمائیں گے کہ خُدا جانے کہ نکاح کی تقریب سے یا کسی اور تقریب سے پھر کچھ بولنا شروع کیا، طبیعت مطمئن تھی کہ چند منٹ میں اس کا سلسلہ ختم ہوجائے گا، لیکن تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ مولانا میں نئی تازگی اور جوش آگیا، پھر اسی طرح تقریر فرمائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ دن بھر خاموش رہے ہیں اور طبیعت جوش پر ہے۔

یہی حال دُعا کا تھا، مولانا کی دُعا کی کیفیت، اس کے مضامین، اس کی آمد اور جوش وخروش اس رقت انگیزی اور اس کی تاثیر مولانا کے ان خصائص میں سے تھی جن کی مثال دُور دُور دیکھنے میں نہیں آئی۔ جب دُعا فرماتے حاضرین کا عجیب حال ہوتا، خاص طور پر جب اُردُو میں دُعا کے الفاظ ادا فرماتے تو آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آتا، دُور دُور سے رونے والوں کی ہچکیاں سننے میں آتیں، اس کی مثال ماضی قریب میں حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور ان کے ایک جانشین مولانا سیّد نصیر الدینؒ کے حالات میں نظر آتی کہ بیان کرنے والوں نے بیان کیا کہ دُعا کے وقت رحمتِ الٰہی جوش میں آتی نظر آتی، لوگوں پر ایک وارفتگی اور بے خودی کی کیفیت ہوتی اور بعض لوگ دیوانہ وار جنگل کو نکل جاتے، واقعہ یہ ہے کہ دُعا کے وقت جو کیفیت لوگوں پر طاری ہوتی اور جو اثرات ان کے دلوں پر ہوتے، اگر کچھ

لے یہ انداز صرف تقریروں کا ہے مجلسی گفتگوؤں کے اوقات اس کے علاوہ ہیں ۱۲۔ نعمانی

دیر بھی باقی رہ جاتے تو لوگ دُنیا کے کام کے نہ رہ جاتے اور معلوم نہیں حالات میں کیا تبدیلی ہوتی، لیکن نظامِ عالم اسی طرح سے چل رہا ہے اور ہم ضعیف البنیان ہر چیز کا اثر وقتی طور پر لیتے ہیں۔

ان کی تیسری امتیازی خصوصیت جس میں ان کی نظیر ملنی بہت مشکل ہے ان کی تقریروں اور صحبت کا وُہ اثر ہے جو سامعین و حاضرین پر پڑتا، خاص طور پر ان سلیم طبیعتوں پر جن کا دل و دماغ دوسرے اثرات سے آزاد اور ان کی طبیعتوں میں تسلیم و انقیاد کا مادہ غالب ہوتا، ان کی کیمیا اثر صحبت، اور ان کی انقلاب انگیز تقریروں نے زندگیوں میں تبدیلیاں پیدا کیں اور اتنے دلوں اور دماغوں کو متاثر کیا جن کا شمار کرنا ممکن نہیں، ان صحبتوں اور تقریروں کے اثرات اتنے گہرے ہوتے کہ صورت، سیرت، زندگی، معاشرت اور یہاں تک کہ سوچنے اور بولنے کا طریقہ بھی بدل جاتا سینکڑوں آدمی ہیں جو ان کی زبان بولنے لگے اور ان کی زبان سے نکلے ہوتے الفاظ اور جملے ان کو حفظ ہو گئے، کتنے اشخاص ہیں کہ جن کی دُعاؤں میں ان کی دُعاؤں کا رنگ آ گیا کتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور امیرانہ زندگی رکھنے والے لوگ ہیں جن کی زندگی اور معاشرت سراپا مغربی اور رئیسانہ تھی اور وُہ اب ایک درویش صفت مبلغ اور فقیر منش، اور جفاکش مجاہد نظر آتے ہیں اور جن کی گراں قدر تنخواہوں اور آمدنیوں کا بڑا حصّہ، تبلیغ و دعوت، رفقا کی امداد و اعانت اور جماعت کی نصرت پر خرچ ہوتا ہے اور ان میں ان کے گھر والوں کا اور ان کا اپنا وہی حصّہ ہے جو ایک متوسط ملازم یا ایک اوسط درجہ کے تاجر کا ہے، کتنی بڑی تعداد ان رفقاء اور نیازمندوں کی ہے جن کی زندگی، جن کا ذوقِ عبادت، جن کا جذبۂ خدمت اور جن کی خشیت و انابت اور جن کی بے نفسی اور تواضع دیکھ کر اپنے وجود سے شرم آنے لگتی ہے حقیقی علم تو علام الغیوب کو ہے لیکن ان کے اخلاص و اخلاق کو دیکھ کر ان کی دینی ترقی اور بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، جو زندہ ہیں (خدا ان کی زندگی میں برکت دے) ان کے متعلق کچھ کہنا خلافِ احتیاط ہے فان الحی لایؤمن علیہ الفتنۃ [1] لیکن جانے والوں میں سے متعدد اصحاب کے نام لیے جا سکتے

---

[1] یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ دنیا سے چلے جانے والوں کی اقتدا کرو اس لیے کہ جو زندہ ہے اس کے بارہ میں فتنہ سے اطمینان نہیں

ہیں، جو ہمارے دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور ان کے حالات اتنے رفیع ہو گئے جن کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے میں یہاں صرف اپنے محبوب و عزیز دوست حاجی ارشد صاحب مرحوم کا ذکر کروں گا جن کا (اپنے اعلیٰ عہدہ اور ذمہ داریوں کے ساتھ) اخلاص و للہیت، تعلق مع اللہ دعوت کے کاموں میں انہماک و استغراق، ایثار و قربانی کی کیفیت، تواضع و انکسار، خدمت کا جذبہ اور پھر اسی راہ کی قابلِ رشک موت اور شہادت، برسوں دل کو تڑپاتی اور ان کی یاد تازہ کرتی رہے گی، جاپان میں اشاعتِ اسلام کے کام کا افتتاح اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمایا تھا اور اہلِ حجاز ان کو عرصہ تک یاد رکھیں گے، دُنیا کے دُور دراز ملکوں میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو مولانا کی چند روزہ صحبت اور دو ایک تقریروں کے سننے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی بدل گئی اور ان کے اندر ایک خاص طرح کے ایمان و یقین کی کیفیّت، دعوت کی سرگرمی، دُعا کا سلیقہ، نمازوں میں کیفیّت اور ایثار کی عادت پیدا ہو گئی۔ ایسے لوگ ہندوستان اور پاکستان کے باہر امریکہ، یورپ اور افریقہ کے براعظموں میں بھی ملیں گے ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

مولانا کی دعوت اور شخصیّت اپنے پورے شباب اور عروج پر تھی، ان کی ہمت کا طائر بلند پرواز کسی بلند سے بلند شاخ پر بھی آشیانہ بنانے کے لیے تیار نہ تھا، کوئی دُور سے دُور جگہ ان کو دُور اور کوئی مشکل سے مشکل کام ان کو مشکل نہیں معلوم ہوتا تھا، انہوں نے اپنی تیز رفتاری، بلکہ برق رفتاری اور اپنی طبیعت کی بے چینی اور بے تابی سے برسوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں اور دنوں میں کر لیا اپنے والد نامدار کے بعد نئے ملکوں میں جماعتوں کے جانے کا افتتاح کیا اور ساری دُنیا کو گھر کا آنگن بنا لیا، حج کا مسئلہ اٹھایا[1] اور اس میں ایک نئی روح پھونک دی اور دیکھتے دیکھتے حجاج کی تعداد اور ان کی کیفیات میں عظیم فرق پیدا ہو گیا، اجتماعات

---

[1] فریضۂ حج میں روح پیدا کرنے اور اس کو تبلیغ و دعوت کا ذریعہ بنانے کا مسئلہ

میوات کے محدود پیمانہ سے نکل کر اتنے عظیم و سیع بن گئے کہ بڑی بڑی سیاسی کانفرنسیں اور بڑے بڑے پبلک جلسے (مجمع کی کثرت میں بھی) ان کے سامنے ماند پڑ گئے اور ان کی وہ کثرت ہوئی کہ مولانا کے لیے نظام الدین کا قیام مشکل ہو گیا تبلیغی تقریروں میں غیر مسلموں سے خطاب، حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ، موجودہ مادی زندگی پر تنقید اور فساد کے سرچشمے کی نشاندہی کے باب کا افتتاح کیا، اور ان میں ایسی کشش پیدا کر دی کہ سینکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم شریک ہونے لگے اور متاثر ہوتے، یہ سب کام بڑی طویل عمر چاہتے تھے، لیکن مولانا نے پچاس برس سے کم عمر اور اپنی ذمہ داری اور دعوت کے صرف بیس سال کے اندر انجام دیتے۔ اور یہ سب منزلیں طے کر کے اپنے خالق سے جا ملے۔

کام مجھے عشق میں بہت پر میر
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

اُمت پر جو قحط الرجال کا دَور طاری ہے اس میں اس کی کیا اُمید ہے کہ جلد ان کی سی شخصیت اور تاثیر کا کوئی داعی الی اللہ پیدا ہوگا۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید ؟

غفر اللہ لہ ورفع درجاتہ

حضرت مولانا محمد یوسفؒ

چند تجربے اور مشاہدے

——— مولانا محمد منظور نعمانی

(۱)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی حیات میں

طلب و استفادہ کی نیت سے اور عقیدتمندی کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں اس عاجز کی پہلی حاضری ان کے وصال سے تقریباً ۱۴، ۱۵ مہینے پہلے ہوئی تھی۔ اس کے بعد بعض تبلیغی سفروں میں حضرت کی رفاقت بھی نصیب ہوئی اور نظام الدین آمد و رفت کی توفیق بھی ملتی رہی، جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کی شخصیت کی عظمت اور محبت بھی نصیب فرمائی اور ان کی دینی دعوت کے ساتھ دل کو کچھ تعلق بھی نصیب ہوا۔

چند ہی مہینے کے بعد آپ کی آخری علالت کا سلسلہ شروع ہو گیا، اس علالت کے آخری چار مہینوں میں یہ عاجز زیادہ تر حضرت کی خدمت میں نظام الدین ہی مقیم رہا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے دیباچہ میں میں اس کا ذکر کر چکا ہوں کہ حضرت کی خدمت میں میں نے یہ قیام مخدومی و مرشدی حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہٗ کے ایما بلکہ ارشاد سے کیا تھا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ابتدائی واقفیت اسی قیام کے زمانہ میں ہوئی۔ اس وقت مولانا موصوف کی زیادہ توجہ کتابی مطالعہ اور تصنیف و تالیف کی طرف تھی۔ فن حدیث کی معرکۃ الآرا کتاب امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کی شرح لکھنے کا کام وہ شروع کر چکے تھے (اس کی دو جلدیں چھپ بھی چکی ہیں اور اہل علم ان کے مطالعہ سے مولانا کے علمی مقام

کا اندازہ بھی کرسکتے ہیں) ان کے اوقات کا بڑا حصہ اسی میں صرف ہوتا تھا۔ اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی سراسر عملی اس دینی دعوت سے جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روح کو تحلیل کر دیا تھا اس زمانہ میں زیادہ دلچسپی ان کو نہیں تھی، گویا ان دنوں ان کا ذوق وہ تھا جو ان کے دوسرے مربی اور استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کا تھا اور رہا ہے؛ دعوت و تبلیغ کے کام میں بھی وہ کچھ حصہ تو لیتے تھے لیکن یہ ان کے لئے دوسرے درجہ کا کام تھا اصل شغف اور انہماک حدیث نبوی کی علمی اور تصنیفی خدمت سے تھا۔ بعد میں خود حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اس عاجز سے بارہا اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اس زمانہ میں تبلیغی کام اور اس سلسلہ کی بے پناہ نقل و حرکت کے بارہ میں ان کو ذہنی طور پر بھی پورا شرح صدر نہیں تھا؛ وہ جتنا کچھ ان دنوں اس سلسلہ میں کرتے اور حصہ لیتے تھے۔ وہ اپنے والد ماجد اور شیخ و استاذ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم کی تعمیل میں اور ان کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے

تقویٰ اور تعلق باللہ تو ان کو میراث میں ملا تھا اور کہا جا سکتا ہے کہ ان کی فطرت میں تھا۔ اس ناچیز کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ تبلیغی کام کے سلسلہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جو ہر طرح کے آدمیوں سے اکرام کے ساتھ ملتے تھے، جن میں بہت سے غیر متشرع بھی ہوتے تھے اور اسی طرح کے بعض معتقدین و محبین کی کار وغیرہ بھی استعمال فرما لیتے تھے۔ مولانا محمد یوسف صاحب کو اس سے انقباض ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں کبھی کبھی انہوں نے ادب کے ساتھ تنہائی میں حضرت سے عرض بھی کیا کہ آپ اس پر غور فرمائیں کہ یہ رویہ کہاں تک صحیح اور اکابر کے طریقہ کے مطابق ہے؛

بہرحال اس زمانہ میں مولانا موصوف کا طرز عمل اور طرز فکر یہ تھا؛ لیکن حضرت والد ماجد کی علالت کے بالکل آخری ایام میں ان کے حال میں کچھ تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی اور پھر تو اس ابتدا کی وہ انتہا ہوئی جس کو ایک دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی علالت

وصال سے دو تین مہینے پہلے سے اگرچہ بہت نازک شکل اختیار کر چکی تھی، لیکن حضرت کے بعض خاص حالات کی وجہ سے خدام کو ان کی زندگی اور صحت کے بارہ میں اچھی امیدیں تھیں، مگر دو ہفتہ پہلے سے حالت اتنی نازک اور سقیم ہوگئی کہ بظاہر اسباب صحت کی امید کے لئے گنجائش نہیں رہی۔ یہ عاجز اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی حضرت کے دوسرے بیسیوں خدام اور محبین کی طرح وہیں مقیم تھے۔ ہم لوگوں کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے ساتھ ساتھ حضرت کی دینی دعوت سے بھی اچھا خاصا تعلق ہو گیا تھا اس لئے قدرتی طور پر حضرت کی زندگی کے مسئلہ کے ساتھ ہم ان کے بعد ان کی دعوت کے انجام کے بارہ میں بھی فکرمند تھے۔ ہمارا احساس یہ تھا کہ جتنے لوگ اس وقت اس دعوت کے کام سے جڑے ہوئے ہیں ان کا تعلق اور ان کی محبت دراصل حضرت کی شخصیت سے ہے۔ دعوت سے ان کا تعلق آپ کی اس ذاتی محبت کی وجہ سے ہے! اس لئے یہ امید نہیں ہے کہ حضرت کے بعد بھی یہ کام اسی طرح چلتا رہے اور جس طرح لوگ حضرت کے سامنے اس کام کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں وہ آپ کے بعد بھی اسی طرح دیتے رہیں گے۔

ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارہ میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں اس دعوتی کام کے مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت سے تعلق و محبت رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا، اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کی تھی اور ممدوح کی بے انتہا عنایت و شفقت نے ہم لوگوں کو انتہائی محبت و عقیدت کے باوجود کسی قدر بے تکلف بھی کر دیا تھا اس لئے

ہم نے یہ طے کیا کہ ہم اس بارہ میں حضرت موصوف سے صاف صاف بات کریں اور اصرار کریں کہ وہ ابھی یہ فیصلہ فرمالیں اور ہمیں اس بارہ میں مطمئن کردیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ان کے جانشین کی حیثیت سے وہ نظام الدین میں مستقل قیام فرمائیں گے۔ ہم نے یہ طے کیا کہ آج صبح ہی حضرت ممدوح سے وقت لے کر ہم تنہائی میں اس مسئلہ پر گفت گو کریں گے۔

صبح صادق ہوئی، فجر کی اذان ہوتے ہی میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ نماز کے بعد آپ سے ایک خاص معاملہ میں کچھ عرض کرنا ہے، اس کے لئے وقت مقرر فرما دیجئے، فرمایا کہ نماز کے بعد متصلاً قاری سید رضا حسن (مرحوم) کی درس گاہ میں بیٹھ جائیں گے۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شیخ وہاں تشریف لے آئے اور یہ عاجز بھی حاضر ہو گیا اور اس ناچیز نے مختصر تمہید کے بعد اپنی اور مولانا علی میاں کی طرف سے وہ بات عرض کی جو رات کے مشورہ میں ہم دونوں نے طے کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا کے مرض اور ضعف کی رفتار دیکھتے ہوئے اب امید ٹوٹتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دل میں یہ فکر ابھر رہی ہے کہ حضرت کے بعد اس دینی کام کا کیا ہوگا۔ ہم لوگوں کو اندازہ ہے اور غالباً جناب والا کو بھی اس سے اتفاق ہوگا کہ اس وقت جتنے عناصر کام میں لگے ہوئے ہیں ان سب کا اصل تعلق حضرت کی ذات سے ہے اور اس ذاتی تعلق کی وجہ سے وہ اس کام میں جڑے ہوئے ہیں اس کا کافی اندیشہ ہے کہ حضرت کے بعد آہستہ آہستہ یہ شیرازہ منتشر ہو جائے گا اور یہ امت کا بہت بڑا خسارہ ہوگا، ہمارے نزدیک صرف اس کا ایک حل ہے اور وہ یہ کہ حضرت کے بعد جناب یہاں قیام کا فیصلہ فرمالیں اور یہ کام جناب کی رہنمائی اور سرپرستی میں ہو۔ ہمارا اندازہ ہے اور اپنے اس اندازہ پر ہمیں پورا اعتماد ہے کہ اگر ایسا ہوا تو یہ سب عناصر اسی طرح جڑے رہیں گے، کیونکہ ان سب کو جناب کے ساتھ بھی الحمد للہ عقیدت و محبت کا خاص تعلق ہے اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اور اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے دنوں کے بعد یہ سارا مجمع

منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ہم بڑے سخت "وہابی" ہیں۔ ہمارے لئے اس بات میں کوئی خاص کشش نہیں ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے! یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے ـــــ اور اگر جناب نے یہاں قیام فرمایا تو انشاء اللہ ہم سب کا تعلق اس کام سے اور اس جگہ سے ایسا ہی رہے گا جیسا آج ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نے میری یہ بات پوری خاموشی سے سنی اور جب میں اپنی بات عرض کر چکا تو فرمایا:۔

مولوی صاحب! حضرت چچا جان کی حالت دیکھ کر جو فکر آپ کو ہو رہی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ وہ یہاں سب کو ہو رہی ہے اور سب اس سوچ میں ہیں لیکن یہ بات ایسی نہیں ہے کہ ہم اور آپ اس کا کوئی انتظام کر لیں اور وہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے ان خاص بندوں کے ساتھ جو اس کے لئے مرتے مٹتے ہیں، یہ ہے کہ وہ ان کی چیز کو ضائع نہیں فرماتا، ان کے بعد بھی ان کے کام اور ان کے فیض کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اکثر و بیشتر تو ایسا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی میں کچھ لوگ ان کی محنت اور تربیت سے تیار ہو جاتے اور وہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور ان سے امید ہوتی ہے کہ اس بندہ کے بعد انشاء اللہ اس کا سلسلہ اور فیض ان کے ذریعہ جاری رہے گا۔

مشائخ کے ہاں خلافت و اجازت کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کو شیخ کی نسبت کچھ حاصل ہو گئی ہے اور اللہ کے بندوں کو اللہ سے ملانے کا جو کام شیخ سے لیا جا رہا ہے وہ انشاء اللہ ان سے بھی لیا جائے گا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بندہ کی عمر بھر کی محنت اور تربیت سے ایک آدمی بھی ایسا بنتا ہوا نظر نہیں آتا جس سے توقع کی جا سکے کہ اس کے ذریعہ اس بندہ کا

جلایا ہوا چراغ روشن رہے گا لیکن اس بندہ کا وصال ہوتے ہی اچانک اس کے لوگوں میں سے کسی ایک میں غیر معمولی تبدیلی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جانے والے کی نسبت دفعتہً اس کی طرف منتقل ہوگئی، ایسا بہت کم اور شاذ و نادر ہی ہوتا ہے لیکن جب ہوتا ہے تو نسبت کا یہ انتقال بہت غیر معمولی خارق عادت قسم کا ہوتا ہے۔ حضرت چچا جان کے لوگوں میں مَیں کسی کے متعلق نہیں سمجھتا کہ وہ تیار ہو چکا ہے اور ان کے اس کام کو وہ جاری رکھ سکے گا اور مجھے اللہ تعالیٰ سے اس کی پوری امید ہے کہ وہ ان کے کام کو ضائع نہیں فرمائے گا اس لئے مجھے توقع ہے کہ غالباً یہاں دوسری شکل واقع ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو کسی کو یہ دولت مل جائے گی پھر اس کو تم بھی دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا اور پھر انشاء اللہ یہ کام اسی سے لیا جائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں پھر میں خود یہاں رہوں گا اور اگر کسی اور کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا، بس انتظار کرو اور اللہ سے دعا کرو

اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب! میں خود تم سے بڑا "وہابی" ہوں، میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ کے در و دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔

اس عاجز کو اب دن تاریخ تو یاد نہیں لیکن اتنی بات یقین کے ساتھ یاد ہے کہ حضرت شیخ الحدیث سے یہ گفتگو حضرت کے وصال سے ٹھیک بارہ دن پہلے ہوئی تھی اور یہ بھی یاد ہے کہ حضرت شیخ کا جواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اطمینان نصیب فرما دیا تھا اور فکر کا سارا بوجھ دل و دماغ سے اتر گیا تھا۔

بارہ دن بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو گیا۔ وفات سے چند گھنٹے پہلے مخدومنا

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے ایما اور توجہ دلانے پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے چھ خاص متوسلین پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا اور ان کو اجازت دی۔ اور حضرت رائے پوریؒ نیز حضرت شیخ الحدیث کے مشورہ ہی پر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے لئے خلافت کا فیصلہ فرمایا جیسا کہ حضرتؒ کی سوانح میں تفصیل سے اس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

حضرت کا وصال صبح صادق کے وقت ہوا اور فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی خلافت اور جانشینی کا باقاعدہ اعلان ہوا۔

میں بدقسمتی سے دو دن پہلے ایک خاص ضرورت سے اس وقت کے اپنے مستقر بریلی آگیا تھا اور دہلی اس وقت واپس پہنچا جب لوگ حضرت کے دفن سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے۔ خلافت و جانشینی کا واقعہ میں نے وہاں جا کر سنا چونکہ اس وقت اپنی ناقص نگاہ میں مولانا محمد یوسف میں کوئی خاص امتیاز سوائے صاحبزادگی کے نہیں تھا اور اپنے علم و اندازہ کے مطابق تبلیغی کام سے تو ان کو گہری دل چسپی بھی نہیں تھی بلکہ اس لحاظ سے قاری داؤد صاحب وغیرہ حضرت کے بعض پرانے خادم اور رفیق ان سے بہت آگے تھے، اس لئے مجھے اس واقعہ کو سن کر کوئی خوشی نہیں ہوئی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کے بارہ میں بھی طرح طرح کے وسوسے آئے اور میں ان وساوس سے اتنا مغلوب ہوا کہ ان کی تاریکی میں بارہ دن پہلے کی حضرت شیخ الحدیث والی عارفانہ بات بھی بالکل یاد نہیں آئی۔ دن کا باقی حصہ اور پوری رات اسی حالت میں گزری اگلے دن صبح کو جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے معمول کے مطابق تقریر شروع فرمائی تو تھوڑی دیر کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ تو مولانا محمد یوسف صاحب کی زبان سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بول رہے ہیں۔ اس وقت حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی وہ بات یاد آئی اور اس تقریر کے ختم ہونے سے پہلے یہ یقین ہو گیا کہ حضرت شیخ نے جو کچھ فرمایا تھا یہ اس کا ظہور ہے اور اللہ تعالیٰ نے وہ دولت مولانا محمد یوسف صاحب کی طرف منتقل فرما دی ہے۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ

"انتقالِ نسبت" کا لفظ سنا بھی تھا اور کتابوں میں بھی پڑھا تھا، لیکن اس کا مشاہدہ اس دن پہلی دفعہ ہوا۔

(۳)

اس عاجز نے اور غالباً ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تین باتیں بہت غیر معمولی درجہ میں دیکھیں ـــــ ۱۔ ایک دین کا درد و فکر ـــــ ۲۔ دوسرے اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین ـــــ ۳۔ تیسرے معارف و حقائق کا فیضان۔

دین کے درد و فکر کے لحاظ سے ان کا حال بلا مبالغہ اس باپ کا سا تھا جس کا اکلوتا باکمال بیٹا جس سے اس کی بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہوں سخت بیمار اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو اور اس کی زندگی اور صحت کی فکر نے تمام دوسری فکروں اور ذاتی مسئلوں کو بالکل دبا دیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اور اس کی مدد پر ان کو ایسا اعتماد و یقین تھا گویا قضا و قدر کے فیصلوں کو انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارہ میں، آخرت کے بارہ میں، دین کے بارہ میں جب باتیں فرماتے تو اہل علم اور اصحاب درس بھی محسوس کرتے تھے کہ ان کے قلب پر حکمت کا فیضان ہوتا ہے" اور "وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا" کی تفسیر سامنے آجاتی۔

پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعتہً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب میں آگئیں اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے ـــــ آگے درج ہونے والے بعض واقعات سے کچھ اندازہ ہوسکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہاں تک پہنچایا۔

(۴)

آخر ۴۶ء یا شروع ۴۷ء کا واقعہ ہے، یہ عاجز ہفتہ عشرہ کے قیام کی نیت سے نظام الدین حاضر ہوا۔ اہلیہ بھی اس سفر میں میرے ساتھ تھیں ـ ان دنوں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب

کی پہلی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث کی بڑی صاحبزادی اور مولوی محمد ہارون کی والدہ مرحومہ مرض تپدق میں مبتلا تھیں۔ ان کے علاج، دوا کے اہتمام کی ذمہ داری حضرت حافظ فخرالدین صاحب[ف] نے لے رکھی تھی (رحمۃ اللہ علیہ) وہ روزانہ شہر دہلی سے اسی ضرورت سے تشریف لاتے، میں نے ایک دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے ان کا حال پوچھا اور مرض کی نوعیت کی تفصیل معلوم کرنی چاہی، ان کے جواب سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کچھ زیادہ باخبر نہیں ہوں، مجھے تعجب سا ہوا لیکن میں نے کچھ کہا نہیں —— چار پانچ دن کے قیام کے بعد میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ مولانا کی بیوی اس درجہ کی مریض ہیں کہ مجھے ان کے بچنے کی بھی امید نہیں ہے اور میں چار پانچ دن سے دیکھ رہی ہوں کہ حضرت مولانا ان کا حال پوچھنے کے لئے بھی کسی وقت ان کے پاس نہیں آتے، وہ عورت ذات ہیں ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ ان کا بھی تو کچھ حق ہے۔ میں نے پوچھا کیا انہوں نے تم سے خود بھی اس کی شکایت کی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، انہوں نے تو کبھی اس کا ذکر نہیں کیا، لیکن ان کے دل پر اس کا اثر ضرور رہو گا، آپ اس کے لئے مولانا سے ضرور کہیں۔ میں نے اگلے دن مولانا سے تنہائی میں گفتگو کی اور عرض کیا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کی اہلیہ ایسی مریض ہیں اور آپ کئی کئی دن مزاج پرسی کے لئے بھی ان کے پاس نہیں جاتے۔ رشتۂ زوجیت کے علاوہ وہ حضرت شیخ کی صاحبزادی بھی ہیں۔ ہماری سمجھ میں آپ کی یہ بات بالکل نہیں آئی، آپ کو روزانہ کچھ وقت ان کے پاس ضرور صرف کرنا چاہیئے۔

مولانا نے بڑی معصومیت سے فرمایا کہ "ہاں یہ بات تو بالکل صحیح ہے اور میں نے خود

ف حضرت حافظ فخرالدین صاحبؒ اس عہد کے ہمارے اکابر ومشائخ میں سے تھے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے خلیفہ مجاز یعنی حضرت مولانا محمد الیاس اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے پیر بھائی تھے اور ان حضرات سے بڑا گہرا تعلق رکھتے تھے علاوہ دوسرے معمولات کے روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرنا ان کا مستقل معمول تھا۔

ان سے اس بارہ میں بات کی تھی، مگر انہوں نے میرے حال اور میری مصروفیت کو دیکھ کر خود ہی مجھ سے یہ کہہ دیا ہے کہ آپ اپنے کاموں میں مشغول رہیں، میری فکر بالکل نہ کریں، دوا، علاج ہو رہا ہے، اگر زندگی ہے تو اچھی ہو جاؤں گی اور اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ جلدی اٹھانے کا ہے تو انشاء اللہ جنت میں اطمینان سے ملاقات ہوگی"۔ ـــــ میں نے کہا مجھے تو یہ شبہ ہے کہ انہوں نے یہ بات آپ کی بے فکری اور بے پروائی کو دیکھ کر کہی ہوگی۔ مولانا نے فرمایا کہ آپ تحقیق کر لیں۔ اگر ایسی بات ہوگی تو میں ان کے لئے وقت نکالنے کی پوری کوشش کروں گا۔ میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم ان سے اس بارہ میں اس طرح کی جذباتی باتیں کرو کہ ان کے دل کی بات زبان پر آجائے ـــــ چنانچہ میری اہلیہ نے مرحومہ سے بات کی۔ انہوں نے مولانا کی طرف سے خود مدافعت کی اور کہا کہ وہ دن رات دین کی فکر اور دین کے کام میں لگے رہتے ہیں۔ انہیں اپنا بھی ہوش نہیں ہے۔ میں نے ہی خود ان سے کہہ دیا ہے کہ وہ میری فکر بالکل نہ کریں، دوا علاج ہو ہی رہا ہے، اگر اللہ نے جنت میں جمع فرما دیا تو وہاں اطمینان سے رہنے کا موقع ملے گا ـــــ چند مہینوں کے بعد اسی علالت میں خاص نماز کی حالت میں مرحومہ کا انتقال ہوگیا۔ اللھم اغفرلھا وارحمھا۔

(۵)

تبلیغی کام کے مرکز نظام الدین میں جس پیمانہ پر کھانے کا لنگر جاری رہتا ہے اور روزانہ سینکڑوں آدمی دونوں وقت جس طرح دسترخوان پر وہاں کھاتے ہیں وہ بلاشبہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں عجائب اور خوارق میں سے ہے۔ ہمیشہ سے وہاں کا دستور یہ ہے کہ جب پیسے پاس نہیں ہوتے تو سارا غذائی سامان قرض، ادھار آتا رہتا ہے، جب پیسے آتے ہیں ادا کر دیا جاتا ہے، بلکہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ـــــ قریباً چودہ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قرض کی رقم کچھ زیادہ دنوں تک ادا نہیں کی جا سکی، غلہ وغیرہ جس دکاندار کے یہاں سے آتا تھا اس نے ان صاحب سے تقاضا کیا جو سامان لینے جایا کرتے تھے،

اور باورچی خانہ کا انتظام جن کے سپرد تھا اور آگے کے لئے مزید سامان دینے سے معذرت کر دی انہوں نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب سے اس سلسلہ میں کوئی تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور ہمیشہ پیش آسکنے والی اس مشکل کو مستقل طور سے حل کرنے کے لئے یہ تجویز سوچی کہ دو چار اپنے مخلص صاحب استطاعت اصحاب رازدارانہ طریقہ پر ایک مناسب رقم امانت کے طور پر آپس ہی میں جمع کر لیں تاکہ جب ایسی ضرورت پیش آئے تو اس میں سے لنگر خانہ کے سلسلہ کا قرضہ ادا کر دیا جائے اور جب رقم اپنے پاس آئے تو وہ امانت فنڈ میں واپس کر دی جایا کرے اور چونکہ یہ اندازہ تھا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اس کو کبھی پسند نہیں فرمائیں گے، اس لئے پوری رازداری کے ساتھ انہوں نے بالا بالا اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا۔ دھلی کے پانچ باتوفیق دوستوں نے پانچ پانچ ہزار روپیہ دے کر پچیس ہزار کی رقم اپنے ہی میں سے ایک کے پاس جمع کر دی اور آپس میں عہد معاہدہ ہو گیا کہ حضرت مولانا سے کوئی اس کا ذکر نہ کرے بلکہ بات بالکل راز میں رہے اور ہم چھ آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ ہو۔

معلوم نہیں کس طرح دوسرے یا تیسرے ہی دن مولانا کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ انہوں نے مطبخ کے ان منتظم صاحب اور اپنے ان پانچوں مخلصوں کو جنہوں نے اور رقم جمع کی تھی بلوایا، اور تنہائی میں بٹھا کر پوچھا کہ مجھے اس طرح کی اطلاع ملی ہے۔ سچ سچ بتایئے کیا آپ لوگوں نے ایسا کیا ہے؟ ان بے چاروں کو اقرار کرنا پڑا۔ اس کے بعد مولانا نے ان کے سامنے ایک تقریر فرمائی، جس میں فرمایا کہ آپ لوگوں نے جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا ہے لیکن ہمارے ساتھ یہ ایک طرح کا ظلم ہے جب اس طرح کے انتظام آپ لوگ کریں گے تو پھر ہم اللہ کی مدد کے قابل نہیں رہیں گے۔ اللہ کی مدد کے قابل ہی اسی وقت تک ہیں جب تک دنیا میں ہمارا کوئی سہارا نہ ہو اور ہماری نظریں اس کے خزانہ اور اس کی مدد پر ہو اور ہم مضطر ہوں ——— اس کے بعد مولانا نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی رقم واپس لے لے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ——— یہ واقعہ اسی زمانہ میں مجھ سے جن صاحب نے بیان کیا وہ خود اس کے شرکاء میں سے تھے۔ وہ بتاتے تھے کہ اس

دن کی تقریر میں حضرت مولانا خود بھی روئے اور ہم سب کو بھی خوب رلایا اور ہم سب نے توبہ کی اور معافی مانگی۔

(۶)

اب سے ۶۔۷ سال پہلے مولانا کی اہم تصنیف "حیاۃ الصحابہ" جب مکمل ہوئی اور اس کی طباعت کے بارہ میں طے ہوا کہ "دائرۃ المعارف حیدرآباد" میں چھپوائی جائے، تو حیدرآباد کے مخلص دوستوں نے طباعت کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داری لے لی اور بالا بالا اپنے طور پر یہ بھی کوشش کی کہ اس کے مصارف کا انتظام بھی وہ خود ہی کرلیں۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے بمبئی وغیرہ کے حضرت مولانا کے بعض مخلصین اور معتقدین سے بات بھی کی اور اس رقم کا بڑا حصہ (غالباً ۸۔۱۰ ہزار کے قریب) فراہم بھی کرلیا ——— حضرت مولانا کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے وہ ساری رقم واپس کرادی اور کاغذ و طباعت وغیرہ کے لئے جتنی رقم درکار تھی وہ خود ہی بھیجی۔

(۷)

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے غالباً چند ہی مہینے بعد مرادآباد میں پہلا بڑا تبلیغی اجتماع ہوا۔ اس وقت تک تبلیغی کام کے سلسلہ میں بڑے اجتماعات اور جلسے میوات میں تو ہوتے تھے لیکن میوات سے باہر بڑے اجتماعات کا رواج ابھی نہیں ہوا تھا جہاں تک اس ناچیز کو یاد ہے مرادآباد کا یہ اجتماع اپنی قسم کا پہلا بڑا اجتماع تھا۔ باہر کے قریباً سات سو آدمیوں نے اس میں شرکت کی تھی۔ تبلیغ کے لئے اوقات دینے کا رواج بھی اس وقت تک میوات سے باہر بہت ہی کم ہوا تھا۔ فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے تقریر شروع فرمائی اور حسب عادت تقریر میں گویا کلیجہ نکال کے رکھ دیا۔ اس کے بعد اوقات کا مطالبہ شروع ہوا ۔ بہت ہی کم نام آئے۔ حد ہے کہ بجنور، چاندپور اور رامپور جیسے بالکل قریبی مقامات کے لئے دس دس آدمیوں کی جماعتیں بھی نہیں بن سکی تھیں۔ ہم

کئی آدمی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے اور اپنا پورا زور لگا رہے تھے لیکن ناموں میں اضافہ بالکل نہیں ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جو تقریر فرمانے کے بعد مسجد کی اندرونی محراب میں تشریف فرما تھے لوگوں کی یہ سرد مہری دیکھ کر ان کو جلال آگیا۔ ایکدم اٹھ کر تشریف لائے اور مکبر د فون میرے ہاتھ سے لے کر فرمانا شروع کیا! آج تم بجنور، چاندپور اور رامپور جیسے قریبی مقامات کے لئے اور صرف تین تین دن کا وقت دینے کے لئے تیار نہیں ہو رہے، ایک وقت آئے گا جب تم شام جاؤ گے مصر جاؤ گے، عراق جاؤ گے لیکن اس وقت اس کام کا عام رواج ہو چکا ہو گا اس لئے اجر گھٹ جائے گا۔ مولانا کی اسی پُر جلال دعوت پر چند نئے نام اور آگئے لیکن میرا خام اور ظواہر کا اسیر ذہن چونکہ ماحول سے اثر لینے کا عادی ہے اس لئے مولانا کی شام، عراق اور مصر جانے والی بات کا مجھ پر کچھ اچھا اثر نہیں پڑا میں محسوس کر رہا تھا کہ جب لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ چاندپور اور رامپور کے لئے تیار نہیں ہو رہے ہیں تو اس حالت میں شام، عراق اور مصر جانے والی بات بہت بے موقع ہے مگر اللہ کی شان تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا کی وہ بات واقعہ بن کر آنکھوں کے سامنے آگئی اور ان ممالک عربیہ میں غالباً پہلی جماعت مرادآباد والوں ہی کی گئی۔

(۸)

اس عاجز نے پڑھنے کے زمانہ میں خدا کے فضل سے محنت سے پڑھا اور پڑھانے کے زمانہ میں محنت سے پڑھایا۔ ذہن اور حافظہ کی نعمت سے بھی اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں رکھا تھا۔ لکھنا پڑھنا اور مطالعہ ہی اصل مشغلہ رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اپنے استاذ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کبھی کسی کے علم سے مرعوب و متاثر نہ ہو سکا لیکن حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جب حاضری نصیب ہوئی تو محسوس ہوا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علم عطا ہوا ہے (جو مدرسہ اور کتب خانہ کا علم نہیں ہے) اس لئے حسب توفیق ان کے بہت سے ارشادات اپنے لئے قلم بند بھی کئے۔ بعد میں ان کا ایک حصہ کتابی شکل میں بھی مرتب کیا (جو شائع ہو چکا ہے) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی تقریروں میں بھی صاف محسوس ہوتا تھا کہ دہی علم ان کو بھی

عطا ہوا ہے اور قوت بیان مزید برآں ہے۔ اس لئے ان کی تقریر لکھنے کو بھی جی چاہتا تھا مگر دیکھتا تھا کہ اللہ کی توفیق سے بہت سے حضرات ان کی تقریریں لفظ بہ لفظ لکھنے کا اہتمام کرتے ہیں اس لئے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ پھر بھی اپنے لئے ان کے خاص خاص معارف اشاروں میں نوٹ کیا کرتا تھا۔ اس عاجز کو پوری بصیرت کے ساتھ یقین ہے کہ یہی وہ علم ہے جس کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا"

ان کی تقریر کے پھیلاؤ میں بعض وقت ایسی باتیں بھی آجاتی تھیں جو ہمارے زمانہ کے بعض طبقوں کے ایمان کے لئے آزمائش بن سکتی تھی۔ یہ اسی قسم کی چیزیں ہوتی تھیں جن کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے زمانہ کے بعض علماء کو تنبیہ فرمائی تھی کہ "أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ" لیکن مولانا کی اندرونی ایمانی قوت اور بنیادی دعوت کی طاقت اس طبقہ کو بھی تھام لیتی تھی ——— لیکن ہر ایک کے پاس تو یہ اکسیر اور تریاق نہیں ہے۔

(۹)

جن خوش نصیبوں نے حضرت مولانا کی تقریریں سنی ہیں اور ان کو اس دولت سے کچھ مناسبت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اہل ایمان کو ملتی ہے۔ ان سب کا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ مولانا کی تقریر سے ایمان میں جان پڑتی تھی اور کھلی ترقی محسوس ہوتی تھی اور قرآن مجید کی جن آیتوں میں ایمان کی زیادتی اور اضافہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی صحیح تفسیر سمجھ میں آتی تھی ——— زمانہ اور ماحول کے فرق کے ساتھ ان کی تقریروں کو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کے مواعظ سے بڑی قریبی مشابہت تھی۔

(۱۰)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے اپنے کو کلی طور پر وقف کر دیا تھا۔ اپنی ساری توانائیاں اور اپنی ہر چیز اس کی راہ میں اس طرح لگادی تھی کہ اس میں سے کچھ بھی اپنی ذات کے لئے بچا کے نہیں رکھا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ہزاروں بلکہ لاکھوں بندوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا۔ اس کے کہنے میں انشاء اللہ کچھ بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ آج کی دنیا کے کسی بڑے

سے بڑے سرمایہ دار، بڑے سے بڑے مقبول اور بااثر لیڈر یا ڈکٹیٹر کسی جمہوریہ کے محبوب صدر یا وزیراعظم کی حکومت اتنے دلوں پر نہ ہوگی۔ جتنے دلوں پر مولانا مرحوم کی حکومت تھی؛ انہوں نے کوئی پارٹی نہیں بنائی۔ اپنے کام یا پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے کوئی اخبار یا رسالہ جاری نہیں کیا (بلکہ وہ دل سے چاہتے اور امکان بھر اس کی کوشش کرتے تھے کہ دوسرے اخبارات ان کا اور ان کے کام کا کوئی ذکر نہ کریں۔ وہ اپنے مقصد کے لئے اسی کو مفید سمجھتے تھے) انہوں نے کبھی کوئی فنڈ جمع نہیں کیا۔ بس خود قربانی دی اور اللہ کے بندوں کو قربانی کے لئے پکارا، اللہ تعالیٰ نے پہلے ہزاروں پھر لاکھوں بندوں کو ان کے گرد جمع کر دیا اور اسلام کی اس غربت کے دور میں چشم فلک نے یہ تماشا دیکھا کہ چٹائی پر بیٹھنے والے ایک درویش عالم دین اور اللہ کے داعی کی ترغیب و دعوت اور محنت کے نتیجہ میں اللہ کے ہزاروں، لاکھوں بندے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں اور جزیروں میں شہروں اور قصبوں میں اور دیہاتی آبادیوں میں ہر وقت پھر رہے ہیں۔ ان میں اردو بولنے والے بھی ہیں اور پنجابی یا پشتو بولنے والے بھی ہیں، انگریزی بولنے والے بھی اور فرانسیسی اور جرمنی بولنے والے بھی۔

ان فی ذالک لعبرۃ لاولی الابصار

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اور ان سے بھی پہلے خادمان دین اور داعیان حق کی طرح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھی اٹھا لئے گئے لیکن جو اللہ سب کچھ کرنے والا ہے وہ حی قیوم ہے اور ازل سے اس کا ایک ہی قانون و دستور رہے۔ اگر اسی خلوص و للہیت کے ساتھ اور انہی اوصاف اور اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے قربانیاں دی جاتی رہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہی تعلق رہا جس کا نمونہ ہمارے اس زمانہ میں ان دونوں باپ بیٹوں نے پیش کیا تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی ہوتا رہے گا جو اب تک ہوتا رہا ہے۔

ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلاً

صدیق وقت یوسف اقلیم دین و دعوت

(نوراللہ مرقدہ)

(از جناب مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم اے، صدر شعبہ عربی اسلامیہ کالج پشاور)

درمیان کارزار کفر و دین　　　ترکش مارا خدنگ آخریں

عالم کی سب سے بڑی متاع انسان ہے لیکن ہر زمانہ میں انسان کی یافت و معرفت ہی بنی آدم کے لئے سب سے مشکل مسئلہ بنی رہی ہے۔ وہ مخلوق جو انسان کے نام سے موسوم ہے لیکن انسان کے جواہر اصلیہ سے محروم ہے، ان کا تذکرہ نہیں، بات اس انسان کی ہے جو خلیفہ الٰہی، نائب حق مظہر صفات الہیہ، عبدیت و اخلاق کا پیکر، احکام ربانی کا حامل اور اپنی ذات و صفات و اعمال کے لحاظ سے عالم کے لئے سراپا رحمت و ہدایت، باعث برکت و خیر ہو جس کی زندگی عالم کی موت ہو، جو خدا کا ہو، جس کا دل جمال و کمال الٰہی کے نور سے روشن اور جس کی پیشانی للہیت، انابت الی اللہ اور معیّت ربانی سے منوّر ہو جس کی صحبت ہدایت کا نور بکھیرتی ہو جس کا دل دلوں کو زندگی بخشتا ہو جس کی روح سے روحیں زندہ ہوتی ہوں جس کا اُسوہ اپنے اندر صحبت نبوت کا پرتو لے ہوئے ہو

۱ے یہ عجالہ، ناگزیر حالات کی بنا پر انتہائی رواروی میں قلم برداشتہ املا کرایا گیا ہے اس لئے جیسے لکھنا چاہتا تھا، وہ صورت نہ ہو سکی تاہم جو ہوا۔ خدا کی توفیق سے ہوا۔ والحمد للہ علی ذالک

طوفان اشک لانے سے اے چشم فائدہ　　　دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

جس کی زندگی "ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین" کا عملی ثبوت ہو جو مخلوق کا نہ ہو، خالق کا ہو، مخلوق سے اپنے نفع وضرر کو حقیقتاً متعلق نہ سمجھتا ہو۔ وہ ہر غیر سے قطعاً بے نیاز اور صرف ایک ذاتِ الٰہی کا نیاز مند ہو، اس کی امنگیں، امیدیں، تمنائیں، آرزوئیں، آہیں، نالے، سوز وگداز، بے چینیاں اور بے قراریاں کوشش ومحنت سعی وجستجو، سوچ وفکر، سکوت وتکلم، قول وعمل، صرف ایک ذاتِ پاک وبے ہمتا خالق ومالک کے لیے ہو کر رہ گئی ہو، اس کا حال لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کی عملی تصویر ہو اور اس کا دل ابراہیم خلیل کی طرح خلّت ربّانی کا ذوق آشنا اس کا یقین محکم وایمان کامل شک وریب بے یقینی اور نفاق کے تو بر تو پردوں کو چاک کرنے والا بے راہوں کو راہ بیں بنانے والا اور دلوں کی ظلمتوں کو کافور کرنے والا ہو وہ اپنی راہ نبوت کی بتائی ہوئی روشنی میں طے کرتا ہو، زمان ومکان اسے متاثر نہ کرتا ہو۔ وہ تفرید وتجرید کے اس مقام پر فائز ہو جہاں غیر کلی طور پر مضمحل ومحجوب ہو جاتا ہے اور جہاں ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہوتی نظر آتی ہے۔ اس کے لئے مخلوق اور مخلوق پر وارد ہونے والے احوال وتصرفات ایک ہی مصرّف الامور اور مکوّن السموات والارض کی مختلف تجلّیات وافعال کا ظہور وصدور رہوں، وہ عالم کے ہر تصرف اور کائنات کی ہر حرکت و سکون میں خالق وآمر حقیقی کا غیر مرئی ہاتھ کارفرما پاتا ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کے نظام تشریعی وتکوینی کی مصلحتیں اور حقیقتیں اس پر (بقدر عطاء رب) کھل چکی ہوں، نظام تشریعی کی حقیقت نے اس پر واضح کر دیا ہو، کہ تکوینیات کے امر تشریعات کے متعلقہ امور کے نتائج وثمرات ہوتے ہیں اس لئے شریعت مطہرہ کی عظمت اور انبیاء علیہم السلام خصوصاً افضل الانبیا سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے اعمال کے جزو کل کی قیمت واہمیت اس پر اس طرح منکشف ہو چکی ہو کہ چھوٹی سے چھوٹی سنت اور حیات نبوی کے معمولی سے معمولی عمل کو وہ پوری کائنات سے زیادہ رفیع وقیمتی سمجھتا ہو جس کے لئے ایک سنت کا ٹوٹنا قیامت ہو، جان دینا گوارا ہو لیکن طریقۂ نبوت کا اضمحلال برداشت نہ ہو سکے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح وہ قولاً وعملاً پکار رہا ہو۔ "اینقص الدین وانا حیّ" ایسی شخصیت کا ملا بقول شاہ ولی اللہؒ کبریت احمر اور اکسیر اعظم سے کم نہیں، ایسے انسان کی جستجو کے متعلق عارف رومی

نے کہا ہے ؎

کز دام و دو ملولم و انسانم آرزوست

ایسے انسان کامل، کی یافت دل کا چین، روح کا سکون اور ہر بیماری کا علاج ہے، اس کا ملنا ہی شکوک و ریب کے اندھیروں کو اُجالے سے بدل دیتا ہے اور دل میں یقین و ایمان کی قندیل روشن کر دیتا ہے ؎

اے لقائے تو جواب ہر سوال | مشکل از تو حل شود بے قیل و قال
در علاجش سحر مطلق را ببیں | در مزاجش قدرتِ حق را ببیں

ایسے انسان کی یافت وحصول میں توبرتو حجابات حائل ہو جاتے ہیں اور اس سے استفادہ و استفاضہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں وہ خود شہرت و نمود کا طالب نہیں ہوتا؛ معاصرت، کے حجاب اکبر کے علاوہ اعمال کا ظاہری تشابہ، اس کی اپنی بے نفسی، فنائیت و تواضع، خلق کی مدح و ذم سے بے پروائی وغیرہ اس کے جمال و کمال کو چھپائے رکھتی ہے۔ بے بصر اشخاص اسے اپنے پر قیاس کر لیتے ہیں اور اس کے فیض و برکت سے بے پروا اور محروم ہو جاتے ہیں اسی کی طرف عارف رومی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر | گرچہ باشد در نوشتن شیر، شیر
شیر آن باشد کہ انسان می خورد | شیر آن باشد کہ انسان را درد
جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد | کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد
اشقیا را دیدۂ بینا نبود | نیک و بد در دیدہ شان یکساں نمود
ہمسری با انبیاء بر داشتند | اولیا را ہمچو خود پنداشتند
گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر | ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ | ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ
ہر دو صورت گر بہم ماند رواست | آب تلخ و شیریں را صفا است

جو اشخاص اور جو طبقہ ایسے انسان تک پہنچ بھی جاتا ہے تو اس کی معرفت و پہچان اور ان سے استفادہ اپنے احوال و ظروف کے مطابق کر پاتا ہے اور اس جہل مرکب میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ہیں نے اسے جان لیا، پہچان لیا اور جو میں نے اس سے اخذ کیا گویا اس انسان کامل اور عبقری شخصیت کا وہی سرمایہ اور افضل و کمال تھا، حالانکہ بقول سید الملۃ قدس سرہٗ

فیضِ ساقی ہے باندازہ ظرف میخوار   دل حریف مے بسیار کہاں سے لاؤں

افادہ بقدر صلاحیت استفادہ ہوتا ہے۔ علوم خاصہ بھی اپنا محرم تلاش کرتے ہیں۔ نسبت باطنی بھی اپنے محل و جائے استقرار کی طلب میں ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے کامل انسان ہم جیسے مستفیدوں کو ہمیشہ یوں ہی کھٹے رہے۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم   جفتِ بدحالاں و خوش حالاں شدم
ہر کسے از ظنِ خود شد یار من   از درون من نجست اسرار من
محرم ایں ہوش جز بیہوش نیست   ہم زباں رامشتری جز گوش نیست
ہیچ کس راز ہرہ ایں جوش نیست   باکہ گویم در جہاں یک گوش نیست

پچھلے دور کے ایک حکیم شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

چو رخت خویش بربستم ازیں خاک   ہمہ گفتند باما آشنا بود،
ولیکن کس ندانست ایں مسافر   چہ گفت باکہ گفت واز کجا بود

غرض انسان کا ملنا مشکل اس کا جاننا و پہچاننا اور اس کی صفات و کمالات فضائل و مزایا کی معرفت مزید دقت طلب اور گراں ہوتی ہے، اب ایسے انسانوں کے پہچاننے کا کیا دعویٰ و اظہار کیا جائے کہ

خود ثنا گفتن زمن ترک ثنا است   کیں دلیل ہستی و ہستی خطا است

بہر حال ہر شخص اپنے ظرف و استعداد، فہم و دانش، علم و بصیرت کے بقدر جاننا اور تعارف کرا سکتا ہے لیکن ناواقفوں کے لئے یہ تعارف بھی اکثر باور کرانے کے مترادف نہیں ہو سکتا۔ مبالغہ اور عقیدت کی اس دنیا میں حقیقت کو بھی افسانہ سمجھ لیا جاتا ہے اور شخصیت نگاری کو شاعری قرار

دیا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود ایسے باکمال انسانوں کے خد وخال اور جمال وکمال کو کسی حد تک پیش کرنا افادیت سے خالی نہیں کہ

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب　　　بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب،

اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت جاریہ ہے کہ اس عالم میں انسانوں کی ہدایت کے لئے نفوس کاملین کو پیدا فرماتا رہتا ہے اور انہیں اپنی ہدایت کا آلہ بنا کر اس عالم کے انسانوں پر اپنی ذات تک پہنچنے کی راہیں کشادہ اور اپنی ذات عالی سے استفادہ کی صورتوں کو استوار فرماتا رہتا ہے، یہ نفوس کاملین اصلاً انبیاء علیہم السلام کی ذوات عالیہ ہوتی ہیں اب جبکہ ہمارے آقا امام الرسل سید الانبیا خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دائمی نبوت اور ابدی رسالت کے ساتھ تشریف لے آئے اور حکمت الہیہ نے یہ مقدر فرما دیا کہ دورہ نبوت محمدیہ اعلان نبوت محمدیہ سے لے کر تا قیام ساعت مستمر رہے گا۔ اس عہد میں جتنے اصحاب دعوت و ارشاد اور نفوسِ قدسیہ پیدا ہوں گے وہ رسالت محمدیہ کے آبِ زلال سے سیراب، آپ کے علوم و انوار سے فیضیاب، آپ کے یقین و ایمان توکل وتفویض، للہیت و انابت، درد وسوز اور غافلوں ناواقفوں پر ترس و رحم اور آپ کی دیگر باطنی صفاتِ کمال سے متصف ہوں گے ایسی ذوات قدسیہ عالم کی ہدایت کا سبب اور نظام ہدایت کی اس عالم میں ظاہری کڑیاں ہوتی ہیں۔ ان کے مجاہدات اور دعاؤں کی برکت سے دین کے فروغ کی غیبی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔

عزت کدہ ہند میں اسلام کا قافلہ صحابہ کے عصر سعادت ہی میں پہنچ گیا تھا، اس عہد سے لے کر دسویں صدی ہجری تک علماء، ودعاۃ، صلحا وصوفیہ کی ایک کثیر جماعت کفرستان پاک وہند کو اسلام کے نور سے منور کرتی رہی لیکن سیدنا امام ربانی مجدد سرہندیؒ کے دورہ تجدید سے اس سرزمین کے لئے وہ عہد برکت شروع ہوتا ہے جب ہدایت وارشاد کا خاص مرکز اس سرزمین کو قرار دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانہ سے لے کر آج تک علماء ومحدثین،

اکابر صوفیہ و اصحاب دعوت و عزیمت جس قدر ہندوستان خصوصًا مضافات دہلی و دوآبہ کی سرزمین سے اٹھے۔اس کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی اور ان سے جو خیر پھیلا اس کے اثرات و نقوش عالمگیر ہیں۔اسی سلسلۃ الذہب کی آخری سنہری کڑی۔

العارف باللہ، المجاہد فی اللہ الداعی الی اللہ، المویدمن اللہ، معدن الیقین والایمان، لسان الحق والدعوۃ، وارث علوم النبوۃ، قطب الارشاد صدیق وقتہ خلیل عصرہ العلامہ الشاہ محمد یوسف الکاندھلوی نوراللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت جیؒ قدس سرہ معرفت وللّٰہیت، ایمان ویقین، دعوت و عزیمت، مجاہدہ وفنائیت کے جس مقام پر فائز تھے اس کا ادراک بھی مجھ جیسوں کی پرواز سے بالا ہے تاہم یہ بات بے محابا اور برملا کہی جا سکتی ہے کہ حضرت جیؒ اس دور میں ایمان ویقین کے امام، دعوت الی اللہ کے سب سے بڑے قائد، حکمت تشریعی کے رمز آشنا اور علوم و معارف نبوت کے وارث کامل تھے۔مادیت کے اس دور میں جس کا خاصہ روحانی اقدار اور غیبی حقائق سے انکار ہے آپ کا وجود روحانیت کی سب سے بڑی قندیل تھا، روحانیت اور ایمانی حقائق آپ کے لئے ایک نظری وفکری عقیدہ نہیں تھا بلکہ صدیقیت کا وہ مقام آپ کو عطا فرمایا گیا۔جہاں حقائق منکشف ہو جاتے ہیں، مغیبات پر یقین شہود کی کیفیت حاصل کر لیتا ہے اور معاملہ عین الیقین سے گزر کر حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے جس کے بعد دلائل کی ضرورت نہیں رہتی کہ ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب

بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عزاسمہ وعم نوالہ کی حکمت بالغہ جن اشخاص کو صدیقیت کے مقام سے نوازنا چاہتی ہے ان کے قلوب پر اپنے بعض خاص اسماء کی خصوصی تجلی اس شان سے فرماتی ہے کہ ان کا قلب متجلی ومزکی ہو کر غیر سے غافل اور ملا اعلیٰ کے فیضان کے لینے کے قابل ہو جاتا ہے۔اس وقت اسم ہادی کی وہ تجلی، جس کا سب سے بڑا مظہر اس عالم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی ہے، ان قلوب کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور نظام تشریعی کے

وہ حقائق و معارف جسے اللہ تبارک و تعالیٰ اُس بندہ پر کھولنا چاہتے ہیں کھل جاتے ہیں، اُس وقت نسبت الٰہیہ کا ایک خاص القاان قلوب پر ہوتا ہے اور اس عالی نسبت کی برکت سے انہیں اپنے نبی سے مناسبت تامہ نصیب ہو جاتی ہے اب جو علوم و احوال نبیؐ کی ذات لے کر آتی ہے ۔صدیق کا قلب بغیر کسی دلیل کے وجدانی طور پر اس کی اسی طرح تصدیق کرتا ہے جس طرح ایک انتہائی فاقہ زدہ شخص اپنی بھوک کو محسوس کرتا ہے اور اس وجدان و احساس کے خلاف کسی دلیل سے قائل نہیں ہو سکتا ہے، اس کے لیے شنید دید اور قال حال ہو جاتا ہے ۔نبوت کے ہر قول و فعل پر عمل اس کے لئے الٰہی روشنی ہوتا ہے اس کا ماننا اس کا فطری خاصہ، طبعی جذبہ اور قلبی داعیہ بن جاتا ہے، اسے نبوت سے ایسی مناسبت بخشی جاتی ہے کہ نبوت کا باطنی فیضان اس کے قلب کو منور اور حقائق سے آشنا کر کے شریعت کو اس کی فطرت بنا دیتا ہے اس کے لئے نبیؐ کی ہر ادا حقیقت و نور، ہر قول و فعل دلیل و روشنی بن جاتا ہے ۔اس بنا پر اس کا یقین کا مستقر اور حقائق و معارف ایمانیہ کا مہبط بن جاتا ہے ایمان کا یہی درجہ اس میں تفویض و توکل علی اللہ تفرید و تجرید، اخلاص و رضا تسلیم و قربانی صبر و شکر اور توحید کے جملہ مظاہر کا سبب بن جاتا ہے حضرت جی قدس سرہ خود ایک جگہ اپنے خاص انداز میں ارقام فرماتے ہیں۔

"مبدا فیض تو خدا کی ذات ہے اور رضا بطہا ئے فیوض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صفات ہیں، لیکن کاغذ کے نقوش سے حقیقت تک پہنچ کر اس کو اپنے میں حاصل ہونے کے لئے محنت کر لینا اور اس حقیقت کا حامل بن جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اس لئے حق تعالیٰ شانہ اپنے فیوض کے فیضان کے لئے کچھ ہستیاں اس عالم میں وقتاً فوقتاً ایسے عام انسانوں کے سلوک و محنت کے لئے کھڑی کر دیتے ہیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کی حامل ہوتی ہیں اور ذات باری تعالیٰ سے اکتساب فیوض اور ان کی رحمت و انعامات کے حصول کے لئے ان صفات کا اختیار کرنا سبب و ذریعہ بن جاتا ہے ----ایسے ہی انسانوں میں دربار الٰہی و دربار رسالتؐ سے انوارات

در روحانیت کا فیضان ہو کر عام مخلوق کی فیضیابی کا ذریعہ بنتا ہے ایسے ہی انسانوں کا وجود انبیاء کرام اور سلف صالحین کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عالیہ ایسے مبارک انسانوں کی ریاضت و مجاہدات کے ذریعہ وقتاً فوقتاً اس عالم میں اپنی برکات و انوارات کے ساتھ ظہور پذیر ہو کر بندگان خداوند قدوس جل وعلیٰ مجدہ کے اللہ رب العزت کی طرف رجوع کا ذریعہ بن کر عمومی رحمت و انعامات کے دروازے کھلوانے کے ذریعہ اس عالی نسبت کی عظمت و وقعت و محبت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ تاکہ اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق رکھنے والے سعادت مند انسان اس عالی نسبت کے حصول کی طرف متوجہ ہو کر بے نہایت دارین کی ترقیات حاصل کریں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نسبت عظیمہ و عالیہ، روحانیہ و نورانیہ اپنے دونوں نظروں (انفرادی و اجتماعی) کے ساتھ اس عالم میں ظاہر ہوتی رہی، محنت کرنے والے مبارک انسانوں کے ذریعہ اس نسبت عالیہ کا ظہور بھی ہوتا رہا۔" (الجمیعتہ دہلی شیخ السلام نمبر تبقدیم و تاخیر)

اس درازنفسی کا مقصد یہ ہے کہ فقیر کے نزدیک حضرت جی قدس سرہ کا مقام صدیقیت ان کے باقی کمالات وجواہر کا منبع ومنشا تھا، آپ کے یقین کی دولت آپ کی ایمانی قوت، آپ کا سوز دروں، آپ کی ربانیت وللہیت، آپ کی خشیت ومحبت الٰہی آپ کا تقویٰ آپ کی انابت الی اللہ والتجاء دعا کی کیفیت، یہ جملہ صفات اسی مقام صدیقیت کے مختلف مظاہر ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جامعہ وکاملہ اپنے مختلف الوان میں اشخاص متعلقہ کے ظروف واستعداد کے لحاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت جی قدس سرہ کی نسبت باطنی کے متعلق کلام تو کوئی دیدہ ور ہی کرسکتا ہے اس بے بصر کے نزدیک تو آخری دور میں نسبت یوسفی مختلف الوان نسبت کا ایک عجیب اور نہایت ہی جامع گلدستہ بن چکی تھی جو جمال وجلال ربی کی تجلیات خاصہ کا بوقلموں مرقع تھا جس کا پورا ادراک وبیان اس کو رنگاہ کا مقام نہیں لیکن

ایک بات زبان قلم پر آئے بغیر نہیں رہتی۔ فقیر نے قلب یوسفی پر نسبت شیخین رضی اللہ عنہما کا ترشح پایا ہے اپنے آخری سفر میں جب تل میں حضرت نے از راہ عنایت مصافحہ فرمایا تو حضرت جی قدس سرہ کی قوت باطنی اور نسبت عالیہ کا ادراک کچھ اس شدت سے محسوس ہوا کہ کئی دن تک یہ کیفیت رہی

نگاہوں سے بھر دی رگ و پے میں بجلی　　　نظر کردہ برق تپاں ہو رہا ہوں

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ نسبت شیخین سے مناسبت بھی اسی صدیقی نسبت کا نتیجہ تھی جس سے حضرت جی کو نوازا گیا تھا۔

موجودہ دور جس کا سب سے بڑا مرض بے یقینی، ارتیاب و شک، مغیبات کا انکار الٰہی حقائق اور نبوی معارف کا استخفاف ہے، ضرورت تھی کہ حکمت الٰہیہ اس دور کے "قائد دعوت" کو حقائق ایمانیہ کے اس غیر متزلزل یقین سے نوازتی جو نبوت کی خاص میراث اور صدیقین کا خاصہ ہے بلکہ صدیقیت اسی کا عنوان ہے۔

صدیقیت کا یہ مرتبہ بلند اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات عالیہ کے کمال عرفان کا نتیجہ ہوتا ہے، حضرت جی پر صفات الٰہیہ جس تفصیل و وضوح سے کھلی تھیں اس کی مثال کم دیکھنے میں آئی ہے اور وہ یقیناً صوفیاء کاملین اور محقق عارفین ہی کا حصہ ہے، توحید افعالی آپ کا مقام بن چکی تھی اور توحید کامل کا رسوخ دل کی گہرائیوں میں جڑ پکڑ چکا تھا، نتیجہ ہر غیر سے برأت اور خلت کا وہ مقام تھا، جہاں کسی دوئی کا ادنیٰ شائبہ نہیں برداشت کیا جا سکتا اور یہ مقام سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کا ظل ہے جس کا اظہار لسان رسالت نے ان الفاظ میں فرمایا تھا،

لوکنت متخذاً خلیلا	اگر میں اپنی امت میں کسی کو اپنا خلیل
من الناس لا تخذت	بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اس لئے
ــــ ابابکر ــــ	نہیں بنا سکتا کہ خلت کے تعلق میں اللہ
(جامع ترمذی ابواب المناقب)	کے سوا کسی کی گنجائش نہیں رہی۔

حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کا وصال سے کچھ لمحات پیشتر یہ فرمانا کہ "میرے ساتھ کون ہے اور ساتھیوں کے جواب پر یہ ارشاد کہ "میرے ساتھ کوئی نہیں میرے ساتھ میرا اللہ ہے" اسی مقام خلت کا عکس تھا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمتہ واسعہ

توحید کے اس ارفع و اعلیٰ مقام کی بنا پر حضرت جیؒ دعوت بھی توحید افعالی کی ہی دیتے تھے، جن خوش نصیبوں کو حضرت جیؒ کے قریب رہنا نصیب ہوا اور جنہوں نے حضرت کی تقریریں اور مجلسی ارشادات سنے اور اللہ نے ان کا فہم بھی نصیب فرمایا ان کو بقدر اپنی استعداد کے اس کا ضرور اندازہ ہوا ہوگا کہ اس باب میں ان کا کیا مقام اور حال تھا، حق یہ ہے کہ ان کا وجود "لا الہ الا اللہ" کی مجسم تفسیر اور تصویر تھا

نسبت محمدی اور اتباع نبوی

توحید کامل، تعلق مع اللہ اور رضا و قرب حق کا واحد ذریعہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت و عظمت، محبت و اتباع (ظاہری و باطنی) ہے حضرت جی قدس سرہٗ جس طرح عظمت و محبت نبوی میں ڈوبے ہوئے تھے، اس کا اندازہ ان کے ہر قول و عمل سے ہوتا تھا، آپ کی معرفت و عظمت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی ذات، آپؐ والے اعمال اور آپؐ سے نسبت رکھنے والی ہر چیز انتہائی عزیز تھی اور آپ کے طریقۂ عالیہ ہی کو دارین کی فلاح و کامیابی کا واحد و یکتا ذریعہ اور آپؐ کے والے اعمال کو خداوندی خزائن سے استفادہ کی الٰہی چابیاں یقین کرتے تھے، اسی بنا پر چھوٹی سے چھوٹی سنت چھوٹ جانے کو خداوند قدس کے خزائن رحمت سے محرومی کا باعث سمجھتے تھے۔ آپ یہاں تک فرماتے تھے کہ محقق صوفیہ نے کہا ہے کہ سنت کے مطابق بیت الخلاء یعنی فراغت و استنجا میں جو انوارات ہیں وہ بعد میں دین کی خدمت کے لئے پیدا ہونے والے بڑے بڑے شعبوں میں نہیں یہی مفہوم ملا علی قاری نے مرقاۃ میں حدیث نبوی "تمسك بسنة خير من احداث بدعة" کی شرح میں ان الفاظ میں

ادا کیا ہے" ای (سنۃ) صغیرۃ او قلیلۃ کاحیاء ادب الخلاء مثلاً علی ما ورد فی السنۃ خیر من احداث بدعۃ ای افضل من حسنۃ عظیمۃ کبناء رباط و مدرسۃ
(حاشیہ مشکوٰۃ ص۳۱)

حضورؐ کی سنتوں کے مٹنے کا غم آپ کے سینہ کا مستقل ناسور تھا، آپ کی جگر دوز اور پرسوز آہوں میں نہ معلوم کس قدر حصہ اعمال محمدیہ کے مٹ جانے کا تھا، آخری حج کے بعد ایک دعاء انتہائی سوز و رقت کی کیفیت میں اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اللّٰھم اخرج الیھود والنصاریٰ والمشرکین من جزیرۃ الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم جزیرۃ العرب"
غرض حب نبوی اتباع نبوی حضرت جیؒ کا نفس ناطقہ بن چکا تھا۔ اسی طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی محبت، ان کا اتباع اور ان کی پاکیزہ زندگیوں کے حالات سے شغف حضرت جی کی زندگی کا حاصل تھا اور اگر کہا جائے تو بالکل صحیح ہوگا کہ وہ اپنے انداز فکر و احساسات و جذبات عواطف و میلانات میں صحابہ کا نمونہ تھے ؎

صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

مخدومی المکرم حضرت علی میاں نے خوب لکھا ہے اور حق لکھا ہے کہ
قد خالط حب الصحابۃ لحمہ ودمہ واستولی علی مشاعرہ وتفکیرہ، وقد عاش فی اخبارھم واحادیثھم زمنًا طویلا..... " حیاۃ الصحابہ کا پیش لفظ (ص۸)

علومی امتیاز اور اس کا سرچشمہ

حضرت جیؒ کے علوم پر گفتگو کرنا مستقل وقت چاہتا ہے، صرف حیاۃ الصحابہ کی تین ضخیم مجلدات مصنف کے وسعتِ مطالعہ، کتب حدیث و رجال پر نظر اور احوال صحابہ کے مختلف گوشوں پر گہری نگاہ کا بیّن ثبوت ہیں، گو عربی میں مستقل کتابیں اس فن میں لکھی گئی ہیں، جن میں سے متداول اُسد الغابہ، اصابہ واستیعاب وغیرہ ہیں ابن کثیر نے البدایہ میں بھی وفیات الاعیان

کے ذیل میں التزاماً صحابہ کے حالات قلمبند کئے ہیں لیکن حضرت جیؒ کی حیاۃ الصحابہ محدثانہ ترتیب اور داعیانہ طرز فکر کے لحاظ سے صحابہ کی زندگی و کردار، سوانح و اخلاق کا نہایت مؤثر اور اچھوتا مجموعہ ہے۔

"امانی الاحبار" حضرت کی فقاہت و معرفت حدیث کی شاہد ہے لیکن ان علمی و تحریری، دینی خدمات کے علاوہ جو کہ ایک مشغول ترین زندگی کی زندہ کرامت ہیں۔ فقیر کے نزدیک حضرت جیؒ کے وھبی علوم خاصہ حضرت جیؒ کے بیانات و ملفوظات ہی میں بکھرے ہوئے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت جیؒ گھنٹوں مسلسل بیان کرتے تھے، بندہ نے خود ایک دن میں حضرت کے پانچ بیان سنے ہیں جن میں ایک ساڑھے پانچ گھنٹے کا تھا، یہاں علوم اندر سے پھوٹ کر نکلتے تھے، صاف معلوم ہوتا تھا کہ آپ نہیں کہہ رہے ہیں کہلوایا جارہا ہے، علوم الٰہیہ کا فیضان موسلا دھار بارش کی طرح حضرت کے قلب پر ہوتا رہتا تھا اور فقیر کا گمان غالب یہ ہے کہ ذکر دائم کی طرح حضرت کا یہ حال بن چکا تھا کہ ہر وقت و ہر حال میں سوتے جاگتے بیٹھتے اٹھتے علوم کا القا جاری رہتا تھا، ملاء اعلیٰ کی توجہات خاصہ کا مرکز آپ کی ذات بن چکی تھی اور معارف ربانیہ و دقائق احسانیہ اور سب سے بڑھ کر حقائق نظام تشریعی کا ورود و فیضان ہوتا رہتا تھا، حضرت حکیم الامۃ امام تھانوی قدس سرہ کا ملفوظ ہے کہ بعض بزرگ جن کے علوم کی اشاعت ان سے کما حقہ نہیں ہو پاتی اللہ تعالیٰ انہیں لسان، عطا فرما دیتے ہیں۔ جیسے شمس تبریزؒ کی زبان مولانا رومؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی زبان حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ہیں داد کما قال، فقیر سمجھتا ہے کہ مامور من اللہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ان کی ذات سے کما حقہ اشاعت پذیر نہ ہو سکے، کام اجمال کی صورت میں رہا اور حضرت اشاروں پر قناعت فرماتے رہے۔ حضرت جی مولانا محمد یوسف قدس سرہ کی طرف جب حضرت مولانا الیاسؒ کی کامل نسبت منتقل ہوئی تو وہ علوم جو اجمالاً حضرت مولانا الیاسؒ کے سینہ میں تھے ان کی زبان حضرت جیؒ کو بنا دیا گیا اور مفیض حقیقی نے آپ کی باطنی ترقیات کے ساتھ ان علوم کو خوب وضاحت

وتفصیل سے آپ سے کہلوایا۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا الیاس رح کے زمانہ میں جو باتیں محض اشارات تھیں، وہ تفصیلی رنگ میں سامنے آگئیں اور الیاسی رح علوم کا چشمہ بڑھ کر بحر ناپیدا کنار ہوگیا یہاں یہ بات واضح کردینی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اہل اللہ پر جن علوم و معارف کا فیضان ہوتا ہے وہ کتاب وسنت کی ہی تبیین و تشریح ہوتی ہے، جیسے ذات الٰہی اہل زمانہ کی سہولت کے لئے ان کی زبان سے کھول کھول کر بیان کروا دیتی ہے۔

حضرت جی رح اور بیعت طریقت

حضرت جی رح نور اللہ مرقدہٗ شیخ طریقت بھی تھے، بیعت چاروں سلسلوں میں اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے واسطے سے کرتے تھے، پہلے بیعت کی حقیقت و اہمیت اور اس کے آداب اور ذمہ داریاں تفصیل سے بیان فرماتے اس کے بعد سلسلہ امدادیہ کے معروف طریقہ سے بیعت لیتے تھے اور بیعت میں خاص طور پر دین سیکھنے سکھانے اور دین کی دعوت کے لئے جان و مال کی قربانی دینے کا عہد بھی لیتے تھے، حضرت رح کی بیعت کا منظر عجب رقت انگیز اور پراثر ہوتا تھا، ایک مرتبہ رائے ونڈ میں ایک کثیر مجمع نے بیعت کی بیعت کرنے والوں کے ہاتھوں میں پگڑیاں اور چادریں وغیرہ تھیں اور اتنا کثیر مجمع تھا کہ کئی حضرات مکبر کی طرح پکار پکار کر الفاظ بیعت کو بیعت کرنے والوں تک پہنچا رہے تھے، عجیب دلکش منظر تھا، میرے ایک عزیز کہنے لگے کہ آج تو حضرت جی رح نے امام شہید سید احمد صاحب رائے بریلوی رح کی یاد تازہ کردی،

یہ تو بیعتِ سلوک کے عام طرز کا تذکرہ تھا، لیکن ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تبلیغی طریقۂ دعوت، خود ایک مستقل، سلوک، کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے جس میں سلوک صحابہ اور قرب بالفرائض کے طرز کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

حضرت جی رح کا اصل امتیاز اور کارنامہ

خیر یہ تو حضرت جی رح کے بعض کمالات کا سرسری تذکرہ تھا، حقیقتاً آپ

فضائل وکمالات کا مجموعہ تھے، حافظ، قاری، مدرس، محدث، صوفی مصنف، مبلغ سب ہی کچھ تھے لیکن سب سے زیادہ جس عمل پر آپ نے جان کھپائی اور جو عمل آپ کی زندگی کا مقصد بنا وہ اللہ کی طرف دعوت تھی، گویا اللہ تعالیٰ نے یہ تمام علمی وعملی صلاحیتیں انہیں اسی لئے ودیعت کی تھیں کہ دعوت علیٰ منہاج النبوۃ کا جو طریقہ مندرس ہو چکا تھا، اسے اپنی وھبی صلاحیتوں سے پوری طرح سمجھیں، سنبھالیں، زندہ کریں اور آگے بڑھائیں، حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر دعوت کا یہ طریقہ جسے وہ قرن اول کا بیرا کہا کرتے تھے، موجودہ دور میں اولاً کھلا، اور انہوں نے اپنے مجاہدات، مقبولیت عند اللہ اور توفیق ربانی سے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ فَبَلَّغَ اَحْسَنَ الْبَلَاغ رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃ ہمارے حضرت سید الملۃ قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا الیاسؒ تو مامور من اللہ تھے، ایک مرتبہ اُن کے فضائل وکمالات کا تذکرہ فرما کر عجب وجد آفریں انداز میں دو تین مرتبہ فرمایا "سلامٌ علیٰ الیاسین" حضرت مولانا الیاسؒ کی یہ دعوت موجودہ دور کی تمام دعوتوں اور دینی تحریکوں میں منہاج نبوت سے زیادہ قریب واشبہ ہے، حضرت مولانا الیاسؒ کی زندگی اور دعوت پر حضرت مولانا ابوالحسن علی نے اپنی کتاب "حضرت مولٰنا الیاس اور ان کی دینی دعوت" میں جو لکھا ہے، بلکہ یوں کہیئے کہ ان سے جو لکھایا گیا ہے، دعوت کے طریق کو سمجھنے کے لئے اس کے مقدمہ کا سمجھنا بنیاد کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت سید الملۃؒ کا مولانا مرحوم کے متعلق مضمون بھی خاص چیز ہے۔

بہر حال حضرت جیؒ نے اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے جانشین کی حیثیت سے اس کام کو سنبھالا اور اس پر اپنی جملہ صلاحیتوں اور استعدادوں کو اس طرح کھپایا، گویا یہ دعوت ہی ان کی زندگی کا مقصد تھی، وہ اسی کے لئے پیدا ہوئے تھے، کسی مقصد میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کی ایسی مثالیں تاریخ میں بھی شاذ و نادر ہی ملتی ہیں، شب و روز میں شاید مشکل، چار پانچ گھنٹے آرام کے ملتے ہوں، دیکھنے والوں کو رحم آجاتا تھا، لیکن اللہ کا یہ مقبول اور فنا فی الدعوۃ بندہ دینی تقاضوں پر مجاہدات کی چکی میں مسلسل اپنے آپ کو پیستا رہتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اسی محنت و دعوت کے لئے پیدا کیا تھا، حضرت امام ربانی مجدد سرہندیؒ کا یہ قول ان پر بھی اس کام کے بارے میں صادق آتا تھا کہ

"اے فرزند باوجود ایں معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است کارخانہ دیگر عظیم بمن حوالہ فرمودہ اند برائے پیری و مریدی مرا نیاوردہ اند، مقصود از خلقت من تکمیل و ارشاد خلق نیست معاملہ دیگر ست و کارخانہ دیگر، دریں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا، معاملہ تکمیل و ارشاد نسبت باں کارخانہ امرے است ہمچوں مطروح فی الطریق، دعوت انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات نسبت بمعاملات باطنیہ ایشاں ہمیں حکم دارد، ہر چند منصب نبوت ختم یافتہ است اما از کمالات نبوت و خصائص آں بطریق تبعیت و وراثت کمل تابعان انبیا را نصیب است"

(مکتوب ۶ دفتر دوم حصہ ششم ص ۲۲)

حضرت جیؒ کے اخلاص عمل، مسلسل مجاہدات، طریق دعوت کی درستگی اور دعاؤں کا یہ اثر تھا، کہ وہ کام جو حضرت مولانا الیاسؒ کے وصال کے وقت پاک و ہند کے صرف چند خاص خاص مقامات تک محدود تھا، وہ بڑھا، پھیلا اور دیکھتے دیکھتے یورپ و امریکہ جاپان و افریقہ، اقصائے مشرق سے اقصائے مغرب تک پہنچ گیا۔ جماعتوں اور دینی قافلوں کی پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں نقل و حرکت سے لاکھوں فیضیاب ہوئے، ہزاروں نے راہ پائی سینکڑوں متقی کامل بنے، سوتے جاگے، بے طلبوں میں طلب پیدا ہوئی، بے دینوں میں احساس دین آیا، سونی مسجدیں آباد ہوئیں، اللہ کے دین کی آواز گلی گلی کوچہ کوچہ، قریہ قریہ ملک بہ ملک گونجی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنوں نے اس دعوت و محنت سے فیض پایا اور کتنے بھٹکے ہوئے انسان راہ پر آئے، کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں، کتنے فرائض میں جان پڑی، کتنی نئی مساجد تعمیر ہوئیں، کتنے غافل و بے بہرہ دینی علوم کے طالب بنے، کتنے ذاکر

وشاغل بنے، کتنوں میں دین کا درد وفکر پیدا ہوا کتنے لذت وحقیقتِ دعا سے آشنا ہوئے، اس کام کے ثمراتِ عاجلہ کا بھی سچی بات یہ ہے کہ احاطہ نہیں کیا جا سکتا، آخرت ہی میں معلوم ہوگا کہ اس کام کے چالو ہو جانے سے عالم میں کتنی خیر کی صورتیں پھیلیں،

دعوتِ تبلیغ کی فکری اساس (یا بنیادی ایمان ویقین)

دینی دعوت کے اس طرز کے متعلق جو نہیں جانتے اور جاننا نہیں چاہتے انہیں تو جانے دیجئے خود بہت سے تعلق رکھنے والے اس کی افادیت کے قائل حضرات بھی اس کی اصل حقیقت کو بہت کم جانتے ہیں۔

حضرت جیؒ کے سامنے یہ دعوت اپنی پوری ترتیب کے ساتھ منکشف تھی اور اس کا نقشہ بالکل مرتب تھا اور یہ ترتیب وخاکہ ان کا کوئی ذہنی اختراع یا کسی انسانی دماغ کی کاوش کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اٹل قوانین تشریعی اور نظام ہدایت کی معرفت ویافت سے حاصل ہوا تھا، اس وجہ سے یہ نظام حضرت جیؒ کے عقیدہ کا لاینفک جزو بن چکا تھا اس اجمال کی تفصیل کے سمجھنے کے لئے چند باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت نے جیسے اس کائنات کے نظام کو قائم فرمایا ہے اور گو اس کی قدرت اسباب کی قطعاً پابند نہیں تاہم اس کی حکمت نے اس کی قدرت کو عادی طور پر اسباب وعلل سے اس عالم میں ظاہر فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے نظام تشریعی میں بھی اسباب وعلل رکھے ہیں، نظام تشریعی مقصود ہے، نظام تکوینی نظام تشریعی کے بعض مقاصد کی تکمیل کے لئے پیدا فرمایا گیا، گویا نظام تشریعی اصل ومقصد ہے اور نظام تکوینی اس کا ذریعہ اس وجہ سے نظام تشریعی کے قوانین میں انفکاک وتغیر وتبدل نہیں ہوتا لیکن نظام تکوینی کے عادی علل واسباب کو نظام تشریعی کی حکمتوں ومصالح کی بنا پر جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ چاہتی ہے توڑ دیتی ہے اور ان علل واسباب تکوینیہ کے ارادہ الٰہیہ سے توڑ دینے کا نام معجزہ، خرقِ عادات یا کرامت ہے، حضرت سید الملۃ قدس سرہ نے سیرت النبیؐ

(۹، ۳ / ج ۲ و مابعد) میں اس پر قابل دید بحث فرمائی ہے۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں :

"یہ مادی عالم جس طرح مادی نظام اور قانون کا پابند ہے۔ خدائے پاک نے عالم روحانی میں بھی اسی قسم کا ایک اور نظام قانون اور علل و اسباب کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے جس یقین کے ساتھ آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ زہر انسان کے لئے قاتل ہے۔ اسی یقین کے ساتھ طب روحانی کا واقف کار کہتا ہے کہ گناہ انسان کی روح کو قتل کر دیتا ہے۔ پیغمبر فیضان نبوت کے قبول کے لئے اپنی روح میں کس طرح استعداد پیدا کرتا ہے۔ دنیا میں کب مبعوث ہوتا ہے؟ معجزات کا ظہور ان سے کن اوقات میں ہوتا ہے اور وہ اپنے دعویٰ کو کسطرح پیش کرتا ہے۔ انکار و مزاحمت پر وہ کیونکر مہاجرۃ الی اللہ کرتا ہے اور پھر کیونکر دعوت کے منکر ناکام و خاسر اور اہل ایمان فلاح یاب و کامیاب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چیز مرتب اور منظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور میں آتی ہے۔ قرآن مجید میں تیرہ مقام پر سنۃ اللہ کا لفظ آیا ہے لیکن ان میں زیادہ تر اسی روحانی نظام و ترتیب کی طرف اشارہ ہے۔

فلسفہ تاریخ جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار کے اعادہ سے اصول اور نتائج تک پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنا لیتا ہے بعینہٖ اسی طرح انبیا علیہم السلام کے سوانح اور تاریخیں بھی اپنے واقعات کے بار بار کے اعادہ سے خصائص نبوت کا اصول و قانون ہمارے لئے مرتب کرتی ہیں۔ (سیرت النبی جلد پنجم صفحہ ۲۸۹ / ج ۵)

دوسری جگہ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں :

"قرآن مجید میں سنت الہیٰ کا ایک خاص مفہوم ہے اور اس اصطلاح خاص

میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لئے موثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمان کی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھڑگھڑاہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں۔ یہ سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے ...... اس کے بعد سید صاحب نے وہ تمام آیتیں لکھ دی ہیں، تاکہ کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے ہم نمونتہً صرف ایک آیت نقل کرتے ہیں) حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا	اور اگر یہ کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ
الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا	پھیر دیتے، پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے
وَلَا نَصِيرًا ۔ سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي	اور نہ مددگار۔ اللہ کا دستور یہ پہلے
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ	سے چلا آتا ہے اور تم اللہ کے دستور
تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا	کو بدلتے نہ پاؤ گے۔
(فتح ۳)	(تفصیل کیلئے دیکھئے سیرۃ النبی ص ۲۷۹ تا ۲۸۱ ج ۳)

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت میں اس کا ایک اٹل قانون اور سنتہ اللہ جاری ہے کہ نبی آتا ہے۔ اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے جو خوش نصیب اس

کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ وہ دارین کی فوز وفلاح اور کامیابی پاتے ہیں اور جو اس بات کو نہیں مانتے اور نبیؐ کی امکانی کوششوں کے باوجود ایمان نہیں لاتے بلکہ اس کے دشمن بن کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ آخرش اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا ایسا قانون ہے جس میں تغیر کا کوئی امکان نہیں۔ ہر زمانے میں یوں ہی ہوا اور ہمیشہ ہی ہو گا۔

۲:۔ اللہ تعالیٰ کا یہ غیر متبدل دستور اور اٹل قانون انبیا علیہم السلام اور ان کے ماننے والوں (مومنین) کے لئے عام ہے کہ ان کی کامیابی اور نجات ہو گی اور ان سے ٹکرانے والے ہلاک ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ اِلَّا مِثْلَ	کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعہ
اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ	ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں۔ کہدے
قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِنَ	کہ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا،	انتظار کرتا ہوں، پھر ہم اپنے رسولوں
وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا	کو نجات دیتے ہیں اور ایسے ہی ایمان
عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ	لانے والوں کو، ہم پر فرض ہے ہم نجات
(یونس ۱۰)	دیں گے ایمان والوں کو۔

خدا تعالیٰ کا قطعی وعدہ ہے کہ وہ مومنین کی مدد فرمائے گا۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ	اور ایمان والوں کی مدد ہم
الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (روم)	پر فرض ہے۔

اسی قاعدہ کے تحت سورہ 'المومن' میں ارشاد ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ	یقیناً ہم ضرور بالضرور مدد فرمائیں
آمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ	گے اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں

يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۔	کی جو ایمان لائے دنیا میں بھی اور
(المومن ع ۶)	قیامت کے دن بھی ۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جس طرح امم ماضیہ میں جاری اور ساری تھی اسی طرح اب جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بن کے تشریف لے آئے اور آپ کی امت تمام امتوں کی جانشین بن کر اس عالم میں آئی ۔ ارشاد رسالت ہے :

نحن اٰخر الامم (کنز صد ج ۶ ۲۳۰ بحوالہ ابن ماجہ)، ہم آخری امت ہیں ۔

تو جیسے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ چلن اور سنۃ اللہ جاری تھی ۔ اس امت میں بھی تا قیامت جاری رہے گی کیونکہ ختم نبوت نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے زمانہ کو قیامت تک مستمر کر دیا ہے ۔ اب اس زمانہ میں (یعنی بعثت محمدیہ سے لے کر تا قیام ساعت اللہ کی وہ تمام نصرتیں اور مددیں جو طریقہ محمدیہ اور دین حق اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہیں ۔ باقی اور قائم و دائم ہیں ۔ حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرما لیا لیکن آپ کے فیوض و برکات باقی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت لینے کے طریقے اور قدرت خاصہ سے استفادہ کی صورتیں امت میں آپ کے احکام اور سنن کی شکل میں موجود ہیں ۔ امت اپنی ذات میں مستقل حیثیت نہیں رکھتی ۔ یہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد دعوت اور طریقوں میں جس قدر یہ ان کی شریک ہوگی اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مددوں سے نوازی جائے گی اور اس کے اعمال پر قوموں کے لئے خیر و شر کا فیصلہ ہوگا ۔

۴:۔ اُمتِ محمدیہ مرحومہ یوں تو امم سالقہ کی طرح جملہ احکام و اعمال میں اپنے نبیؐ کے طریقے پر ہوگی لیکن اس کا خصوصی امتیاز اس کی داعیانہ حیثیت ہے جس کی وجہ سے اسے دوسری امتوں پر فوقیت اور فضیلت بخشی گئی اور حقیقتاً یہ دعوت ہی اصلاً انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں خدا کی خصوصی مددوں کو متوجہ فرماتی تھی ۔ اسی وجہ سے انبیاء

کی دعوت کے ماننے والے کامیاب اور نہ ماننے والے ناکام اور خاسر وخائب ہوتے تھے اسی بنا پر اس امت کی نصرت کو دین کی نصرت کے ساتھ مشروط کر دیا اور دین کی نصرت کرنے والوں کو اپنی مدد کا پختہ یقین دلایا۔ ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ	اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ
تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ	کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور جما
وَیُثَبِّتْ اقدامکم (محمد)	دے گا تمہارے قدم۔
وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ من یَنْصُرُہٗ	اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور مدد کرے گا
اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔	اسکی جو اس کے (دین کی) مدد کرے گا
(الحج ۶)	بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے
	زور والا ہے۔

اس بنا پر جب امت اپنے فریضہ دعوت الی الحق والخیر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں غفلت برتے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جائے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے (مدد کی) جو دعائیں مانگے گی وہ بھی قبول نہیں ہوں گی جیسا کہ احادیث میں آتا ہے (دیکھو کنز العمال صفحہ ۲۲۶ /ج ۲ و مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف)

امت کی اس خاص داعیانہ حیثیت اور نیابت نبوت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کے آنے اور دارین میں عافیت و فوز و فلاح کے پانے کا طریقہ اپنے اس فریضہ (دینی دعوت) کو مقصد قرار دے کر اس کی راہ میں اپنی جانوں کا کھپانا اور مال کا انفاق ہے باقی اعمال ذاتی اور اخروی نجات تو دلا دیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی وہ نصرتیں جو عالم کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں اور دشمنان ہدایت کو تباہی کے گھاٹ اتار دیں وہ دین کی دعوت کی محنت پر منحصر ہیں۔

۵:۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ یہ دعوت بالکل منہاج نبوت کے مطابق ہو، کتاب اللہ

صحیفہ نظام ہدایت اور رہنمائے طریقہ دعوت بھی ہے۔یعنی قرآن پاک صرف دعوت ہی نہیں بلکہ طریق دعوت بھی سکھاتا ہے۔ اسی طرح اسوۂ نبوی صرف شخصی اور انفرادی اعمال کے لئے ہی نمونہ نہیں ہے بلکہ آپ کا طرز دعوت و تربیت بھی تا قیام الساعۃ ہدایت رسانی خلق کا افضل و اکمل اور موثر ترین طریقہ ہے۔

۶:۔ امت جب منہاج نبوت کے مطابق دعوت کو مقصد بنا کر احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے محنت و کوشش اور جہد و مشقت اور ایثار و قربانی کو پیش کرے گی تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت خاصہ سے سعید روحوں کو ہدایت کی طرف پلٹا دیں گے اور دعوت کے مقابل میں آنے والی طاقتوں کو خود پاش پاش کر دیں گے کہ سنۃ اللہ اسی طرح ہی جاری ہے لیکن خداوند قدوس کی یہ نصرت محنتوں کی ایک خاص سطح پر آتی ہے۔

۷:۔ امت مسلمہ پورے عالم کی طرف مبعوث ہے۔یہ قعود و عزلت کی زندگی نہیں بسر کر سکتی۔ اس کی رہبانیت اور درویشی دین کی محنت ہے۔ اس لئے امت کو مختلف احوال وظروف میں ہجرت و نصرت اور نفر و جہاد کے احکام دیئے گئے۔

ان اساسی حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلف الصدق اور خلیفۂ ارشد حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ کی دعوت پر غور کریں گے تو کسی درجہ میں یہ بات سمجھ سکیں گے کہ خاصان خدا اس کام کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے تھے۔ وہ یقین کے ساتھ سمجھتے تھے بلکہ آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ کہ یہ غیر متبدل سنۃ اللہ اور اللہ تعالیٰ کا اٹل دستور اور فیصلہ ہے کہ اس امت کے لئے بلکہ سارے عالم انسانی کے لئے خیر و شر کے فیصلہ کا انحصار اب امت محمدیہ کے عمل و دعوت اور اس راہ کی محنت و قربانی پر ہے اگر اس نے دعوت کے کام کو اور اس کی راہ میں ٹھوکریں کھانے کو نہیں اپنایا تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور مددوں سے محروم ہو گی اور سارے انسانی عالم کی بھی ہدایت و رحمت سے محرومی کا باعث بنے گی اللہ تعالیٰ

نے ان کے دلوں اور سینوں کو اس یقین سے بھر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے امت کے لئے اور عالم کے لئے خیر اور ہدایت کے فیصلے کر لینے کا راستہ یہی ہے کہ امت میں منہاج نبوی پر دعوت اور قربانی زندہ ہو اس کے سوا سب دروازے بند ہیں۔

حضرت جی قدس سرہٗ پر اللہ تعالیٰ نے ان تمام حقیقتوں اور سنۃ اللہ کے ان جملہ پہلوؤں اور نظام ہدایت کے دقیق رخوں کو پوری طرح منکشف کر دیا تھا اس وجہ سے وہ سمجھتے تھے کہ امت محمدیہ، اگر آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم والے مقصد کو اپنا کر اور اپنے کو صفات نبویہ سے مزین کرتے ہوئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے میدان دعوت میں (جو کہ پورا عالم اور ساری نسل انسانی ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقوں اور صحابہ والی قربانیوں کے ساتھ اتر آئے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، رحمت واسعہ اور ان کے تشریعی اٹل قوانین کی بناء پر اللہ تعالیٰ ہدایت کا فیضان فرما دیں گے۔ ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار اور قبضہ میں ہے اور ہدایت لینے کا ضابطہ اعمال محمدیہ کو اپناتے ہوئے منہاج نبویہ کے مطابق دعوت کے میدانوں میں ابراہیمی اور محمدی قربانیوں کو پیش کرنا ہے امت محمدیہ کا جب ایک معتدبہ طبقہ صحیح رخ سے دین کے لئے قربانی پیش کر دے گا، اور وہ قربانی عند اللہ مقبول ہو جائے گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ عالم کے لئے ہدایت کا فیصلہ دیں گے۔

ہدایت کے لئے ایمان و اعمال صالحہ اور دعوت اور قربانی اور دعائیں شرط ہیں، ملک ومال شرط نہیں۔ اس لئے جس وقت امت صحیح رخ سے ہدایت کی محنت کرنے والی بن جائے گی اور اس کی قربانیاں اور دعائیں اللہ تعالیٰ سے مدد کا فیصلہ کروالیں گی، اس وقت باطل کی قوتیں اللہ تعالیٰ کی غیبی طاقت سے پارہ پارہ کر دی جائیں گی۔ یہ محنت جس قدر نسبت محمدیہ کو اپنے اندر لئے ہوئے ہو گی اسی قدر اس کے اثرات عالمگیر ہوں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عالمی ہے۔ آپ والے اعمال کا اثر پورے عالم پر پڑتا ہے۔ آپ والے اعمال اگر اپنی حقیقت کے ساتھ ایک طبقہ میں بھی زندہ ہو جائیں اور وہ طبقہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم والی محنت کو اخلاص اور جملہ اصولوں کے ساتھ اپنائے تو ان کی دعوت و دعا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت خاصہ پورے عالم کے باطل نظاموں کو توڑ دے گی جیسے امم ماضیہ میں فرعون و نمرود و شداد، و قوم عاد و قوم ثمود، اصحاب الایکہ اور دوسری متمرد اور باغی اقوام کو اپنی قدرت کاملہ سے ختم فرمایا تھا .... بات یقین کی ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین ہو اور اس کے قوانین تشریعی پر ایمان ہو تو یہ بات بعید نہیں دکھائی دے گی۔

بہر حال حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ کے سامنے اللہ تعالیٰ کے نظام ہدایت کے اٹل قوانین اور غیر متبدل سنۃ اللہ کی بنا پر دعوت و ہدایت کا ایک خاص خاکہ و نقشہ تھا جس پر ان کا ویسا ہی ایمان و یقین تھا جیسا کسی بدیہی سے بدیہی چیز پر ہو سکتا ہے۔ اس خاکہ و نقشہ کا ہر خط و خال انبیاء علیہم السلام کے قصص، قرآن حکیم کی ہدایات، سنن نبویہ اور صحابہؓ کے احوال سے مرتب کیا گیا تھا۔ ان کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام کی پوری زندگی تھی اور وہ ہر قدم خدا کی توفیق سے اسے دیکھ دیکھ کر اٹھاتے تھے۔ یہ دعوت محض چند اعمال کی دعوت نہ تھی بلکہ پورے دین کے احیاء کی پورے عالم میں کوشش تھی بعض ناواقف جو صورت حال سے واقف نہیں اسے سطحی دعوت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کم نگہی اور سطحیت کی دلیل ہے۔ کاش وہ حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے علمی و عملی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس کام کو سمجھتے اور اپنا لیتے۔ چند اعمال کے احیاء کا سوال نہیں بلکہ ایک نئی قوم پیدا کرنی ہے جو اپنے مقصد، عقائد و ایمان، احوال و اعمال، عبادات و للہیت، افکار و احساسات، اخلاق و معاشرت میں صحابہؓ کا نمونہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت سے امید ہے کہ جس طرح اس نے انتہائی بے سروسامانی کی حالت میں اسے اٹھایا، بڑھایا، چمکایا اور اس سطح پر پہنچا دیا۔ آئندہ بھی اس کے فروغ کی صورتیں پیدا فرمائے گا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز ممکن ہے حضرت جی رحمۃ اللہ تعالیٰ

کا وصال سے پیشتر بار بار ان کلمات کو پڑھنا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" اسی طرف اشارہ ہو (واللہ اعلم و علمہ اتم)

حضرت جیؒ کی شخصیت سازی

کسی کامل شخصیت کا صرف یہی کمال نہیں ہوتا کہ وہ خود کامل ہے بلکہ شخصیت کے کمال کا ایک بڑا ثبوت شخصیت سازی میں اس کا کمال اور اس کی تاثیر ہوتی ہے۔ حضرت مولانا یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تاثیر قلبی، فیض صحبت اور باطنی اثر نے ہزاروں اشخاص کو تقویٰ اور دینی زندگی کا قابل رشک مقام عطا کر دیا۔ آج ہمیں ایسے سینکڑوں اشخاص معلوم ہیں جن کی زندگی کی کایا یکسر پلٹ گئی۔ کل جو ناز و نعمت اور تعیش کی گودوں میں پلے تھے آج ان کے زہد و قربانی کو دیکھ کر مصعب ابن عمیر کی قربانی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ زندگی کے ظاہری و باطنی نقشے پلٹے بلکہ حضرت جیؒ کی یہ بڑی کرامت ہے کہ کئی ایسے اشخاص جن کا دین سے خاص تعلق نہ تھا، حضرتؒ کے کام کو ایسا اپنا چکے ہیں اور حضرتؒ کے علوم و معارف ان کی زبانوں سے اس طرح جاری ہیں گویا حضرت جی ہی بول رہے ہیں ؎

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں، من دیگرم، تو دیگری

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص موہبت اور انعام تھا جو اس دور کے یوسفؒ کو عطا ہوا۔ یہ بے نظیر یوسفؒ زمانہ کے کون کون سے جمال و کمال کو بیان کرے ع دامن نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار وہ مجموعہ کمال تھے، دین کا ایسا ہمدرد و غمخوار قرنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دعوتِ حق کا ایسا شیدائی اور اس کی راہ میں مر مٹنے والا صدیوں میں وجود میں آتا ہے ؎

سالہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات ۔۔۔ تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرت مولانا محمدؒ یوسفؒ کاندھلوی

اور

اُن کی چند خصوصیات

(مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی مگر نظر میں سمارہے ہیں

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ جن کے نام کے بعد چند ماہ پہلے ہم مدظلہ لکھتے اور بولتے تھے۔ آج رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہٗ کہہ اور لکھ رہے ہیں۔ دنیا سے گذرنا سب کو ہے، موت سب کو آنی ہے، سب کو اس عالم فانی سے رخصت ہونا ہے ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

اس عالم ناپائیدار میں جو بھی آیا ہے یہاں سے مقررہ مدت کے بعد ضرور جائے گا۔ موت کا آہنی چنگل سب کو اپنی گرفت میں لے گا ؎

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی
جان ٹھہری جانے والی جائے گی

مبارک ہیں وہ ہستیاں جو اپنی حیاتِ مستعار میں ایسے کارنامے چھوڑ جاتی ہیں

جن سے اُن کا نامِ نیک باقی رہتا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسفؒ بھی اُن مبارک شخصیتوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنے زندہ و پائندہ علمی و دینی کارناموں کے ذریعے جریدۂ عالم پر اپنی نیک نامی کو ثبت کرا دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے معمور کرے (آمین)

مجھے اکیس ۲۱ سال سے حضرت مولانا مرحوم سے یک گونہ تعلق و ربط تھا۔ وہ اپنے اخلاق عالیہ کے تقاضے سے احقر کا بڑا اکرام فرماتے تھے جس سے بعض اوقات اپنی بے عملی اور کم حیثیتی کے پیشِ نظر مجھے شرمندگی محسوس ہوتی تھی ــــ میں بھی ان سے جذبۂ عقیدت مندی سے ملتا تھا۔ اس لئے کہ مجھے ان کی شخصیت میں اکابر ملّت کے اخلاق کی جھلکیاں اور مشائخ کاندھلہ کی اداؤں کا عکس نظر آتا تھا۔ یہ حقیقت تو بعد کو معلوم ہوئی کہ حضرت مولاناؒ عمر کے لحاظ سے مجھ سے چار پانچ سال چھوٹے تھے ــــ میں ان کی حیات میں اپنے مقابلے میں عمر کے لحاظ سے بھی ان کو بڑا سمجھتا تھا ــــ سچ پوچھئے تو وہ ہر حیثیت سے بڑے ہی تھے۔ ان کی تھوڑی عمر میں بھی کام کے لحاظ سے بڑی برکت ہوئی۔ ہم جیسوں سے سو سال میں بھی وہ اہم کام انجام نہیں پا سکتے جو انھوں نے ۴۹ سال کی عمر پا کر صرف اکیس سال میں انجام دے لئے۔ یہ محض انعام ربّانی تھا کہ ان کے کارکردگی کے مختصر سے زمانے کا ہر دن دینی اعتبار سے کامیاب تھا اور ہر رات انوار آغوش تھی۔

حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہٗ کو میں نے جہاں تک یاد پڑتا ہے صرف دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ ریل میں جب وہ سہارنپور سے دہلی جا رہے تھے اور میں دیوبند سے میرٹھ جا رہا تھا ــــ یہ طالب علمی کا زمانہ تھا ــــ دوسری مرتبہ ان کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے بہمراہی حضرت مولانا نعمانی مدظلہٗ دہلی جا کر ــــ غرضیکہ میں اپنی محرومی کی بنا پر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی شخصیت سے ان کی زندگی میں کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور نہ مجھے کوئی موقع ملا کہ ان کے کارناموں اور مساعیِ حسنہ سے واقفیت پیدا کرتا ــــ فائدہ تو اپنے

زمانے کے کسی بزرگ سے بھی آج تک نہ اٹھا سکا، اپنی سیاہ بختی کی یہ داستان چھیڑنی مقصود نہیں مجھے تو عرض یہ کرنا ہے کہ میں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے جانشین اور اکلوتے باکمال صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو قریب سے دیکھا، دُور سے دیکھا، سفر میں دیکھا، حضر میں دیکھا، خلوت میں دیکھا، جلوت میں دیکھا، عمومی اجتماعوں میں دیکھا خصوصی محافل و مجالس میں دیکھا، ان کی روح پرور باتیں سنیں۔ ان کی پرشکوہ تقریریں سنیں۔ ان کے کچھ مکتوبات بھی احقر کے نام صادر ہوئے جو عرائض کے جواب میں تھے یا از خود از راہ کرم فرمائی تبلیغی نقل و حرکت کے سلسلے میں ارسال فرمائے گئے۔ دو تین مرتبہ امروہہ بھی تشریف لائے۔ ایک دفعہ تبلیغی اجتماع میں اور دو مرتبہ مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ کے جلسۂ دستار بندی اور اجتماع ختم بخاری کے موقع پر ـــــ امروہہ کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ ہمارے بزرگوں کی بستی ہے ـــــ سلسلہ صابریہ امدادیہ رشیدیہ کے تین اکابر طریقت اس سرزمین پہ ابدی نیند سو رہے ہیں ـــــ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعض خدام سے معلوم ہوا کہ وہ بھی اس زمانے میں جب کہ ان کا یہاں کوئی تعارف نہ تھا، اپنے ان اکابر طریقت کے مزاروں پہ حاضری دینے تشریف لایا کرتے تھے۔

الغرض مولانا محمد یوسفؒ سے واقفیت کے اسباب مجھے حاصل ہوئے۔ میں ان کی شخصیت سے متاثر تھا۔ اس اکیس سال کے عرصے میں میرے قلب کا تعلق اُن سے بڑھتا رہا میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ منجملہ دیگر اکابر کے میں نے اپنے عہد میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ جیسی یادگار سلف دلنشیں شخصیت کو بھی دیکھا ہے۔

اور ان سے واقفیت پیدا کی ہے ـــــ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی زیادہ قربت حاصل نہ کر سکا اور فیض محبت سے زیادہ مستفیض نہ ہو سکا۔ مولانا اپنے بعض خطوط میں تو کبھی کبھی مجھے میری عدم نقل و حرکت پر اشارۃً تنبیہ بھی فرما دیتے تھے مگر جب کبھی حاضر ہوا تو اس کوتاہی ذوقِ عمل کو نظر انداز فرمایا۔ اگر کبھی فرمایا تو مرکز میں کچھ دنوں قیام کرنے کے لئے اور اس

کا عنوان بھی اس قدر دلربا ہوتا تھا کہ جی چاہنے لگتا تھا کہ کچھ عرصہ مرکز میں قیام کر دں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم ایک کتاب صحابہ کے حالات پر لکھ رہے ہیں۔ آپ نے اس کو دیکھ لیا ہوتا۔ یہ عنوان میرے ذوق و شوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اختیار فرمایا گیا تھا۔ جس سے اپنی ناقابلیت کو سامنے رکھ کر شرمندگی ہوئی اور اس سے مسرت ہوئی کہ اس نااہل کو اس قابل سمجھا گیا کہ وہ ان کے افادات سے استفادہ کر سکے گا۔ بعد کو جب حیات صحابہ جلد اوّل شائع ہو گئی تو ازراہ لطف و کرم اس کا ایک نسخہ ہدیۃً میرے حاضر ہونے پر عطا فرمایا۔ ایک مرتبہ حاضر ہو کر ایک دو دن کے بعد رخصت ہونے لگا تو بڑی محبت کے ساتھ فرمایا کہ میوات میں ایک اجتماع ہو رہا ہے آپ اس کو دیکھ کر جائیں۔ تمام عمر میں میوات کا وہی ایک اجتماع دیکھ سکا تھا۔ اس اجتماع کی یاد بھی عمر بھر دل سے نہ جائے گی —— وہ اجتماع میواتیوں کے دینی شعور اور مذہبی احساس کا آئینہ دار تھا۔ میواتیوں کا جوق در جوق ایک بڑی تعداد میں بہ نیت ثواب اور بارادۂ تفریغ وقت اجتماع میں شرکت کرنا، مہمانوں کی مدارات اور خاطر تواضع، سلیقے کے ساتھ جلسے کا نظم و نسق، توجہ کے ساتھ ارشاداتِ یوسفی کا سننا اور سادگی کے ساتھ اسی اجتماع کے موقعہ پر اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کا نکاح کرانا، یہ تمام مناظر دینی نقطۂ نظر سے انتہائی مسرت انگیز تھے۔ مجھے رہ رہ کر مولانا کی یاد آتی ہے —— افسوس کہ وہ اتنے جلد ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ان کی تقریریں کانوں میں گونج رہی ہیں —— مرادآباد، رحیم آباد، علی گڑھ، لکھنؤ، ڈاسنہ اور نہٹور ضلع بجنور کے اجتماعات کے پُرکیف روحانی جلوے آنکھوں میں گھوم رہے ہیں جہاں مولانا اپنے رفقاء مرکز کے ہمراہ شریک ہوئے تھے۔ جہاں ایمان و یقین کی باتیں مولانا کی زبان سے ایمان و یقین کی فضاؤں میں احقر کو بھی سننی نصیب ہوئیں۔

اجتماعوں میں ان کی اندرونی کیفیات کی تاثیر کے اندر اضافہ ہو جاتا۔ مصروفیات بڑھ جاتی تھیں۔ ارشادات و کلمات طیبات کا سلسلہ دراز ہو جاتا تھا۔

یوں مرکز کی مصروفیات بھی کچھ کم نہ تھیں۔ نماز فجر کے بعد سے لے کر رات کے بارہ

بجے تک (قبل ظہر کے ایک گھنٹہ چھوڑ کر) عمومی و خصوصی مجالس میں برابر رشد و ہدایت کے دریا بہاتے اور حکمت و معرفت کے دُرِ نایاب تقسیم کرتے رہتے تھے۔ نماز فجر کے بعد سے اشراق تک تقریر، چائے پینے اور کھانا کھانے کے وقت تقریر، اور بڑے دلچسپ انداز میں۔ اس کے بعد تھوڑا سا آرام کر کے ظہر کی نماز کے لئے مولانا مرکز کے حجرے سے باہر تشریف لے آتے کھڑے کھڑے دینی گفتگو فرما رہے ہیں۔ اب تکبیر ہوگئی۔ صفوں کو درست فرما رہے ہیں۔ اب نماز پڑھا رہے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر تقریر فرما رہے ہیں۔ تقریر سے فارغ ہو کر دعاؤں میں مشغول ہیں۔ اب حجرے کے اندر تشریف لے گئے۔ باہر کے آئے ہوئے وفود کے نمائندے بیٹھے ہیں۔ سکوت کا عالم طاری ہے۔ سب گوش بر آواز ہیں۔ مولانا نے ان کے سامنے توحید و معرفت، ایمان و یقین کی تقریر شروع فرما دی ہے —— دین کی نصرت پر نصرتِ خداوندی کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔ عصر کی نماز کے بعد مرکز کے حاضرین اور آنے والے وفود کے سامنے پھر تقریر فرما رہے ہیں۔ مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مغرب کے بعد خصوصی مجلس میں اپنے ارشادات خصوصی سے مستفیض فرما رہے ہیں۔ عشا کے بعد کتاب سنا رہے ہیں۔ احادیث و آثار کی تشریح فرما رہے ہیں۔ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جوش و خروش کے ساتھ بیان ہو رہی ہے۔ سیرت کے نازک نازک گوشے واضح فرمائے جا رہے ہیں۔ سامعین کے ایمان میں تازگی پیدا ہو رہی ہے۔ دلوں میں عظمت اسلام کے نقوش قائم ہو رہے ہیں۔ تبلیغی کام کی برکات واضح ہو رہی ہیں۔ قرون اولیٰ سے دینی نقل و حرکت کا ثبوت بہم پہونچایا جا رہا ہے۔ صبح سے رات تک پوری قوت و طاقت سے تقریر کرتے کرتے آواز بیٹھ جاتی تھی، پسینے پر پسینے آتے تھے۔ سینہ تھک جاتا تھا مگر جذب و کیف کے عالم میں دینی پیغام دیئے چلے جا رہے ہیں۔ آواز کی خستگی میں ایک عجیب دلکشی ہوتی تھی۔ ان کی محفل میں بسا اوقات ایک ہی دن میں آدمی کی کایا پلٹ ہو جاتی تھی۔ علم سے تعلق رکھنے والوں کو بہت ہی فائدہ محسوس ہوتا تھا۔ ان کے یہاں کی ایک دن کی حاضری کا کیف و سرور مہینوں باقی رہتا

تھا۔ نماز بڑے سوز و گداز اور قلب کی تڑپ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ ان کا اللہ اکبر کہنا جو فضا کو مرتعش کر دیتا تھا کانوں میں گونج رہا ہے — ان کا دعا کے وقت سراپا تصویرِ عجز و نیاز بن جانا اور دل کی پوری توجہ سے اللہ تعالیٰ سے مانگنا امتِ مسلمہ کو دعا مانگنے کا سلیقہ سکھاتا تھا۔ اور دعا کے اہتمام کی طرف متوجہ کرتا تھا۔

میں جب کبھی حاضرِ خدمت ہوتا، اپنا غم غلط کرنے اور اپنے جذبات پژمردہ میں تازگی پیدا کرنے اور دعاؤں کی برکات حاصل کرنے کیلئے حاضر ہوتا۔ مجھے مولانا کے مستجاب الدعوات ہونے کا تجربہ اور پورا یقین تھا۔

مولانا کے بعض وہ ارشادات بھی یاد آرہے ہیں جو احقر کی موجودگی میں احقر کو خطاب کرتے ہوئے فرمائے تھے ۱۹۴۸ء میں حاضر ہوا تو پورے وثوق اور یقینِ کامل کے ساتھ فرمایا:۔

"یہ حالات باقی نہیں رہیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس ہندوستان میں پردۂ غیب سے کوئی نہ کوئی ایسا انتظام ہوگا جس سے دینِ حق کو ترقی ہو اور مسلمانوں کے جان و مال، اور عزت و آبرو کا تحفظ ہو"

ایک مرتبہ حاضر ہوا تو فرمایا — "آج خیر و شر، نیکی و بدی کا امتیاز تک باقی نہیں رہا۔ اگر آج کے دور میں ہم سب مل کر یہ کام انجام دے لیں کہ امت، خیر و شر میں امتیاز کرنے لگے تو بڑا کام ہو جائے — نمازوں کی تشکیل، زکوٰۃ کا نظام، روزہ، رمضان کا اہتمام فریضہ حج کے آداب کی تکمیل اور تمام اخلاقی اور معاشی سدھار کا مسئلہ آگے کا مرحلہ ہے"

ایک مرتبہ فرمایا کہ "ہم یہ چاہتے ہیں کہ بازار سے مسجد تک کا نظام اور مسجد سے بیت اللہ تک کا نظام درست ہو جائے۔ پھر اس کی تشریح فرمائی اور — نماز و حج کو صحیح ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

ایک مرتبہ نظامِ مسجد اور مسجد کے ذریعے امتِ مسلمہ کے اجتماعی مسائل کی تشکیل پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک اور صحابہ کے زمانۂ پُرسعادت کے

واقعات عجیب ترتیب کے ساتھ بیان فرمائے ــــــــ

نہٹور ضلع بجنور کا گذشتہ سال کا اجتماع یو۔پی کے اجتماعوں میں ایک بڑا اجتماع تھا۔اس میں حضرت مولانا اپنے تمام رفقا کے ہمراہ تشریف لائے تھے۔عقیدت مندوں کے ہجوم نے بڑی دشواری پیدا کر دی تھی۔ہر شخص چاہتا تھا کہ میں کسی نہ کسی طرح مولانا سے مصافحہ کر لوں انتظاماً قیام گاہ پر بعض میواتیوں کا پہرہ لگانا پڑا۔پھر بھی قیام گاہ کے دروازے کی چوکھٹ داخلے کی بے محابا کوشش کرنے والوں کے ہاتھوں اکھڑ گئی تھی۔جب مولانا قیام گاہ سے جلسہ گاہ میں تشریف لاتے تھے مجمع آپ کے اردگرد سمندر کی طرح موجیں مارتا ہوا نظر آتا تھا۔جس سے انتشار پیدا ہو جاتا تھا اور ضعیفوں کو تکلیف پہونچنے بلکہ کچل جانے کا بھی اندیشہ ہوتا تھا ــــــ اجتماع کے دوسرے دن حضرت مولانا رات کے جلسے میں بہزار دقت اسٹیج تک تشریف لائے تو بعد خطبہ مسنونہ تقریر کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ "کیا تم مجھ...... (چمار کا ٹھیٹ ہندی ترجمہ) کو دیکھنے کے لئے آئے ہو؛ دیکھو میں یہ کھڑا ہوں ــــــ اگر میری بات سننے آئے ہو تو میری بات سنو۔پھر جو تقریر فرمائی تو مجمع پر سناٹا چھا گیا۔بیس پچیس ہزار کا مجمع خاموشی سے مولانا کی تقریر سُن رہا تھا۔غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آپ کی تقریر سننے آئے تھے۔مولانا نے خالص انسانیت کے موضوع پر تقریر فرمائی۔جس سے ہر ایک متاثر ہوا۔انصاف وعدل کی صفت پر بھی روشنی ڈالی اور فرمایا کہ انصاف وعدل کے سلسلے میں مذہب یا پارٹی کا سوال پیدا کر کے ناحق کسی کی جنبہ داری اور طرف داری نہیں کی جائے گی بڑی تفصیل سے اس موضوع پر تقریر فرمائی۔

مراد آباد میں آخری تشریف آوری کے موقع پر وہاں مدارس میں پہنچ کر علماء وطلباء کو جو پیغامات دیئے وہ بھی یاد رہیں گے۔مدرسہ شاہی کا اجتماع عوام اور علماء وفضلاء کے مجمع کے لحاظ سے اتنا عظیم تھا کہ حضرت شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنی) رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سے آج تک وہاں اتنا بڑا اجتماع نہ ہوا تھا۔حضرت مولانا سید فخر الدین محدث مدظلہ

نے بخاری شریف ختم کرائی۔ اس کے بعد مولانا نے تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں علماء و طلباء کو بصد احترام ان کے فرائض منصبی کی طرف متوجہ فرمایا اور درس و تدریس کی اہمیت کو واضح کیا ــــــ وہاں کی تقریر اس قدر جامع اور بصیرت افروز تھی کہ اگر ہمارے مدارس عربیہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان میں دوبارہ بہارِ تازہ آ جائے۔ اس موقع پر مولانا نے ان بعض شبہات اور اشکالات کا جواب بھی دیا جو بعض اصحاب مدارس کی زبان پر نیک نیتی کے ساتھ تبلیغی کام کی نقل و حرکت کے سلسلہ میں آتے رہتے ہیں۔

مراد آباد سے امروہہ تشریف لائے۔ وہاں مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد میں ختم بخاری کے بعد علماء و طلباء اور شہر کے باشندوں کے سامنے موضوع علم پر سیر حاصل تقریر فرمائی آغاز کلام میں جو بات فرمائی۔ اس کا مفہوم تقریباً یہ تھا کہ ایک علم کا صحیح ہونا ہے اور ایک صحیح علم کا استعمال صحیح ہونا ہے۔ اگر علم صحیح ہو اور اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو یہ بھی خسارے کی بات ہے۔ یہ ایک الہامی اور معرکتہ الآرا تقریر تھی۔ جس نے تمام حاضرین کو بڑا فائدہ پہونچایا۔ یہ آخری تقریر تھی جو میں نے حضرت مولانا کی زبان سے سُنی تھی۔ پھر اس کے بعد موقع ہی نہ ملا کہ حضرت مولانا کے ارشادات سے مستفیض ہوتا۔

باتیں تو بہت سی یاد آتی ہیں۔ مگر میں اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا کی چند خصوصیات کا ذکر کر کے اپنے اس مقالے کو ختم کروں۔

۱۔ بغیر کسی لمبی چوڑی تمہید کے تقریر میں اصل مقصد کو قوت کے ساتھ پیش فرماتے تھے۔ اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا۔ بار بار فرماتے تھے کہ اللہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ چیزیں نفع و نقصان پہونچانے میں اللہ کی محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کی احتیاج نہیں۔ کلمۂ طیبہ کی تفسیر و تشریح وجد انگیز انداز میں بیان فرماتے تھے اتباع رسولؐ کی اور نقش قدم صحابہؓ پر چلنے کی پر زور دعوت دیتے تھے۔ ان کی تقریر میں ایک محدث و مفسر، ایک صوفی و درویش، ایک مفکر و مورخ کا ملا جلا انداز ہوتا تھا۔

۲۔ مایوسی کو کبھی اپنے اندر نہیں آنے دیا ـــــ عالی حوصلگی اور نصب العین کی بلندی کی طرف رہنمائی فرماتے رہتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے والے چند اکابر میں حضرت مولانا کی ذات عالی بھی تھی۔

۳۔ دعاؤں کا خاص اہتمام تھا ـــــ دعا مانگتے وقت مجسم دعا بن جاتے تھے۔ مولانا نے اپنے اہتمام دعاء سے دعا کی اہمیت و عظمت کی بے شمار دلوں میں قائم کرنے کی صورت پیدا کی۔ حضرت مولانا کے دعا مانگتے وقت قلب پر عجیب سکون طاری ہو جاتا تھا۔

۴۔ مولانا قدیم و جدید دونوں حلقوں میں مقبول تھے۔ ان کی معلومات کا حلقہ بہت وسیع تھا ـــــ ان کی تقریر سے ایک عالم اور عامی کاشتکار و دستکار اور ایک سائنس داں اور انجینیر مساوی مستفیض ہوتے تھے۔ آپ نہ صرف مذہبی و روحانی تقریر کرتے تھے بلکہ حسب موقع خصوصی مجلسوں میں اقتصادیات، معاشیات، تعلیمات اور سیاسیات کے مسائل بھی حل فرماتے تھے اور اس کے نقشے اور خاکے بناتے جاتے تھے۔ مگر یہ سب مضامین اسلام کی تعلیمات، سیرت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کردار صحابہ کی روشنی میں بیان ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور ذہنی اعتبار سے علوم جدیدہ سے متاثر اشخاص آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوتے تھے اور بالآخر دِلی اطمینان کے ساتھ دینی کام میں نمایاں حصہ لینے لگتے تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بہت سے طلبا کی اخلاقی و روحانی ترقی میں مولانا کے اس کمال کا بہت بڑا دخل تھا۔

۵۔ مولانا دوسروں ہی سے دینی نقل و حرکت کرنے اور باہر نکلنے کے لئے نہیں فرماتے تھے۔ خود بھی حسب ضرورت مرکز سے باہر رہتے تھے اور مہینوں باہر گذارتے تھے حالانکہ مرکز میں ان کی موجودگی کی ضرورت کچھ کم نہ تھی۔ ہندوستان و پاکستان کے متعدد شہروں قصبوں، دیہاتوں میں عام اجتماعوں اور مدارس و مراکز کے خصوصی مجمعوں میں اپنا دینی پیغام پہونچاتے رہے۔ چنانچہ مسافرت اور غریب الوطنی کے عالم ہی میں دین کی جد و جہد کرتے

ہوئے ان کی روح اعلیٰ علیین کو سدھاری —— حج کا فرض کبھی کا ادا کر چکنے کے بعد نفلی حج اور عمرے کے لئے جماعتیں لے کر کئی مرتبہ حجاز مقدس پہونچے اور وہاں عالم اسلامی کے کے اجتماع سے دینی فائدہ اٹھایا۔ ملکوں کے لئے جماعتیں وہاں سے روانہ کیں۔ مقدس مقامات میں دنیا کے مسلمانوں کے لئے عموماً اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے خصوصاً خیر و عافیت اور دینی و روحانی ترقی کے لئے دعائیں کیں۔ اپنی جد و جہد کے ذریعہ عالم اسلامی سے ایک خاص رابطہ پیدا کیا۔

۶۔ اپنے اکابر کے ساتھ والہانہ اور خادمانہ انداز رکھتے تھے۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلامؒ حضرت اقدس رائے پوریؒ سے انتہائی محبت و عقیدت تھی۔ ان دونوں بزرگوں کی جدائی سے مولانا کو جو صدمہ ہوا تھا اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ سلامت رکھے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو ان سے قریبی رشتے داری کے علاوہ جو قلبی اور روحانی تعلق تھا۔ اس کی نظیر موجودہ زمانے میں مشکل سے ملتی ہے آج کے دور میں بزرگوں کے ساتھ یہ محبت، یہ سعادت مندی، یہ خلوص اور یہ جذبۂ تعظیم و تکریم بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔

۷۔ مولانا اپنے والد ماجد سے تعلق رکھنے والے تمام حضرات کا اور پرانے کارکنوں کا بڑا احترام اور اعزاز فرماتے تھے۔ نیز مرکز کے تمام رفقاء اور بیرون مرکز کے تمام کام کرنے والوں سے جن میں امیر بھی تھے غریب بھی، عالم بھی تھے عوام بھی، تاجر بھی تھے کاشتکار بھی، یونیورسٹی، کالج اور اسکولوں کے اساتذہ بھی تھے اور طلباء بھی، اسلامی مدارس کے معلمین بھی تھے اور متعلمین بھی، دفتر کے ملازمین بھی تھے اور ڈاکٹر و انجینیر بھی، سب سے بڑی شفقت اور محبت سے پیش آتے تھے۔ سب کام کرنے والوں کی طرف سے اپنا سینہ اور دل صاف رکھتے تھے۔ اور اس کا اہتمام کرتے تھے، اگر کسی کی کوتاہی معلوم بھی ہو گئی تو حکمت عملی سے اس کا تدارک فرماتے تھے۔

مختلف مزاج اور مختلف کاروبار کے لوگوں کو یوں جوڑے رکھنا بغیر روحانیت اور نفسیات کی مہارت کے مشکل ہے۔

۸۔ مولانا نے تبلیغی کام چلانے کے لئے کبھی مادی ذرائع اور روپے پیسے کا سہارا تلاش نہیں کیا۔ بزرگان ملت کے طریقے اور اپنے خاندانی متوکلانہ و درویشانہ روایات پر قائم رہے۔ فتوحات کے طور پر بھی جو کچھ آیا اس میں سے اپنے اور اپنے اہل و عیال پر بہت کم اور صرف بقدر کفاف اور دینی جدوجہد کی ضروریات اور مستحقین پر بہت زیادہ صرف کیا۔ ان کے لنگر کا خرچ اتنا تھا کہ کسی ریاست کا خزانہ بھی اس کے لئے کفایت نہ کرتا۔ سب کام غیب سے ہوا اور آج ہو رہا ہے۔

۹۔ سیاسی اور فروعی اختلافات کی وجہ سے اہل سنت و جماعت میں جو تفریق ہو گئی ہے۔ اس کو اپنی حکمت عملی سے کم سے کم کرنے کی کوشش فرمائی۔ تبلیغی کام پر معاندین نے سخت سے سخت تنقیدیں کیں اور چھوٹے بڑے رسالے لکھے۔ مگر مولانا نے ان پر کبھی توجہ نہ کی۔ نہ جواب دینے کی ضرورت محسوس فرمائی بلکہ اختلافات کی وسیع خلیج کو پاٹنے کی متواتر کوشش فرماتے رہے۔ جس میں بہت کچھ کامیابی ہوئی۔

۱۰۔ ہند اور بیرونِ ہند میں کام کی اتنی اشاعت ہو جانے اور آپ کی شخصیت اتنی معروف و مشہور ہو جانے کے بعد بھی کبھی آپ نے خود تو کیا کسی دوسرے کو بھی اجازت نہ دی کہ ان کی شخصیت کی طرف دعوت دی جائے۔ اور لوگوں کو ان کے حلقۂ بیعت میں داخل کیا جائے۔ آپ نے سب حلقوں کا اکرام کیا۔ سب مشائخ کا اعزاز کیا۔ سب مدارس کو اپنا سمجھا۔ سب علماء کی تعظیم و تکریم کی۔ اپنے معاصرین سے چاہے وہ دین کے کسی شعبے میں کام کر رہے ہوں اچھے تعلقات رکھے۔ اپنے طرزِ عمل سے کسی کو شکایت کا موقعہ نہ دیا۔ عام و خاص مسلمانوں کے جس اکرام کی اور امت کے طبقات کو باہم قریب کرنے کی وہ مسلمانوں کو جو تعلیم دیتے

تھے خود ان کی ذات اس کا بہترین نمونہ تھی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ اور ان کے صاحبزادے میاں محمد ہارون سلمہٗ اور ان کے جانشین مولانا انعام الحسن کاندھلوی مدظلہٗ اور دیگر رفقاء کو صحت وعافیت کے ساتھ دینی کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کو نیز تمام اکابر کو تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ (آمین)

کانَ مسلوکی مناضحی مالکی

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کے دو گرامی نامے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عنایت فرمائم سلمہٗ ۔ بعد سلام مسنون ....

اس ناکارہ کو اس قسم کے مضامین لکھنے کی بالکل عادت نہیں اور نہ اس قسم کے مضامین سے مناسبت ہے ۔ حضرت اقدس مدنی اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہما کے وصال پر بہت سے احباب کے اصرار ہوتے اسی طرح دوسرے اکابر کے انتقال پر احباب کے اصرار ہوتے رہے مگر یہ ناکارہ انکار کرتا رہا ۔ اس ناکارہ کے حوالے سے ان اکابر کی سوانحوں میں جہاں کہیں مضامین چھپے ہیں ۔ اس کی صورت یہ رہی کہ تالیف کرنے والے احباب آکر ان کے احوال دریافت کرتے رہے اور یہ ناکارہ اپنی معلومات سے جواب عرض کرتا رہا عزیز مولانا محمد یوسف مرحوم کی ولادت ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ ۲ مارچ ۱۹۱۷ء سہ شنبہ کو ہوئی تھی ۔ ۲ جمادی الثانی دوشنبہ کو عقیقہ ہوا تھا ۔ اس کے بعد اس کے سوا کیا لکھوں ۔

کانَ مسلوکی مناضحی مالکی   ان ھذا من اعاجیب الزمن

ابتداء میں وہ میرا چھوٹا بھائی تھا ، شاگرد تھا ، زیر تربیت تھا ۔ وہ میری نالائقی ،

سخت مزاجی کی وجہ سے اپنے والد صاحب یعنی میرے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی بہ نسبت اس ناکارہ سے بہت زیادہ ڈرتا تھا۔ چچا جان کے احکام کو وہ پدرانہ نازکی وجہ سے اور اپنے بچپن کی وجہ سے کبھی ٹال دیتا تھا لیکن اس ناکارہ کی سخت مزاجی کی وجہ سے میرے کہنے کو نہیں ٹالتا تھا چچا جان کو بسا اوقات یہ فرمانا پڑتا کہ یوسف سے فلاں کام لینا ہے۔ تمہارے کہنے سے جلدی کر دے گا۔ دہلی کے حضرات کا چچا جان پر بہت اصرار ہوتا کہ صاحبزادے سلمہٗ کو شادی میں ضرور ساتھ لائیں۔ مگر مرحوم اپنے طلب علم میں اس قدر منہمک تھا کہ اس کو یہ حرج بہت ناگوار ہوتا بسا اوقات اس کی نوبت آئی کہ ان اوقات میں اگر اس ناکارہ کو دہلی جانا ہوا تو عزیز مرحوم مجھ سے وعدہ لے لیتا کہ بھائی جی فلاں جگہ جانے کو آپ نہ کہیں اور جب چچا جان مجھ سے یہ ارشاد فرماتے کہ یوسف کو بھی ساتھ لے لو تو میں بھی معذرت کرتا کہ اس نے آتے ہی مجھ سے یہ وعدہ لے لیا کہ میں نہ کہوں۔ یہ تو ابتدا تھی۔ اس کے بعد مرحوم نے ہوائی جہاز سے وہ پرواز کی کہ وہ آسمان پر پہنچ گیا اور یہ ناکارہ زمین ہی پر پڑا رہا۔ اس کی بلندی کو دیکھتا رہا۔ چچا جان کے وصال کے بعد ہی ایک پرواز اس نے کی جس کے متعلق اس ناکارہ کا اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کا یہ خیال ہوا کہ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت خاصہ منتقل ہوئی ہے اور ہر بات میں اس کا خوب مشاہدہ ہوتا۔ اس کے بعد اس کی ترقیات کو دیکھتا رہا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد سے مرحوم میں ایک جوش کی کیفیت پیدا ہوئی اور کسی بڑے سے بڑے ذی وجاہت شخص کے سامنے بھی اپنی بات کو نہایت جرأت اور بے خوفی سے کہنے کا ظہور ہوا اور وہ بڑھتا ہی رہا۔ اس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد اس کی گفتگو اور تقاریر میں انوار اور تجلیات کا ظہور پیدا ہوا۔ کیا بعید ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی خصوصی توجہات اور مرحوم کے ساتھ شفقت اور محبت کا یہ ثمرہ انہیں چیزوں کا یہ اثر ہوا جو اس ناکارہ نے شروع میں شعر میں ظاہر کیا کہ پھر یہ ناکارہ اس سے مرعوب ہونے لگا کہ اس کے اصرار پر مجھے مخالفت دشوار ہو گئی اس کا اثر یہ تھا

کہ گزشتہ سال اپنی انتہائی معذوریوں اور مجبوریوں امراض کی شدت کے باوجود جب مرحوم نے اس پر اصرار کیا کہ تمہیں حج کو میرے ساتھ ضرور چلنا ہے تو میری انکار کی ہمت نہ پڑی اور جب میں نے اپنے امراض کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے اعذار کو نہیں دیکھتے ہو تو مرحوم نے کہا خوب دیکھ رہا ہوں مگر میرا جی چاہتا ہے کہ آپ ضرور چلیں۔ اخیر میں اللہ جل شانہ نے اپنے لطف وکرم کی وہ بارش فرمائی کہ مجھ جیسے بے بصیرت کو بہت سی چیزیں کھلی محسوس ہوتی تھیں اس قسم کی باتیں نہ کہنے میں آتی ہیں اور نہ لکھنے کو دل چاہتا ہے۔ صرف اس ایک عورت کے خواب پر اس عریضے کو ختم کرتا ہوں۔ خواب تو مرحوم کے حادثہ کے بعد لوگوں نے عجیب عجیب دیکھے اور لکھے لیکن یہ خواب چونکہ اس ناکارہ کے قریب لفظ بلفظ واقعہ ہے اس لیے لکھوا رہا ہوں۔ اس حادثہ پر اپنے تعلقات کے موافق نیز اپنے قلبی ضعف وتحمل کے موافق اثرات تو بہت ہی عام ہوئے لیکن ایک عورت کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ کسی وقت بھی چپ نہ ہوتی تھی ہر وقت روتی تھی۔ بار بار وضو کرتی اور تسبیح لے کر بیٹھ جاتی۔ وہ اسی حالت میں ایک دفعہ وضو کرکے تسبیح لے کر بیٹھی تھی کہ اس کو غنودگی ہو گئی۔ عزیز مرحوم کو دیکھا وہ فرما رہے ہیں کہ کیوں پاگل ہو گئی؟ مرنا تو سب ہی کو ہے تعلق مالک سے پیدا کیا کریں، بندے سے نہیں۔ اس پر اس نے والہانہ انداز سے یوں کہا حضرت جی یہ ایک دم ہی ہوا کیا؟ مرحوم نے کہا کچھ بھی نہیں کچھ دنوں سے جب میں تقریر کرتا تھا تو مجھ پر تجلیات الٰہیہ کا خاص ظہور ہوتا تھا۔ اس مرتبہ جب میں رات کو تقریر کر رہا تھا تو ان کا اتنا زیادہ ظہور ہوا کہ میرا قلب ان کا تحمل نہ کر سکا اور دورہ پڑ گیا۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا گلاب کا پھول سنگھایا گیا اس کے بعد میری روح نکل گئی۔ بس اتنی ہی سی بات ہوئی فقط۔

عزیز مرحوم کی پہلی شادی میری سب سے بڑی لڑکی سے ۲ محرم ۵۴ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسے میں ہوئی تھی۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے نکاح پڑھا تھا چونکہ پہلے سے کوئی تجویز نہ تھی۔ عین وقت پر چچاجان نے فرمایا کہ نکاح پڑھانے کا ارادہ ہے اس لیے اس

وقت رخصت نہ ہوئی۔ تقریباً ایک سال بعد چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کی ایک آمد پہ اسی طرح فوری طور پر بغیر سابقہ تجویز کے رخصت ہوگئی۔ ۲۳، ۲۴، رمضان ۸۵ھ دوشنبہ سہ شنبہ کی درمیانی شب میں ۱۰ بج کر ۴۰ منٹ پر عزیز ہارون سلمہٗ کی ولادت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے اس کو اپنے باپ دادا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین فقط والسلام

زکریا

المحرم الحرام ۱۳۸۶ھ بقلم محمد عاقل عفی عنہ

(۳)

عزیز یوسف کی پہلی اہلیہ یعنی والدہ ہارون تقریباً ایک سال تک تپ دق میں مبتلا رہ کر ۴۷ء کے ہنگامہ میں نظام الدین ۲۹ر شوال ۶۶ھ شب دوشنبہ کی مغرب کی نماز کے سجدہ میں جب کہ وہ اشارہ سے نماز پڑھ رہی تھی اور سجدہ کے لئے اشارہ سے سر جھکا رکھا تھا دفعۃً انتقال کرگئی۔ اس کے انتقال کے بعد میں نے عزیز مرحوم کو حکماً منع کردیا تھا کہ تم دوسرا نکاح نہ کیجیو! اس لئے کہ تمہارے مشاغل کا ہجوم تمہیں حقوق کی ادائیگی کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اس وقت تو اس نے بڑی خوشی سے قبول کیا مگر چند سال بعد اس نے ضرورت کا اظہار کیا تو میں نے کہا بڑے شوق سے، جہاں تمہاری رائے ہو وہاں تحریک کردوں۔ مرحوم نے کہا اگر کروں گا تو آپ کے ہاں کروں گا اور کرنے کا ارادہ کہیں ہے۔ اس پر اس ناکارہ نے بڑے شوق سے قبول کیا اور نکاح ۱۹ر ربیع الثانی ۶۹ھ بروز چہارشنبہ بعد نماز عصر مدرسہ کی مسجد میں اس ناکارہ کی دوسری لڑکی سے ہوا جو بیوہ تھی اور اس کا پہلا نکاح مولوی لطیف الرحمان کاندھلوی مرحوم کے لڑکے سعید الرحمٰن مرحوم سے ہوا تھا جس کا انتقال ۴۷ء کے ہنگامہ ہی کے زمانہ میں ایک طویل علالت کے بعد ہوگیا تھا اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

ان واقعات کے ساتھ طویل قصے ہیں جو زبانی تو سنائے جاسکتے ہیں تحریر میں ان چیزوں کا آنا معلوم نہیں مناسب ہوگا یا نہیں ....

پہلا نکاح والدہ ہارون سے ۲ محرم ۵۴ھ مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں چچا جان کے ارشاد پر بلا کسی سابقہ تجویز کے فوری ہوگیا تھا۔ اسی طرح رخصتی بھی ایک سال بعد جب چچا جان جو مظاہر علوم کے سرپرست بھی تھے جلسہ سرپرستان میں تشریف لائے۔ اس وقت عزیزان یوسف و انعام ابوداؤد دوبارہ پڑھنے کے لیئے سہارن پور آئے ہوئے تھے یہاں موجود تھے۔ جلسہ سرپرستان میں جس میں حضرت اقدس رائے پوری بھی تشریف فرما تھے چچا جان نے فرمایا کہ ان بچوں کی رخصتی بھی کر دو۔ اسی دن رات کو میرے ہی گھر میں عزیزان یوسف انعام کی رخصتی بھی کر دی اور دوسرے دن صبح کو مختصر دعوت ولیمہ ہو گئی۔

گفت گو آئین درویشی نبود
ورنہ باتو ماجرا ہا داشتیم

والسلام
زکریا عفی عنہ سہارن پور
بقلم احسان ۲۳ صفر ۸۵ھ

ایک ضروری بات یہ ہے کہ بعض اخبارات میں مولوی یوسف کی پیدائش نظام الدین میں لکھ دی گئی ہے۔ ان کی پیدائش کاندھلہ میں اپنے جدی مکان میں ہوئی تھی۔ اس وقت چچا جان نور اللہ مرقدہٗ مظاہر علوم میں مدرس تھے۔

مہد سے لحد تک

از مولانا سید محمد ثانی حسنی، ایڈیٹر ماہنامہ "رضوان" لکھنؤ

ولادت حضرت مولانا محمد یوسف رح کاندھلہ میں سہ شنبہ ۲۵ رجادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس رح اس وقت مدرسہ مظاہر علوم (سہارن پور) میں مدرس تھے۔

۲ رجادی الثانی دوشنبہ کے دن عقیقہ ہوا اور نام محمد یوسف رکھا گیا۔

ماحول اور بچپن مولانا محمد یوسف صاحب نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اور پرورش پائی اس میں مرد تو مرد عورتیں تک دین داری اور تقویٰ میں ممتاز تھیں خاندان میں قرآن مجید کا حفظ کرنا معمول سا بن گیا تھا۔ بچے، بوڑھے مرد و عورت عام طور پر حافظ ہوتے تھے، گھر کی بیویاں تلاوت، ذکر و تسبیح اور نوافل وغیرہ کا بڑا اہتمام کرتیں۔ ہر طرف علم و تقویٰ کا چرچا تھا۔ خاندان اور خاندان کے باہر کئی بزرگ ہستیاں موجود تھیں جن کی دعائیں اور شفقتیں مولانا محمد یوسف رح کے ساتھ تھیں۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا اس وقت بستی نظام الدین اولیاءؒ میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس کی خدمت میں تھے۔

والدین کی تربیت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ ایک معزز اور صالح بزرگ مولانا رؤف الحسن صاحب کی بیٹی تھی اور والد ماجد خود ایک بڑے بزرگ اور شیخ طریقت نرم و گرم پر نظر رکھنے والے تھے، اس لئے

الفرقان ع۵ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ تعالیٰ نے قیاس ظاہر فرمایا ہے کہ حفظ کی تکمیل سات سال سے زائد عمر میں ہوئی ہے۔

ان دونوں نے اپنے ہونے والے نامور فرزند کی خوب اچھی طرح تربیت کی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کا خیال رکھا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ایک مجلس میں خود فرمایا "ہماری اماں جی نے ہماری تربیت اس طرح کی کوئی مہمان بیوی مٹھائی یا کیلے وغیرہ تحفے میں لائیں اور میں ان کی طرف دیکھ لیتا تو مہمان کے جانے کے بعد اماں جی میری پٹائی کر دیتیں کہ تم نے مٹھائی کی طرف گھور کر کیوں دیکھا" ——— ایک بار فرمایا "میں نے سوا ایک دفعہ کے بازار سے ایک آنہ کی بھی مٹھائی خرید کر نہیں کھائی۔ یہ وجہ نہ تھی کہ میرے پاس پیسے نہ ہوتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ میں نے پیسے جمع کرنے کا ایک ڈبہ بنا لیا تھا اور اس میں جو پیسے مجھ کو ملتے ڈال دیا کرتا تھا کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی کتابیں خرید دوں گا۔"(۱)

بستی نظام الدینؒ میں مہمانوں کی کثرت رہتی۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ مہمانوں ہی کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔ مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۱۲-۱۳ سال کی رہی ہوگی حضرت مولانا محمد الیاسؒ نے مہمانوں کو ناشتہ کرانے، کھانا کھلانے اور اس سلسلہ کی اور دوسری خدمتیں اسی کم عمری میں مولانا محمد یوسفؒ صاحب کے سپرد کر دی تھیں۔ مولانا روزانہ اندر سے کھانا لاتے اور فارغ ہونے کے بعد برتن لے جاتے۔

مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدین) میں پڑھنے والے طلباء کے وظائف اور کھانے پینے کا کوئی خاص انتظام نہ تھا، طلبا کی ٹولیاں باری باری سارے طلبا کا کھانا پکاتیں، اور اس سلسلے کے چھوٹے بڑے سارے کام خود ہی کرتیں۔ مولانا محمد یوسفؒ ان کے ان کاموں میں بھی شریک رہتے، ان کے ساتھ آٹا گوندھتے، مسالہ پیستے اور جنگل سے جلانے کے لئے جھاڑ جھنکاڑ گھسیٹ کر لاتے۔

تربیت کا اثر

والدین کی اسی تربیت کا اثر تھا کہ عام لڑکوں کی طرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے۔ لہو و لعب میں اور بیکار وقت

---

(۱) مولوی شبیر احمد حیدر آبادی

ضائع کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تعلیم کا شوق تھا صحابہ کرامؓ کے تذکرے اور خدا کی راہ میں ان کی جانبازی اور قربانی کے واقعات سے بڑی گہری دل چسپی تھی۔ فتوح الشام کا اردو منظوم ترجمہ صمصام الاسلام جس میں صحابۂ کرام کے جہاد اور فتوحات کا تذکرہ ہے۔ بچپن ہی میں ذوق و شوق سے پڑھتے تھے (۲)

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم میں قاری معین الدین صاحب نے تجوید سکھائی۔ گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے مدرسہ کاشف العلوم (بستی نظام الدینؒ) میں عربی شروع کی۔ سب سے پہلے میزان الصرف پڑھی اور ۱۵-۲۰ دن میں ختم کر دی، اس وقت مولانا مرحوم کے ساتھ قاری سید رضا حسن صاحب مرحوم اور مولانا محمد ادریسؒ صاحب انصاری اور بعض دوسرے حضرات تھے۔ طلبا کی یہ مختصر جماعت تھی جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے پڑھ رہی تھی۔ میزان الصرف کے بعد منشعب، اس کے بعد صرف میر پڑھی، پھر پنج گنج دوسرے استاد سے پڑھی۔ پنج گنج کے بعد پھر خود حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے نحو میر پڑھائی۔ اس کے بعد قصیدۂ بردہ. قصیدہ بانت سعاد اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی چہل حدیث حفظ کرائی۔ مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم میں حافظ منیر الدین صاحب نے بھی حصہ لیا اور متعدد کتابیں پڑھائیں۔ فقہ کی کتابیں کنز الدقائق تک حافظ مقبول حسن گنگوہی سے پڑھیں۔

اعلیٰ تعلیم

اوپر کی کتابیں زیادہ تر حضرت مولانا محمد الیاس سے پڑھیں۔ ۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا سفر حج پر تشریف لے جانے لگے تو مولانا محمد یوسف کو مدرسہ مظاہر سہارن پور میں داخل کر دیا۔ وہاں اس سال آپ نے ہدایہ اولین اور میبذی وغیرہ پڑھیں۔ حضرت مولانا کی حج سے واپسی کے کچھ مدت بعد مولانا محمد یوسف صاحب پھر بستی نظام الدین میں آ گئے اور آگے کی کتابیں مشکوٰۃ جلالین وغیرہ وہیں پڑھیں۔ ایک سال کے بعد ۱۳۵۲ھ میں دوبارہ مدرسہ مظاہر علوم آ کر صحاح اربعہ پڑھیں صحیح بخاری شریف

حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ، صحیح مسلم مولانا منظور احمد خان صاحب مدظلہ سے ، سنن ابو داؤد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ سے جامع ترمذی حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمبل پوری سے ، مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ اور ہم سبق تھے ۔ مولانا ممدوح ہی نے ذکر فرمایا کہ ہم دونوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ رات کے ابتدائی آدھے حصے میں ہم میں سے ایک مطالعہ کرے گا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات ہو جانے پر مطالعہ کرنے والا چائے بنائے گا اور دوسرے ساتھی کو اٹھا کر اور اس کے ساتھ چائے پی کر سو جائے گا اور اس دوسرے کے ذمہ ہوگا کہ فجر کی جماعت کے لئے سونے والے ساتھی کو اٹھائے ۔ ایک دن حضرت مولانا مرحوم شروع رات میں مطالعہ کرتے تھے اور میں سوتا تھا اور دوسرے دن اس کے برعکس ترتیب رہتی تھی لیکن تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے ہی مولانا مرحوم کی علالت کی وجہ سے مظاہر علوم سے نظام الدین آجانا پڑا ۔ مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ ہی آئے اور صحاح اربعہ کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں ابن ماجہ و نسائی اور انہی کے ساتھ شرح معانی الآثار ، طحاوی اور مستدرک حاکم بھی اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے نظام الدین میں پڑھیں ۔

نکاح

۲ محرم ۱۳۵۴ھ کو جس دن کہ مدرسہ مظاہر علوم کا سالانہ جلسہ تھا ، شیخ الحدیث مدظلہ کی بڑی صاحبزادی کے ساتھ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا اور ان سے چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ مولانا انعام الحسن صاحب کا نکاح ہوا ۔ مجلس نکاح میں مظاہر علوم اور دار العلوم دیوبند کے اکابر علماء اور دوسرے مشائخ شریک تھے ۔ نکاح حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا ۔

صاحبزادہ مولانا محمد ہارون کی پیدائش

۲۳ - ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ دوشنبہ و سہ شنبہ کی درمیانی شب میں اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ایک فرزند عطا فرمایا ۔ محمد ہارون نام رکھا گیا جو الحمد للہ اس وقت

۲۸ سال کے ہیں اور اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر ہیں۔

پہلی اہلیہ کا انتقال اور دوسرا نکاح

پہلی اہلیہ محترمہ مولانا محمد ہارون کی والدہ مرحومہ نے طویل علالت کے بعد ۲۹ر شوال ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء دستمبر ۱۹۴۷ء بروز دوشنبہ ایسی حالت میں کہ مغرب کی نماز اشارہ سے ادا کر رہی تھیں اور سجدہ کا اشارہ کرکے گویا سجدہ میں جا چکی تھیں، جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ اللّٰھم اغفرلھا وارحمھا۔

تقریباً تین سال کے بعد حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ ہی کی دوسری صاحبزادی کے ساتھ ۱۹ر ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ کو عقد ہوا۔ یہ اہلیہ محترمہ بحمد اللہ بقید حیات ہیں لیکن ان سے اولاد کوئی نہیں ہوئی ۔

بیعت وارادت

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدظلہٗ جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ہم زلف بھی ہیں اور بچپن اور تعلیم کے ساتھی بھی اور آخر تک مشیر کار و دست راست رہے ۔ اور اس وقت حضرت مرحوم کے جانشین اور تبلیغی کام کے نگراں و امیر ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ مدظلہٗ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم لوگ ابھی تک حضرت سے بیعت نہیں ہوئے ہیں تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تم لوگ چچا جان ؒ مولانا محمد الیاسؒ سے بیعت ہو چکے ہو۔ بہرحال اب دیر نہ کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت مولانا سے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت نے منظور فرمالیا اور فرمایا اللہ مبارک کرے اور انشاء اللہ مبارک ہی ہے۔

پہلا حج اور دعوت کا کام

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی دیرینہ خواہش کہ تبلیغ و دعوت کا جو کام ہندوستان میں چل چکا ہے اور کچھ علاقوں میں اللہ کے فضل سے جم بھی گیا ہے وہ اب باہر بھی پہنچنا چاہیئے۔ خصوصاً دیار عرب میں جہاں سے یہ کام چلا تھا۔ ۱۳۵۶ھ میں آپ کے دل میں اس کا داعیہ بڑی شدت سے پیدا ہوا

آخر کار ذلیقعدہ ۱۳۵۶ھ میں حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ ہمراہی میں مولانا احتشام الحق صاحب (۲)، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب (۳)، مولانا انعام الحسن صاحب (۴)، مولانا نور محمد صاحب میواتی (۵)، حاجی عبدالرحمٰن صاحب (۶)، مولانا ادریس صاحب اور دوسرے حضرات بھی تھے۔ حجاز میں تبلیغی کام کی ابتدا ہوئی۔ عربوں کے ایک اجتماع میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے عربی میں ایک تقریر بھی فرمائی جس کا سامعین پر اچھا اثر پڑا۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی عمر اس وقت تقریباً اکیس سال تھی۔ یہ حج مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا آخری حج تھا اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کا پہلا حج۔ دوسرا حج بیس سال کے بعد ۱۳۷۶ھ میں کیا اور تیسرا آخری حج ۱۳۸۴ھ۔

خلافت ونیابت

۱۲ر جولائی ۱۹۴۴ء کو بروز چہارشنبہ جب کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سفر آخرت کی تیاری فرما رہے تھے گویا کہ زندگی کا یہ آخری دن تھا۔ نظام الدین میں علما اور مشائخ جمع تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو یہ پیام پہنچا کہ مجھے اپنے آدمیوں میں سے ان چند پر اعتماد ہے آپ لوگ جسے مناسب سمجھیں اس کے ہاتھ پر ان لوگوں کو بیعت کرا دیں۔ جو مجھ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ (۱) حافظ مقبول حسن صاحب (۲)، قاری داؤد صاحب (۳) مولوی احتشام الحسن صاحب کاندھلوی (۴)، مولوی یوسف صاحب (۵) مولوی انعام الحسن صاحب (۶)، مولوی سید رضا حسن صاحب۔

ان حضرات نے دوبارہ مشورہ کرکے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی یوسف صاحب ماشاء اللہ ہر طرح اہل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے خلافت کے لئے "القول الجمیل" میں جو شرائط لکھے ہیں وہ سب بحمد اللہ ان میں پائے جاتے ہیں۔ عالم ہیں، متورع ہیں اور علوم دینیہ سے اشتغال رکھتے ہیں۔ فرمایا — اگر تم نے یہی انتخاب کیا ہے تو اللہ اسی میں خیر و برکت فرمائے گا، مجھے منظور ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ پہلے مجھے تر اکھڑ کا اور بے اطمینانی

تھی۔ اب بہت اطمینان ہوگیا ہے۔ امید ہے انشاء اللہ میرے بعد کام چلے گا۔

رات کے پچھلے پہر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا اکرام الحسن صاحب کو یاد فرمایا۔ مولانا محمد یوسف صاحب سے فرمایا "یوسف آمل لے ہم تو چلے" اور صبح کی اذان سے پہلے جاں، جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو منزل پر پہنچ کر میٹھی نیند سویا ؎

یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

صبح کی نماز کے بعد بہتے ہوئے آنسوؤں کے درمیان حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی جانشینی عمل میں آئی اور مولانا کا عمامہ ان کے سر پر باندھا گیا۔

اب دعوت و تبلیغ کا پورا بوجھ حضرت مولانا محمد یوسف کے کاندھوں پر آگیا اور دعوت و تبلیغ کے قافلہ کے سالار بن کر دنیا کے سامنے آئے۔

نظام الدین کے شب و روز

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب جب تک بستی نظام الدین میں قیام کرتے تو شب و روز کا نظام اس طرح رہتا، صبح کی نماز اکثر خود پڑھاتے بعد نماز دعا فرماتے، عموماً نماز خوب اِسفار میں ہوتی۔ دعا کے بعد تقریر فرماتے جو تقریباً دو گھنٹہ تک رہتی۔ بعض اوقات دھوپ کافی نکل آتی اور لوگ دھوپ میں بصد شوق تقریر سنتے۔ مولانا کبھی بیٹھ جاتے، جوش آتا تو کھڑے ہو جاتے۔ دھوپ کی تیزی کی بنا پر کوئی خادم یا طالب علم چھت سے لمبائی کی طرف سے دری (جس پر نماز پڑھی جاتی تھی) لٹکا دیتے تاکہ حضرت مولانا کو دھوپ سے تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد جماعتوں کی تشکیل ہوتی۔ اس کے بعد حضرت مولانا اپنے حجرہ میں آنے والے مہمانوں کو ناشتہ کراتے اور یہاں بھی مولانا کی گفتگو جاری رہتی اور موضوع اور مرکزی نقطہ اس گفتگو کا بھی دین کے لئے محنت و قربانی ہی ہوتی۔ کبھی جماعتوں کی سرگزشت اور مختلف علاقوں سے آنے والے مہمانوں سے کام کے متعلق دریافت حال، اکثر اسی مجلس میں اجتماعات کی

تاریخیں بھی طے ہوتیں، پھر مہمان رخصت ہونے تو ان کو ہدایات دیتے۔ اس کے بعد اشراق کے قریب جماعتوں کی روانگی کے وقت حضرت مولانا رحمتی تقریر فرماتے جس میں اصول، طریقۂ کار اور نظام الاوقات پر تفصیل سے روشنی ڈالتے۔ پھر تمام مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے اس کے بعد ظہر تک قیلولہ، نماز ظہر کے بعد مطالعہ اور درس حدیث جو قریب عصر تک جاری رہتا بعد عصر خطوط کے جوابات لکھاتے، مہمانوں سے ملتے اور کبھی کبھی اس وقت بھی تقریر فرماتے بعد نماز مغرب سورہ یٰسین کا ختم ہوتا، ختم پر دعا ہوتی، کبھی خود دعا کراتے، کبھی صرف شرکت فرماتے، کبھی کسی کی تقریر بھی ہوتی۔ اس کے بعد مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا جن کی تعداد عموماً سینکڑوں ہوتی، اس کے بعد نماز عشا ہوتی، عشاء کی نماز کے بعد عہد نبوی اور عہد صحابہؓ کے واقعات کا کتابی درس ہوتا پہلے تو یہ کام اکثر البدایۃ والنہایۃ سے لیا جاتا تھا لیکن جب سے خود مولانا کی ترتیب دی ہوئی حیات الصحابہ تیار ہوگئی تھی وہی سامنے رہتی، ادھر چند سالوں سے بعد نماز عشا کا یہ درس دوسرے حضرات کے سپرد ہوگیا تھا۔

دین کے لئے محنت و قربانی کی دعوت مولانا کی روح بن گئی تھی۔ ہر تقریر اور گفتگو کا موضوع یہی ہوتا تھا۔ شروع میں تین چلوں اور سات چلوں کی دعوت دی جاتی تھی لیکن آخر زمانے میں عمر اور ہر سال ۸-۸ مہینے کی دعوت دیتے تھے۔ مولانا کی دعوت اور اس کی کیفیت میں مسلسل ارتقا جاری تھا اور گزشتہ سال جب مولانا نے اپنے رفقاء کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ آخری حج کیا۔ اس حج میں اور حج کے بعد مولانا پر اپنے کام اور اپنی دعوت کا اور زیادہ غلبہ ہوگیا تھا۔

آخری حج

آپ نے ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۶۴ء بذریعہ ہوائی جہاز اپنی زندگی کا آخری حج کیا۔ اس حج کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس سفر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ بھی ہمراہ تشریف لے گئے اور تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے خواص کی ایک بہت بڑی جماعت ساتھ تھی۔ خود حضرت مولانا اور حضرت شیخ الحدیث

اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور چند اور رفقا تو ہوائی جہاز سے گئے تھے، با حضرات بحری جہازوں سے گئے تھے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر صبح و شام حضرت مولانا کی تقریریں شروع ہو گئیں۔ حرم شریف میں اور اس کے علاوہ بھی مختلف مقامات کے خصوصی اجتماعات میں خطاب فرماتے۔

۲۷ر ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے۔ نصف یوم اور ایک شب راستہ میں بدر ٹھہرے۔ ۲۸ر ذی الحجہ کو مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ منورہ میں بھی صبح و شام اجتماعات ہوئے۔ ہر ہر طبقہ میں خطاب فرمایا۔ ہندوستانی مجمع، بخاری مجمع، عربی مجمع، الغرض کوئی وقت ایسا نہ تھا جس میں مولانا کا خطاب نہ ہوتا ہو۔ حرمین پاک میں عموماً فجر کی نماز غلس میں (یعنی اندھیرے میں) ہوتی ہے۔ حضرت مولانا کا خطاب نماز کے بعد ہی شروع ہو جاتا اور سورج خوب بلند ہونے تک جاری رہتا۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر خطاب سنتے اور پہلو نہ بدلتے۔ اس مبارک سفر میں طالبین حق کا ایسا رجوع عام ہوا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

مولانا کی دعوت پر لمبی لمبی مدت کے لئے ۲۶ جماعتیں نکلیں جن میں سے اٹھارہ یورپ وغیرہ کے دور دراز ممالک فرانس، مغربی جرمنی، انگلستان وغیرہ کے لئے اور آٹھ جماعتیں مختلف ممالک عربیہ کے لئے۔

مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ واپسی ہوئی اور سولہ دن وہاں پھر قیام فرمایا، پھر وہاں سے کراچی تشریف لائے اور پہنچتے ہی وہاں کے تبلیغی مرکز کی مسجد میں تقریباً تین گھنٹے تقریر کی۔ تین دن کراچی میں قیام رہا۔ کراچی سے لائل پور تشریف لائے۔ راستہ کے قریب قریب ہر سٹیشن پر اللہ کے لئے محبت کرنے والے زائرین کا مجمع ہوتا تھا۔ جہاں وقت میں گنجائش ہوتی آپ پر کچھ بات فرماتے اور دعا ہوتی۔ لائل پور سے سرگودھا، سرگودھا سے ڈھڈیاں (جہاں حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ آرام فرما ہیں) اسکے بعد راولپنڈی، رائے ونڈ لاہور۔ ان تمام مقامات پر کم و بیش قیام فرمایا۔ ہر جگہ صبح و شام گھنٹوں خطاب فرماتے رہے

بولتے بولتے گلے میں سوجن ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے اصرار سے مشورہ دیا کہ کچھ دنوں کے لئے بولنا چھوڑ دیا جائے۔ مگر حضرت مولانا اس پر آمادہ نہیں ہوئے۔ حسب عادت تقریروں اور گفتگوؤں کا سلسلہ جاری رہا اور مرض ترقی کرتا گیا۔

پاکستان کا آخری سفر

حضرت مولانا فروری ۱۹۶۵ء کے دوسرے ہفتہ میں براستہ لاہور ڈھاکہ کے اجتماع میں تشریف لے گئے وہاں کے اجتماع سے فارغ ہونے کے بعد مشرقی پاکستان کے اہم مقامات پر اجتماعات ہوئے اور تقریروں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد پھر مغربی پاکستان تشریف لائے۔ کراچی۔ میر پور خاص۔ ملتان۔ گنگن پور۔ ٹل (کوہاٹ)، اور راولپنڈی کے اجتماعات ہوئے جن میں حسب معمول حضرت مولانا تقریریں فرماتے رہے۔ اس کے بعد رائے ونڈ کے اجتماع میں رونق افروز ہوئے یہاں آخری دن (۲۲ مارچ کو)، تقریباً ستر جماعتیں رخصت کیں۔ اس پورے دورہ کے اجتماعات میں دو مستقل تقریریں صبح اور شام کو ضرور ہی فرماتے۔ اس کے علاوہ عصر سے مغرب تک خصوصی مجلس میں بیان ہوتا۔ ناشتہ اور کھانے کے وقت بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا۔ رائے ونڈ کے اجتماع کے بعد لاہور تشریف لائے، پھر وہاں سے نارووال کے اجتماع میں تشریف لے گئے۔ اندرونی طور پر کچھ تکلیف محسوس کرتے رہے مگر ان کے بے مثل ضبط و تحمل نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ احباب کو وقت آخر جا کر علم ہوا کہ وہ کتنی تکلیف میں مبتلا رہے ہیں۔ وہاں دو دن کے بعد جمعۃ المبارک کی ادائیگی کے لئے گوجرانوالہ رک گئے اور اس تکلیف کے باوجود جمعہ سے قبل اور اس کے بعد وہاں تقریر بھی فرمائی۔ عصر کے قریب لاہور بلال پارک چلے آئے اور یہاں بھی اس تکلیف کے باوجود بیانات برابر جاری رہے۔ ہفتہ کی شام کو دو گھنٹہ تک تقریر فرمائی اور اگلی صبح اتوار کو جماعتوں کو رخصت کرنے سے پہلے ہدایات سے نوازا پونے دس بجے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ مولانا ٹیلیفون کمپاؤنڈ میں چلے گئے۔ وہاں دس بجے عورتوں کا اجتماع ہونا تھا اور مولانا کا بیان ہونا تھا (سید ذوالفقار حسین بخاری حضرت جی نمبر خدام الدین لاہور)

دوشنبہ کو پھر رائے ونڈ تشریف لے آئے۔ تین دن یعنی جمعرات تک پھر قیام فرمایا روزانہ صبح کو خواص سے خطاب فرماتے۔ ان تینوں دنوں میں بڑی اہم ہدایتیں اور نصیحتیں کام کرنے والوں کو فرمائیں۔

لاہور کا ورود اور انتقال

۲، اپریل جمعہ کے دن ٹرین سے سہارن پور کے لئے روانگی طے تھی، جمعرات کے دن رائے ونڈ سے فارغ ہو کر لاہور تشریف لے آئے۔ ایک دن پہلے (بدھ کے دن) گلے سے معدے تک سانس کی نالی میں چبھن محسوس فرماتے تھے۔ لاہور پہنچ کر طبیعت میں تقریر کے لئے آمادگی نہیں تھی۔ حضرت مولانا کے لئے یہ بالکل غیر معمولی اور نئی بات تھی اور طبیعت کے اس حال کا اظہار بھی فرما دیا تھا۔ بلال پارک میں (جہاں لاہور کا تبلیغی مرکز ہے اور وہیں مولانا کا قیام تھا) حسب معمول بعد نماز مغرب جمعرات والا اجتماع شروع ہوا اور چونکہ عام طور سے یہ اطلاع تھی کہ حضرت مولانا کل جمعہ کو ہندوستان تشریف لے جائیں گے اور لوگوں کا خیال تھا کہ آج کے اجتماع میں مولانا کے اس سفر پاکستان کی آخری تقریر ہوگی اس لئے مجمع زیادہ آگیا اور کچھ ایسے حضرات بھی آگئے جو عام طور سے تبلیغی اجتماعات میں آیا نہیں کرتے۔ اس لئے بعض مخلصین نے عرض کیا کہ کچھ ضرور فرمادیں۔ مولانا نے ارادہ فرما لیا اور طبیعت کے انتہائی احساس ضعف کے باوجود ہمت اور قوت ارادی استعمال کر کے کھڑے ہو گئے اور سوا گھنٹے تک تقریر فرمائی۔ صاف محسوس ہو رہا تھا کہ مولانا زبردستی تقریر فرما رہے ہیں۔ پیشانی تک سے پسینہ پھوٹ رہا تھا، اور آواز میں بہت نقاہت تھی۔ تقریر کے بعد تشکیل شروع ہوئی۔ اس وقت بھی طبیعت پر جبر کر کے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد ایک نکاح پڑھانا تھا وہ بھی پڑھایا لیکن اس موقع پر تقریر نہیں فرمائی اور دعا بھی مختصر فرمائی جو ان کے عمر بھر کے معمول اور طریقہ کے لحاظ سے بالکل نرالی بات تھی اس لئے خاص ساتھیوں کو اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔ مجلس نکاح سے اٹھ کر قیام گاہ کی طرف چلے جو بالکل برابر میں تھی۔ چلتے ہوئے فرمایا۔ مجھ کو سنبھالو سعید ابن صدیق

صاحب اور ریاض لاہوری نے گلے اور کمر کو ہاتھوں سے سہارا دیا۔ چند قدم بڑھتے ہی لڑکھڑا گئے اور غشی طاری ہوگئی۔ اٹھا کر کمرہ میں لایا گیا اور اسی بے ہوشی کی حالت میں لٹا دیا گیا۔ ایک حکیم صاحب جو سفر میں ساتھ تھے ان کے پاس جواہر مہرہ تھا انہوں نے دودھ میں گھول کر چمچہ سے پلایا۔ چند منٹ کے بعد کچھ ہوش آیا۔ ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے تھے۔ نبض بہت ہی ضعیف تھی۔ لاہور کے نامور ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کو بلایا گیا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ قلب پر ایسا شدید حملہ ہوا تھا کہ اس سے بچ جانا بس ایک کرامت ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ مولانا کو اسی وقت ہسپتال میں داخل کر دیا جائے لیکن اس پر عمل نہیں ہوسکا اور ڈاکٹر صاحب کی تجویز کردہ دواؤں کا استعمال شروع ہوا۔ آدھی رات گزرنے کے کافی بعد حضرت مولانا نے عشاء کی نماز ادا کی۔ صبح تک طبیعت ایسی سنبھل گئی کہ کرنل ضیاء اللہ صاحب نے جب آکر دیکھا تو انہیں سخت حیرت ہوئی۔ سب لوگ ایک درجہ میں مطمئن ہوگئے۔ اس اثنا میں مولانا نے کچھ ضروری باتیں بھی کیں۔ اس سلسلہ میں مولانا انعام الحسن صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ میری کتابوں کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ بہرحال دوپہر تک طبیعت بہت قابل اطمینان رہی لیکن جمعہ کی نماز کے وقت پھر ایکدم طبیعت بگڑی اور سانس بے قابو سا ہوگیا۔ فرمایا مجھے مختصر سی نماز پڑھوا دو۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے بہت مختصر نماز پڑھا دی۔ مسجد میں جمعہ کی نماز بھی مفتی زین العابدین صاحب نے بہت مختصر پڑھائی۔ ڈاکٹر اسلم صاحب نے آکر دیکھا تو کہا مرض کا دوبارہ حملہ ہوگیا ہے فوراً اسپتال لے چلنا چاہیئے تاکہ وہاں آکسیجن دی جائے۔ حضرت مولانا نے سنا تو فرمایا وہاں نرسیں بھی ہوں گی۔ مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا کہ اس کا پورا انتظام کرلیا جائے گا کہ کوئی نرس اور عورت قریب نہ آئے تو لے چلنے کی اجازت دے دی۔

آخری وقت

موٹر میں حضرت مولانا کو لٹا دیا گیا اور وہ اسپتال کی طرف روانہ ہوگئی۔ حضرت مولانا انعام الحسن، مولوی الیاس میواتی اور ڈاکٹر اسلم ساتھ بیٹھے۔ اس وقت سانس زیادہ اکھڑنے لگی۔ اس وقت زبان پر تھا رَبِّیَ اللّٰہ

رحمۃ اللہ ۔ مولوی الیاس صاحب میواتی کا بیان ہے کہ اسی کے ساتھ حضرت مولانا نے شام کے وقت کی ماثورہ دعائیں پڑھنی شروع کردیں اور کلمہ شریف پڑھنے لگے۔ گڑھی شاہو کے چوک کے قریب جب موٹر پہنچی تو دریافت فرمایا اسپتال کتنی دور ہے؟ عرض کیا گیا ابھی آدھا فاصلہ ہے۔ اس کے بعد زبان صحیح طور سے اپنا کام کرنے کے لائق نہیں رہی۔ آنکھوں میں بھی تغیر آگیا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے یٰسین شریف شروع کردی اور بس چند لمحوں میں حضرت مولانا نے کلمہ شریف پڑھتے ہوئے متبسم چہرہ کے ساتھ جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی یعنی ۲۹ ر ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲ر اپریل ۱۹۶۵ء جمعہ کے دن دو بجے کے قریب ۲۱ برس تک مسلسل اللہ کے لئے اور اس کے دین کے لئے جان کھپانے والی یہ ہستی اس فانی دنیا سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ٥

نماز جنازہ

نعش مبارک بلال پارک واپس لائی گئی، جو سنتا تھا حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا تھا، جیسے جیسے خبر پھیلتی گئی، مجمع بڑھتا گیا۔ عشا ہوتے ہوتے ہزاروں کا مجمع ہو گیا۔ نماز جنازہ ہوئی جو حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے پڑھائی حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گنگوہی (خلیفہ خاص حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ) سرگودھا سے ایک قافلہ کے ساتھ اس وقت پہنچے جب نماز جنازہ ہو چکی تھی۔ حضرت ممدوح نے دوسری دفعہ نماز جنازہ پڑھائی۔

اگرچہ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت مولانا کو وہیں دفن کر دیا جائے لیکن حافظ صدیق صاحب میواتی وغیرہ حضرات کے شدید اصرار پر اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے فون کے ذریعہ استصواب پر ہوائی جہاز سے دہلی جنازہ لانے کا فیصلہ ہوا۔ جنازہ کے ساتھ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب، مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری

حافظ صدیق صاحب، قاری رشید صاحب، مولوی الیاس صاحب میواتی۔ میاں جی اسحاق صاحب پالنپوری بھی ساتھ بیٹھے۔ جنازہ ڈیڑھ بجے رات لاہور سے روانہ ہوکر ۳ بجے دہلی کے ہوائی اڈے پر اترا اور ساڑھے تین بجے کے قریب نظام الدین لے آیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سہارن پور سے حضرت شیخ الحدیث تشریف لے آئے۔ خبر دہلی میں اور اطراف میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی اقتدا میں نماز جنازہ صبح ۹ بجے پڑھی گئی جس میں دہلی اور اس کے قریبی علاقوں اور میوات کے قریباً اسی ہزار مسلمانوں نے شرکت کی اور حضرت مولانا مرحوم اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پسماندگان

حضرت مولانا مرحوم کی زندگی کی جو خاص نوعیت تھی اس کی بنا پر بلاشبہ ساری امت مسلمہ اور بالخصوص ان کے لاکھوں عقیدتمند اور محبین جن کو ان کے ذریعہ دین اور ایمان و یقین کی دولت ملی ان کے پسماندگان میں ہیں لیکن عرف عام اور قرابت و عزیز داری کے لحاظ سے ان کے پسماندگان میں ایک صاحبزادہ مولانا محمد ہارون صاحب ہیں جو الحمدللہ مولانا کے نقش قدم پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خاص الخاص ترقیات سے نوازے۔

دوسری حضرت کی والدہ ماجدہ اماں جی ہیں۔ جن کے بارہ میں اپنی معلومات کی بنا پر لکھنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اپنے وقت کی رابعہ ہیں۔ تیسری حضرت مرحوم کی اہلیہ محترمہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی صاحبزادی ہیں۔ چوتھے محترمہ ہمشیرہ صاحبہ ہیں جو حضرت شیخ الحدیث کی اہلیہ محترمہ ہیں جن کے صاحبزادے مولوی محمد طلحہ ہیں۔ پانچویں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب ہیں جو خاندانی قرابت کے علاوہ ہم زلف بھی ہیں اور ساری عمر حضرت مولانا مرحوم کے ساتھ دو قالب ایک جان ہوکر رہے۔ عام طور سے محسوس کیا جاتا تھا کہ تبلیغ کے نام سے جو دینی جد و جہد چل رہی ہے، حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سے

حضرت مولانا مرحوم اس کا قلب ہیں اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اس کا دماغ حضرت مولانا کے وصال کے بعد ان کے جانشین خاص کی حیثیت سے اس دینی جد و جہد کی سب سے بڑی ذمہ داری اب اُنہیں پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے اور امت کو ان سے ویسا ہی نفع پہنچائے جیسا کہ حضرت مرحوم سے پہنچایا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

چھٹے ان کے برادر معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم ہیں جو چچا زاد بھائی اور خسر ہونے کے علاوہ والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے بعد ان کے استاد اور مربی بھی ہیں۔ حضرت شیخ کو حضرت مولانا مرحوم سے جو مشفقانہ تعلق تھا اور حضرت مولانا مرحوم حضرت شیخ کے ساتھ عقیدت و نیازمندی کا جو رابطہ رکھتے تھے اس کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ حضرت شیخ کے لئے یہ حادثہ کسی باکمال اور صاحب فیض سگے بیٹے کے حادثہ سے کم نہیں ہے۔ حضرت شیخ اس دور کے شیخ المشائخ اور مرجع خلائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ دیر تک قائم رکھے اور امت کو استفادہ کی توفیق دے۔ ان حضرات کے علاوہ کاندھلہ میں پورا خاندان ہے جن میں حضرت مولانا احتشام الحسن صاحب بھی ہیں جو حضرت مولانا مرحوم کے حقیقی ماموں ہیں۔ بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا انعام الحسن صاحب کے والد ماجد مولانا اکرام الحسن صاحب مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب، مولانا اظہار الحسن صاحب، مصباح الحسن صاحب وغیرہ قریبی اعزہ اور متعلقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنی رضا و محبت کے اونچے مقام تک پہنچائے۔

وما مات من کانت بنا یا مثلھم
شباب تناھی العلی و کھول

حضرت مولانا کی دو اہم تصانیف اس کو حضرت مولانا کی صرف کرامت ہی کہا جا سکتا ہے کہ دن رات اپنی دعوت میں منہمک رہنے کے باوجود مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ان سینکڑوں مکاتیب کے علاوہ جن کی حیثیت مستقل رسائل و مقالات کی ہے، دو ضخیم تصانیف بھی چھوڑی ہیں۔ ذیل کی سطروں میں ان کا بہت مختصر اور اجمالی تعارف کرایا جا رہا ہے۔

امانی الاحبار مولانا مرحوم نے ۱۳۵۵ھ میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی دوسری کتابوں مستدرک حاکم وغیرہ کے علاوہ امام طحاوی کی معرکۃ الآرا کتاب شرح معانی الآثار بھی پڑھنی شروع کی۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ مولانا نے اس کی شرح بھی لکھنی شروع کی جس کا سلسلہ آخر تک جاری رہا۔ اس کی دو جلدیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ پہلی جلد بڑے سائز کے ۳۶۷ صفحات پر ختم ہے۔ ہر صفحہ میں ۳۵-۳۶ سطریں ہیں۔ دوسری جلد ۴۴۲ صفحہ پر ختم ہوئی ہے۔ تیسری جلد کی تصنیف معلوم ہوا کہ، مکمل ہو چکی تھی لیکن چھپنے کی نوبت ابھی نہیں آئی۔ پہلی جلد کے شروع میں طحاوی کے اسماء الرجال کی فہرست اور تقریباً چالیس صفحے کا مقدمہ فن حدیث میں مولانا کے علمی مقام کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

حیات الصحابہ رض اس کا نام تو حیات الصحابہ ہے لیکن دراصل یہ عہد نبوت اور دور صحابہ رض کا عربی زبان میں ایک مستند اور مکمل مرقع ہے۔ اس کی تین ضخیم جلدیں ہیں۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد میں اس کی طباعت ہوئی ہے۔ پہلی جلد کے شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا پیش لفظ ہے۔ پہلی جلد ۶۱۲ صفحات پر ختم ہوئی ہے دوسری جلد ۷۱۴ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ تیسری جلد کی ضخامت بھی اتنی ہے۔ وہ بھی چھپ چکی ہے لیکن ابھی پریس سے نکل کر شائقین کے ہاتھوں تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ راقم الحروف

نے بھی نہیں دیکھی ہے ؛ گویا پوری کتاب کے صفحات دو ہزار سے زیادہ ہیں۔ محدثین کے طرز پر لکھی گئی ہے۔ پہلی دونوں جلدیں چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا اردو ترجمہ بھی ادارہ اشاعت دینیات دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔ مولانا کی ان دونوں کتابوں کو دیکھ کر ان لوگوں کو انتہائی حیرت ہوگی جو مولانا کے نظام الاوقات اور دن رات کی مصروفیات کو آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ مولانا کی یہ دونوں کتابیں اس لائق ہیں کہ پوری تفصیل کے ساتھ ان پر تبصرہ کیا جائے اور اہل علم سے ان کا تعارف کرایا جائے لیکن "الفرقان" کی اس خاص اشاعت کے لئے مجھے جو سوانحی خاکہ لکھنا ہے اس میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ اس وقت تو مقصد صرف ان دونوں کتابوں کا اجمالی تعارف تھا۔ راقم الحروف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان خوش نصیبوں میں ہے جنہوں نے حضرت مولانا مرحوم کی دن رات کی مصروفیتوں کو سفر و حضر میں بار بار دیکھا ہے ان مصروفیات میں ایسی ضخیم کتابوں کی تصنیف کو حضرت مولانا مرحوم کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے اللہ تعالیٰ اہل علم کو ان کتابوں سے وہ فائدہ پہنچائے جس کی امید پر مولانا مرحوم نے یہ کتابیں لکھی تھیں اور ان کو پوری طرح قبول فرمائے۔

سراپا

میانہ قد، خوش رو، رنگ کھلتا ہوا، بدن دوہرا گھنی سیاہ ڈاڑھی بھرا ہوا چہرہ، آنکھوں میں بلا کی چمک اور کشش، خندہ پیشانی، سر پر عام طور سے رومال باندھتے اور دوپلی ٹوپی بھی پہنا کرتے۔ تہبند اور لانبا کرتا عام لباس ہوتا۔ کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے۔ پہلی نظر ڈالو تو معلوم ہو کسی گہری سوچ میں ہیں۔ اوّل اوّل ہیبت طاری ہوتی لیکن ذرا ہی دیر میں انس پیدا ہو جاتا۔ ہر ایک سمجھتا کہ سب سے زیادہ تعلق اس سے ہے۔ دین کے علاوہ کچھ نہ کہنے اور نہ سننا گوارا کرتے۔ ذہن صاف سینہ لیقین سے بھرا ہوا۔ معلومات خاص کر عہد نبوی اور قرن صحابہؓ و تابعین سے متعلق وسیع سے وسیع تر۔ لبوں پر مسکراہٹ، مگر دل میں آگ لگی ہوئی۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ایسے ہی مردان خدا کے لئے کہا ہے ؎

تو اے افسردہ دل زاہد بیے در بزم رنداں شو،
کہ بینی خندہ برلب ہا، و آتش پارہ در دلہا

بات کرتے کرتے آستین چڑھاتے پھر اتارتے، تھوڑی دیر بعد ایک آہ بھرتے جو درد و اثر میں ڈوبی ہوتی، اضطراب و بے کلی نے ایک سیمابی کیفیت پیدا کر دی تھی جنہوں نے قریب سے نہیں دیکھا ان کے لئے سمجھنا مشکل ہے اور جنہوں نے دیکھا انہوں نے یقین کیا کہ وہ اس دور میں اللہ کی ایک نشانی تھے۔ انہیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے درد و فکر کو سمجھنا آسان ہو جاتا تھا۔

آخری لمحات

دعوت وتبلیغ کے قائد وراہنما مولانا محمد یوسف برد اللہ مضجعہٗ کی وفات ایک ایسا المناک سانحہ ہے جس کی یاد مدتوں تازہ رہے گی اور ہزاروں دل اس المیہ سے ٹیس محسوس کرتے رہیں گے۔ یہ سانحہ یوں تو کوئی انوکھا سانحہ نہیں۔ اس دار الفنا میں ہر آنے والے کو بالآخر جانا ہے۔ لیکن بوجوہ اس واقعہ فاجعہ کی الم انگیزی زیادہ ہے۔ ان وجوہ میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ حادثہ اس تیزی سے وقوع پذیر ہوا کہ سامنے دیکھنے کے باوجود اس کا یقین نہیں آرہا تھا۔ مولانا رحمۃ الرحمۃ کی علالت بھی اچانک ظاہر ہوئی اور انتقال بھی دفعتہً ہی ہوا۔ اس واقعہ کی جو جزئیات مشفق ومکرم مولانا مفتی زین العابدین صاحب کی گفتگوؤں اور ان کی عطا فرمودہ ڈائری سے مل سکیں اور جو گفتگوئیں چند دوسرے احباب سے ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

جی چاہتا ہے ہم مدینہ طیبہ میں ہیں

آخری ایام میں مولانا علیہ الرحمۃ ۲۷ ذوالقعدہ (۳۱ مارچ) کو آپ رائے ونڈ میں تھے۔ دوپہر کے وقت خاص احباب کے حلقے میں بیٹھے تھے، فرمانے لگے "جی چاہتا ہے یہاں (پاکستان میں) بھی تبلیغی کام چل نکلے اور ہندوستان میں بھی اور ہم مدینہ طیبہ میں رہتے"۔ رفقاء نے اس اظہار آرزو کو کوئی اہمیت نہ دی اور سفر جاری رہا۔ لاہور تشریف لے آئے اور حسب پروگرام اپنی مساعی میں مصروف ہوگئے۔

اب تو منزل طے ہو چکی

شب جمعہ یعنی ۲۸ ذوالقعدہ یکم اپریل جمعرات، کوئی سوا آٹھ بجے کا وقت ہے۔ بعض مخلص کارکن اصرار کر رہے

تھے کہ مولانا اس وقت خطاب فرمائیں۔ حضرت مولانا مرحوم بہت تھکے ہوئے تھے اور طبیعت بھی متاثر تھی۔ خصوصی احباب مولانا انعام الحسن اور مولانا مفتی زین العابدین بھی ہم نشین تھے۔ مولانا مرحوم نے طبیعت کی خرابی کا ذکر فرمایا۔ محترم مفتی زین العابدین سے فرمانے لگے، مفتی صاحب! یہ سینے کا درد ایک عرصہ سے چل رہا ہے، یہ معالج حضرات اس کا علاج نہیں کر پا رہے۔ مفتی صاحب نے عرض کیا حضرت! اس سے پہلے تو آپ نے کبھی اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ پھر مفتی صاحب قریب بیٹھے ہوئے حکیم صاحب سے فرمانے لگے، حکیم صاحب! اس درد کے بارے میں کیا رائے ہے؟ حکیم صاحب نے فرمایا تبخیر کی وجہ سے درد ہے، ابھی کھانے کے بعد دوا دے دی جائے گی یہ شکایت انشاء اللہ العزیز دور ہو جائے گی۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرمانے لگے،

مفتی صاحب! میری تشخیص بھی سنیئے۔ مفتی صاحب اور دوسرے احباب متوجہ ہوئے، مولانا نے فرمایا جب مجھے یہ درد پریشان کرتا ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ میں سپاری بکثرت کھاتا ہوں، سپاری کے کچھ ٹکڑے اوپر آگئے ہیں تو میں پانی کا ایک گلاس پی لیتا ہوں۔ اس سے افاقہ نہیں ہوتا تو میں ایک گلاس اور پی لیتا ہوں، درد موقوف ہو جاتا ہے تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ اوپر چڑھے سپاری کے ٹکڑے نیچے چلے گئے ہیں۔ مولانا یہ سب کچھ ازراہِ تفنن فرما رہے تھے اور احباب بھی گفتگو میں اس اعتبار سے شریک تھے۔

اس مرحلے پر مولانا انعام الحسن صاحب نے فرمایا، حضرت! اب عمر پچاس کو پہنچ گئی ہے، اب آپ کو محتاط رہنا چاہیئے، بے وقت کھانا، طویل ترین تقاریر اور بے وقت سونا۔ اب اس عمر میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ فرمایا "تو منزل طے ہو چکی"۔

مولانا انعام الحسن :۔ ابھی تو مشرقی طاقتوں میں فیصلہ کرانا ہے، اس کے بعد اسلام

کے چمکنے کا زمانہ آئے گا۔ ابھی تو صرف بات سمجھائی جارہی ہے۔

مولانا محمد یوسف :۔ پالیسی طے ہوچکی، اب تو دوسرے عمل کریں۔

مولانا انعام الحسن :۔ عمر اگر مشورے سے طے کرتا ہو تو کر لیجئے۔

مولانا محمد یوسف :۔ حضرت والد علیہ الرحمۃ کی عمر کتنی تھی ؟

مولانا انعام الحسن :۔ ۶۳ سال

مولانا محمد یوسف :۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکرؓ کی عمر؟

مولانا انعام الحسن :۔ ۶۳ سال

اس پر مولانا علیہ الرحمۃ فرمانے لگے "اچھا چلیں، لوگ انتظار کر رہے ہیں کچھ کہہ دیں" یہ فرمایا اور مسجد کی جانب چل دیئے، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور خطاب شروع فرمادیا۔

اس خطاب میں معمول سے زیادہ وضاحت تھی اور باتیں ایسی فرما رہے تھے جو آج ہی نہیں، اس دعوت کے راہنماؤں کے لئے طویل مدت تک کام آنے والی ہیں۔

آپ نے آغاز میں "صفات الٰہیہ" پر یقین اور عبادت میں حالت احسان پیدا کرنے پر زور دیا اور فرمایا کہ اگر نماز وہ نماز ہو جو اللہ کو سامنے دیکھتے ہوئے ادا کی جائے تو اس نماز سے وہ سب کچھ ملتا ہے جس کے لئے انسان نہ جانے کیا کچھ کرتا ہے۔ آپ نے یہ واقعہ اسی ضمن میں ارشاد فرمایا۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط پڑا۔ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاصؓ کو لکھا، انہوں نے جواب میں لکھا کہ غلے سے لدے ہوئے اونٹوں کا ایسا قافلہ بھیج رہا ہوں جس کا پہلا اونٹ مدینہ طیبہ میں اور آخری اونٹ مصر میں ہوگا۔ اس غلے سے اعلیٰ ترین انتظام کیا۔ ایک وقت میں دس ہزار افراد کو کھانا کھلایا جا رہا تھا۔ اسی دوران ایک شخص نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپؐ نے اس صحابیؓ سے فرمایا عمرؓ سے کہو نہیں کیا ہو گیا؟ تم تو بہت عقلمند تھے۔

یہ خواب حضرت عمر فاروق کو سنایا گیا ۔تعبیر سمجھ میں نہ آئی۔ لوگوں سے پوچھتے رہے کہ بتاؤ مجھ میں کون سی تبدیلی واقع ہوئی ہے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے ؟

ایک شخص نے کہا' بات صرف اتنی ہے کہ عمرؓ کی نماز حقیقی اور بنی ہوئی تھی۔ دعا قبول ہوتی ہے تو اسے چھوڑ کر انتظام کے چکر میں کیوں پڑے ہوئے ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے' دعا کی تو بادلوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ دعا جاری رہی' بادل اٹھے اور انہیں میں سے آواز آئی الغوث یا ابا حفص ، ، (ابوحفص ! عمر! تم نے جو مدد طلب کی تھی' یہ مدد آگئی ہے)

مولانا علیہ الرحمۃ فرمارہے تھے' اگر تم اپنی دکان میں' اپنے کاروبار اور اپنے طور طریقوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقوں کو داخل کر لو اور سب کچھ حضورؐ کے طریقے پر کرو تو اس طریقے سے بنایا ہوا جھونپڑا مشرکین اور کفار کی ڈھائی لاکھ سے بنی ہوئی کوٹھی سے زیادہ قیمتی ہے اور اگر تم نے اپنے گھر کے نقشہ میں حضورؐ کے طریقے پر عمل کیا تو تمہارے جھونپڑے کو راکٹ نہیں توڑ سکے گا۔ حضورؐ کے طور طریقوں کی وجہ سے تمہارا یہ جھونپڑا قیمتی ہے' جو تم نے بے قیمت مٹی سے بنایا۔ یہ قیمتی کیسے بنی۔ اس مٹی کی تو کوئی قیمت نہیں۔ یہ تو بے قیمت ہی ہے۔ قیمت تو حضورؐ کے طریقوں کی ہے اگر ساتوں زمین و آسمان کوٹھی ہو اور سب کو سونے سے بھر دیا جائے تو حضورؐ کے طریقے پر بنائی ہوئی پاؤں دھونے اور پاخانہ کرنے کی جگہ کے برابر نہیں اور یقین کرو کہ حضورؐ کی معاشرت سے خدا تعالیٰ ملے گا۔ حالات درست ہوں گے اور اگر یہود و نصاریٰ کے راستے پر معاشرت اٹھاؤ گے تو حالات خراب سے خراب تر ہونے چلے جائیں گے۔

اس قسم کے موثر و دل نشین ہونے والے جملوں سے بھر پور تقریر ختم کی حسب معمول' جماعت کی تشکیل کی۔ اس کے بعد عبدالحمید پوری صاحب کے صاحبزادے

کا نکاح ہوا، اور خلاف معمول آپ نے مختصر دعا فرمائی اور مسجد بلال پارک سے متصل رہائش گاہ کی جانب چل دیئے۔

دل کا حملہ احاطہ مکان میں داخل ہوتے تو غش کھا کر گر پڑے، احباب نے اٹھایا اور چار پائی پر لٹا دیا۔ محترم احسان صاحب بھاگے ہوئے مسجد میں آئے اور مفتی زین العابدین سے کہا کہ حضرت جی کو غشی ہو گئی ہے۔ کسی کو بلائیے۔ مفتی صاحب حکیم احمد حسن صاحب کو لے کر فوراً پہنچے۔ حکیم صاحب نے نبض دیکھی تو انتہائی کمزور ہو چکی تھی۔ حافظ صدیق صاحب نے فوراً جیب سے جواہر مہرہ کی شیشی نکالی۔ مفتی صاحب دودھ لائے تو اس میں جواہر مہرہ حل کر کے حضرت کے منہ میں چمچ ڈالا۔ آپ نے لے لیا تو تین چمچ دودھ اور ڈالا۔ اس سے تھوڑی دیر بعد نبض بحال ہو گئی۔ مگر تقریباً آدھ گھنٹہ بعد پسینہ آنے لگا۔ حکیم صاحب نے پھر نبض دیکھی اور محترم قریشی صاحب (امیر جماعت تبلیغ مغربی پاکستان) نے کہا کہ وٹامن بی کا انجکشن لگانا چاہیئے۔ قریشی صاحب نے کہا کہ اگر علاج کرنا ہے تو ہم ڈاکٹر کو بلاتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد اسلم صاحب اور حاجی محمد افضل صاحب (سلطان فونڈری لاہور) گئے اور کچھ عرصہ کے بعد ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کو لے آئے۔ انہوں نے معائنہ کیا، انجکشن اور کچھ دوسری دوائیں تجویز کیں۔

عشاء کی نماز ادا کی گئی ان دواؤں کے استعمال کے بعد دیکھا کہ اجابت کپڑوں میں ہی ہو گئی ہے۔ طہارت اور تیمم کے بعد عشاء کی نماز پڑھوائی گئی۔ نماز کے بعد جملہ احباب آپ کے پاس ہی رہے۔ تقریباً پونے تین بجے نیند آ گئی تو اکثر خدام کمرے سے باہر چلے گئے۔

صبح سوا پانچ بجے آنکھ کھلی تو فرمایا کہ نماز کا وقت ہو گیا؟ مفتی زین العابدین صاحب نے فرمایا، حضرت ہاں! آپ نے فرمایا، کیا وضو کرائیں گے؟ مفتی صاحب نے فرمایا، نہیں تیمم! مولانا علیہ الرحمۃ نے پوچھا، کیا نماز بیٹھ کر ادا کر دوں؟ مفتی صاحب نے کہا،

نہیں حضرت! صرف اشارے سے! چنانچہ یہ نماز اشارہ سے ادا ہوئی۔ نماز کے بعد مولانا صاحب نے فرمایا "چائے پلاؤ گے"؟

مفتی صاحب نے عرض کیا" حضرت! جی چاہتا ہے کہ تھوڑی دیر اور سو جائیں پھر چائے پئیں گے"۔ تو فرمایا" میرا بھی جی سونے کو چاہتا ہے" چنانچہ آپ سو گئے۔

مفتی صاحب سات بجے آئے تو حضرت مرحوم گہری نیند سو رہے تھے اور خراٹے لے رہے تھے، وہ باہر بیٹھ گئے، حکیم احمد حسن اور قریشی صاحب بھی تشریف لائے اور باہر ہی بیٹھ گئے۔ سوا سات بجے بیدار ہوئے۔ یہ تینوں حضرات آپ کے پاس بیٹھ گئے۔

مولانا علیہ الرحمۃ :۔ (مفتی زین العابدین سے مخاطب ہوکر) "رات کیا ہوا تھا"؟

مفتی صاحب :۔ "حضرت چکر آگیا تھا"!

مولانا :۔ (حکیم احمد حسن سے مخاطب ہوکر) "میری نبض دیکھئے"! انہوں نے نبض دیکھی اور کہا" الحمدللہ، اب تو ٹھیک ہے"!

مولانا نے حکیم صاحب سے پوچھا" رات کیا ہوا تھا"؟

حکیم احمد حسن صاحب :۔ "دل کا دورہ پڑا تھا"!

مولانا نے مفتی صاحب کی طرف دیکھا تو مفتی صاحب آگے بڑھے۔

میرے تو دل ہی نہیں ہے

مفتی صاحب :۔ (مفتی صاحب نے حضرت کے ہاتھ پر اپنا منہ رکھا اور عرض کیا) "حضرت! ان حکیموں اور ڈاکٹروں کو دل کے حال کا کیا پتہ؟ دل کا حال تو دل بنانے والا جانے، یا دل والا جانے"!

مولانا علیہ الرحمۃ :۔ (اس پر ہنسے اور فرمایا) "ٹھیک ہے اور میرے تو دل ہی نہیں، فکر کی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا"؟

قریشی صاحب :۔ "حضرت! ڈاکٹر صاحب کو بلایا ہے وہ آکر تفصیلی معائنہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ رات کیا ہوا تھا"۔

مولانا علیہ الرحمۃ :۔" آپ یہ اس لئے کہہ رہے ہوں گے کہ مجھے فکر نہ لگ جائے جہاں اور سب دورے پڑتے رہے، ایک دورہ یہ بھی پڑ گیا۔ یہ کوئی فکر کی بات نہیں۔ فکر کی بات تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا"؟

ہر طرف جماعتیں بھیج دو

اس کے بعد حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے رفقاء سے پوچھا کہ" کیا جماعتیں رخصت کر دی ہیں"؟ آپ کو بتایا گیا" ہاں تمام جماعتیں رخصت کر دی گئی ہیں"۔ مولانا علیہ الرحمۃ نے فرمایا" ہر طرف جماعتیں بھیج دو"! حضرت عمرؓ نے یہی فرمایا تھا۔

مولانا مفتی زین العابدین کے روزنامچہ کی عبارت یہ ہے :۔

" اس وقت حضرت مرحوم ہشاش بشاش تھے۔ نہ چہرے پر بیماری کے آثار تھے اور نہ آواز میں نقاہت تھی۔ میں نے عرض کیا حضرت چائے لائیں؟ فرمایا ہاں! چنانچہ چائے کی دو پیالیاں لیٹے لیٹے، ڈاکٹر صاحب کی ہدائت کے مطابق، چھوٹی چائے دانی سے پلائی گئیں۔ چائے کے بعد حضرت فرمانے لگے کیا پان کھلاؤ گے؟ میں نے عرض کیا ضرور کھلائیں گے۔ میں نے مولانا انعام الحسن صاحب سے پان مانگا انہوں نے فرمایا آج چھالیہ اور تمباکو معمول سے کم دینا اور دونوں چیزیں کم ڈالیں۔ قاری محمد رشید صاحب نے مجھ سے پان لیا کہ میں توڑ تاڑ کے منہ میں رکھوں گا۔ جب یہ پان لے کر حاضر ہوئے تو فرمایا، دکھلاؤ اور فرمایا تمباکو کم کرو، انہوں نے کم کیا پھر فرمایا اور کم کرو، تو اور کم کیا، اس کے بعد پان کھا لیا اور غالب خیال یہی ہے کہ یہ آخری پان تھا"۔

مولوی الیاس صاحب کا بیان بتوسط مفتی صاحب یوں پہنچا ہے کہ

اس کے بعد میں نے عرض کیا حضرت آرام فرمالیں، چلّہ بھر کی نیندیں جمع ہیں کچھ تلافی ہو جائے، اور ہم کھڑے ہو گئے۔ اس وقت قریشی صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا آج جانا بھی ہے، تو میں نے عرض کیا، حضرت انشاء اللہ جائیں گے اور اپنے گھر جانا

ہے، جب جی چاہے چلے جائیں گے۔ اس پر قاری محمد رشید صاحب سے پوچھا تیری کیا رائے ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ حضرت جانا ہے، مگر آج نہیں، تو فرمایا دونوں طرف والے پریشان ہوں گے (امداد سہارن پور اور دہلی تھی) قریشی صاحب نے عرض کی کہ حضرت فون سے اطلاع کر دیتے ہیں، فرمایا بہت اچھا (اور ہم دونوں جگہ صبح ہی تار سے اطلاع دے چکے تھے) اور احسان سے کہا، نیل لگا دو، وہ نیل لگانے لگے، ہم باہر چلے گئے۔ ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر اسلم کا فون آیا کہ کرنل صاحب ایک گھنٹہ تک آسکیں گے، مگر وہ تقریباً گیارہ بجے آئے اور آکر تفصیلی معائنہ کیا اور حضرت سے پوچھا، حضرت آپ کیا کھائیں گے؟ تو حضرت نے فرمایا جو آپ فرمائیں گے، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا، جی بہت خوش ہوا۔ یہ ہمارا کام ہے اور مریض اگر ہماری رائے پر چلے تو ہمیں علاج میں سہولت ہوتی ہے، اچھا یہ ہے کہ پیشاب بھی بیٹھے ہوئے کریں، ورنہ کوئی اٹھادے اور چارپائی پر پیشاب کیا جائے۔ کروٹ خود نہ لیں، یہاں تک کہ اگر چادر اوپر سرکانی ہو تو کوئی اور سرکائے، خود نہ ہلیں اور غذا کم کھائیں، مگر بار بار کھائیں تاکہ غذائیت پوری ہو اور معدہ پر بوجھ نہ ہو، جو کچھ کھانا ہے وہ ان ساتھیوں کو بتا دوں گا۔

ڈاکٹر صاحب باہر آگئے، باہر آکر انھوں نے ہمیں کھانے نہ کھانے کی چیزیں بتا دیں، اسی وقت قریشی صاحب نے پوچھا کہ حضرت، پر جانے کا بھی تقاضا ہے کب تک اندازہ ہے تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ پندرہ دن سے پہلے سفر میرے نزدیک مناسب نہیں ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب مکان سے باہر آگئے، میں نے عرض کیا کیا اندازہ ہے مرض اور صحت کے متعلق، تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا حملہ اتنا شدید تھا کہ اس سے بچ جانا میرے لکھے پڑھے میں نہیں ہے اور اس کی ریپئر بھی اتنی ہی عجیب ہے اور یہ ریپئر یونہی چلی تو انشاء اللہ پھر یہ دورہ کبھی نہ ہوگا، مگر تین دن انتہائی احتیاط کے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب روانہ ہوگئے، ہم اندر آگئے تو حضرت نے پوچھا کیا کہتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا الحمدللہ، بہت مطمئن ہیں اور توس، ہلکا سا مکھن، چائے زیادہ دودھ کی، کنو سنگترہ، کیلا، شوربہ، یخنی، سبزی وغیرہ کھانے کو بتلایا ہے۔ انڈا گوشت چند دن منع ہے۔ اس پر فرمایا چائے پلا دو، قریشی صاحب نے توس پر ہلکا سا مکھن لگا کر کھلایا چائے پلائی۔ اس کے بعد عرض کیا کہ حضرت آرام فرمائیں اور ہم اُٹھ کر چلے گئے۔

زکوٰۃ ادا کر دیجئے

اس حملہ کے ہونے کے معًا بعد، حضرت علیہ الرحمۃ نے مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا "امانی الاحبار" (مولانا مرحوم کی تصنیف) پر جو رقم لگی ہوئی ہے اس کی زکوٰۃ ادا کر دیجئے۔ مولانا انعام الحسن نے کہا حضرت بہت اچھا، ساتھ ہی کہا "حضرت میں آپ کے ساتھ رہا ہوں، معاف فرما دیجئے" آپ نے فرمایا "معاف کیا"۔

مرض کا آخری اور جان لیوا حملہ!

ناشتہ کے بعد حضرت مرحوم و مغفور آرام فرمانے لگے۔ نیند آگئی۔ ڈیڑھ بجے مفتی زین العابدین صاحب اندر تشریف لے گئے تو آپ آرام فرما رہے تھے۔ مفتی صاحب ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ صاحب کی رائے سننے کے بعد شدید تشویش محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے خطبۂ جمعہ سے پہلے احباب کو اس جانب متوجہ کیا کہ یہ علاج معالجہ تو ظاہری تدابیر ہیں، مومن کی حقیقی تدبیر تو زندگی بخشنے والے اور صحت عطا فرمانے والے رب سے دعا ہے، حضرت کی حالت تشویش سے خالی نہیں، خوب خوب دعائیں کی جائیں، جو وسیلہ دعا منظور کرانے کا ہے وہ اختیار کیا جائے۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن ذرائع کو قبولیتِ دعا کے لئے موثر فرمایا ہے وہ سب اختیار کئے جائیں صدقات کئے جائیں، روزے رکھے جائیں، رو رو کر دعائیں کی جائیں۔

اس تلقین کے بعد مفتی صاحب نے خطبۂ جمعہ شروع کیا، دوسرے خطبہ کے

آخر میں آواز آئی کہ مفتی صاحب اور قاضی (عبدالقادر) صاحب کو حضرت بلا رہے ہیں قاضی صاحب تو اٹھ کر چلے گئے۔ مفتی صاحب نے خطبہ ختم کیا اور نماز پڑھائی۔ ابھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ پھر آواز کہ مفتی صاحب جلدی آئیں۔ چنانچہ مفتی صاحب فوراً بھاگے، کمرے میں پہنچے تو حالت خطرناک تھی۔

مفتی صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب حضرت کو ہسپتال لے جانے پر مشورہ کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں حضرت نے ان حضرات کی جانب دیکھا اور قدرے بلند آواز سے کہا :۔

"لا الہ الا اللہ، الحمد للہ الذی انجز وعدہ' لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' اللہ اکبر' الحمد للہ الذی انجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ لاشی قبلہ ولا بعدہ لاشی قبلہ ولا بعد' لاشی قبلہ ولا بعدہ۔"

ہسپتال میں تو عورتیں ہوں گی

مفتی صاحب نے حضرت صاحب سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو آپ نے فرمایا، سانس ٹھیک نہیں آرہی' اس پر مفتی صاحب نے مولانا انعام الحسن صاحب سے کہا کہ حضرت اگر اس وقت آپ کو ہسپتال لے چلتے تو اچھا تھا۔ حضرت مرحوم نے اس پر فرمایا کہ وہاں تو عورتیں ہوں گی۔ مفتی صاحب نے جواب دیا کہ حضرت! وہاں عورتیں بالکل نہیں ہوں گی۔ ہمارے کمرے میں کوئی عورت نہیں آئے۔

حضرت مرحوم اس پر بھی مطمئن نہیں ہوئے اور منکرات و فواحش سے حقیقی نفرت سے بھرپور جذبے کے ساتھ فرمایا :۔

"کیا اس کا انتظام ہو جائے گا؟"

مفتی صاحب نے کہا کہ حضرت اس کا انتظام انشاء اللہ یقیناً ہو جائے گا۔

جب اللہ کے اس مخلص اور اطاعت شعار بندے کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کا کمرہ نرسوں سے پاک ہوگا اور وہ اس شدید مجبوری کے عالم میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس منکر سے محفوظ رہیں گے تو آپ ہسپتال تشریف لے جانے پر راضی ہو گئے اور فرمایا کہ لنگی کی جگہ پاجامہ پہنا دو، چنانچہ پاجامہ پہنا دیا گیا۔

ہم تو چلے

بعجلت تمام، اس داعی الی اللہ کو کار پر لٹا کر ہسپتال پہنچانے کے لئے لے چلے، مفتی صاحب ہسپتال میں انتظامات کی خاطر دوسری گاڑی میں روانہ ہو گئے۔ حضرت مرحوم کے ساتھ قریشی صاحب، مولوی الیاس صاحب اور چند دوسرے حضرات تھے۔

حضرت مرحوم پہلے تو صبح و شام کی مسنون دعائیں اونچی آواز سے پڑھتے رہے، پھر آواز دھیمی ہوئی، اور آخر کار صرف ہونٹ ہل رہے تھے، آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

اسی اثنا میں آپ نے دریافت فرمایا کہ "تمہارا ہسپتال کتنی دور ہے"؟ قریشی صاحب نے جواب دیا "حضرت! تقریباً دو فرلانگ"!

اس پر آپ نے فرمایا "اچھا پھر ہم تو چلے"۔ یہ آخری جملہ تھا، جو احباب نے سنا۔ اس کے بعد ہونٹ ہلتے رہے اور محسوس ہو رہا تھا کہ آپ دعائیں پڑھ رہے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

بطل جلیل اللہ کے حضور

محترم زین العابدین اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں۔ "ہسپتال پہنچنے پر میں نے دیکھا، منہ اور ناک سے ایک جھاگ سی نکلی ہوئی تھی۔ اور غور سے دیکھا تو ناک کے سانس سے جھاگ ہل رہی تھی۔ اس کے علاوہ چہرہ، آنکھ اور نبض پر آثار وفات ظاہر ہو چکے تھے

(اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!)

دُنیا بھر کو سفر کرانے والے نے آج چلتے چلتے جاں، جانِ آفریں کے

سپرد کر دی۔ اس وقت تین بجنے میں دس منٹ باقی تھے، چار بجے نعش مبارک کو لے کر واپس بلال پارک آئے۔ دفن کے متعلق مشورہ ہوا، طے پایا کہ حضرت شیخ سے پوچھا جائے۔ ساڑھے چار بجے سہارن پور بات ہوئی۔ صابری صاحب خود نہ تھے۔ ان کے آدمی کو پیغام دیا کہ حضرت شیخ سے عرض کریں۔ حضرت جی کا وقت موعود آچکا، دفن کہاں کیا جائے ؟ اور اس سے تاکیداً کہا کہ ہم ساڑھے پانچ بجے پوچھیں گے۔ تم جواب لے کر فون پر رہنا۔ چنانچہ ساڑھے پانچ بجے جواب ملا کہ نظام الدین لانا ہے، آپ کی سعی کا ہر مرحلہ اللہ نے آسان کیا اور ۱۲ ۱ بجے چارٹر جہاز نظام الدین روانہ ہوا اور زندگی بھر کے اس مسافر نے ایک سفر موت کے بعد بھی کر ڈالا، اور پوری دنیا کے انسان اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہوگئے۔ ہسپتال میں وفات کے وقت یہ دو جملے بار بار میرے ذہن وزبان پر آتے تھے :۔

"موت العالم۔ موت العالم" اور موتوا علی ما مات محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دلی سے آمدہ اطلاعات کے مطابق، حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہ کا جنازہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب متع اللہ المسلمین بطول حیاتہ نے پڑھا اور آپ کو بروز ہفتہ ۳۰ ذی القعدہ ۱۳۸۴ھ / ۳ اپریل ۱۹۶۵ء، ساڑھے نو بجے صبح، آپ کے جلیل القدر والد حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

برد اللہ مضجعہ ونور مرقدہ اللھم لاتحرمنا اجرہ لاتفتنا بعدہ

ایک ایسے داعی کا انتقال، جس کا پوری دنیا میں ثانی تلاش کرنا مشکل ہے۔
ایک ایسے مجاہد کا انتقال ہے جس نے ۲۰ سال میں سینکڑوں سال کا کام انجام دیا۔
ایک ایسے مبلغ کا انتقال ہے جس کی ہمت مردانہ سے دنیا کے دور دراز گوشوں میں دینی دعوت و اصلاح کا پیغام پہنچ گیا۔
ایک ایسے عالم کا انتقال ہے جس کی زندگی سرتاپا عمل تھی۔
ایک ایسے روحانی پیشوا کا انتقال ہے جو ہر دم میدان میں سرگرم کار رہا۔
ایک ایسے بندہ کا انتقال ہے جس نے اس چودھویں صدی میں قرن اول کے اسلام کا نمونہ پیش کیا۔
ایک ایسے امتی کا انتقال ہے، جس نے دنیا کو ایک بار پھر سنّت محمدی کی زندہ جھلکیاں دکھائیں۔
ایک ایسے انسان کا انتقال ہے، جس کی قوتِ کارکردگی کے سامنے سینکڑوں افراد کی اجتماعی کارکردگی ہیچ تھی۔
ایک ایسے صاحب دل کا انتقال ہے، جس کا دل سوز و تپش کی بھٹی تھا۔

اور

ایک ایسے معلم کا انتقال ہے، جس نے لاکھوں انسانوں کو علم دین سکھا دیا۔
آج حضرت جی کے غم میں ایک پورا عالم سوگوار ہے۔
آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

تیرے بغیر

: صادق بستوی امردوبھا :

○

حاصلِ تبلیغِ دیں تھی تری سعیِ متصل
اب جہاں کو راہِ حق پر کھینچ کر لائے گا کون

جب کبھی دیدار کو ترسیں گے دیوانے ترے
بن کے شمعِ انجمن دہلی سے اب آئے گا کون

تو نے للکارا تھا دنیا کو پئے حق آگہی
اب بھلا خونِ رگِ مسلم کو گرمائے گا کون

اپنی بدحالی پہ جو روتا رہا آٹھوں پہر
اس شکستہ دل کا آنسو پونچھنے آئے گا کون

بہرِ حق اب کون ہوگا آہ سرگرمِ سفر
لے کے پیغامِ عمل دنیا میں پھر جائے گا کون

کون نکلے گا خدا کی راہ میں دیوانہ وار
دیں کی خاطر ٹھوکریں در در کی اب کھائیگا کون

آسمانِ زھد و تقوی پیکر حسن و یقیں
اب ہمیں راز توکل آہ سمجھائے گا کون

آہ اے عشق خداوندی کے بحر بیکراں
روز و شب باچشم نم مولا کے گُن گائیگا کون

مرقدِ غم بن گیا سارا جہاں تیرے بغیر
مرکز تبلیغ میں اب نور برسائیگا کون

سـ ۱۳۸۴ ھ

○

تقاریر

قارئین کرام! آئندہ صفحات میں حضرت مولانا کی تقریریں پڑھیں گے۔
اصل اور صحیح تاثر تو ان لوگوں کو ہوتا تھا جو مولانا کی تقاریر ان کی زبانی سنتے
تھے کہ ان کے لب ولہجہ میں سوز درون اور قلبی کیفیات شامل ہوتی تھیں
تاہم دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
ان تقریروں سے حضرت مولانا کے احساسات اور درد و فکر کا سمجھنا
آسان ہو جاتا ہے۔ ہم نے ان کی چند آخری اہم تقریروں کو یکجا کر دیا ہے

اللہ بہت بڑا ہے

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف نور اللہ مرقدہ نے یہ تقریر دل پذیر اپنی وفات سے ایک ہفتہ قبل گوجرانوالہ میں نماز جمعہ سے قبل فرمائی تھی. گویا یہ آپ کی زندگی کا آخری جمعہ تھا۔ جس میں آپ نے تقریر فرمائی۔ اس سے اگلے جمعہ کو لاہور بلال پارک میں آپ کا وصال ہو گیا۔ اور آپ ہم سب کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے.

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

میرے بھائیو اور دوستو! انسان کو حق تعالیٰ شانہ نے تھوڑے دنوں کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہے اور محنت کی دولت دے کر بھیجا ہے اور اس لئے بھیجا ہے کہ اپنی محنت کو اپنے اوپر خرچ کر کے قیمتی بنا لے۔ اگر اس نے اپنی محنت کو اپنے اوپر خرچ کر کے اپنے کو قیمتی بنا لیا تو حق تعالیٰ شانہ، دنیا میں بھی رحمتوں کی بارش برسائیں گے۔ اور جب یہ مر جائے گا تو اس کی قیمت کے اعتبار سے جتنا اس نے اپنے قیمتی بننے میں محنت کی ہوگی اور جتنا اپنی ذات کو قیمتی بنا لیا ہوگا۔ اس کے اعتبار سے اسے جنت کے درجے عطا فرمائیں گے. ساتوں زمینوں آسمان سے دس گنے سے زیادہ سے لے کر لاکھوں اور کروڑوں گنا تک ایک انسان کو ملے گا۔ اس کی اپنی قیمت کے اعتبار سے اس کے اندر کیا قیمت ہے۔ اب میرے عزیز دوستو یہ جو انسان کی محنت ہے. یہ دو رخی ہے. اس محنت سے دو رخ پہ بنتا ہے، باہر چیزوں کی تشکیلیں بنتی ہیں۔ انسانوں کی محنت سے، سڑکوں کی شکل، موٹروں کی شکل، سواریوں کی شکل

غذاؤں کی شکل، حلوؤں کی شکل، کھانے پینے کی چیزوں کی شکل، سواریوں کی مکان کی شکل تو چیزوں کی شکلیں تو بنتی ہیں۔ انسان کے باہر اور یقین کی شکلیں بنتی ہیں انسان کے اندر نیت کی شکلیں بنتی ہیں۔ انسان کے اندر علم اور جہل کی شکلیں بنتی ہیں انسان کے اندر غفلت اور ذکر بنتا ہے۔ انسان کے اندر اخلاق اور بداخلاقی کا نور اور ظلمت بنتا ہے۔ انسان کے اندر تو انسان کی محنت سے۔ جس طرح باہر چیزوں کی شکلیں بنتی ہیں۔ اس طرح اندر میں ایمان کی، یقین کی اخلاق کی، محبت کی، عداوت کی شکلیں اندر میں بنتی ہیں۔ محنت کرتے کرتے کسی سے محبت کرنے والا بنتا ہے۔ کسی سے عداوت کرنے والا بنتا ہے۔ محنت کرتے کرتے کسی پر اعتماد کرنے والا بنتا ہے کسی پہ اعتماد نہ کرنے والا بنتا ہے۔ محنت کرتے کرتے کسی پر یقین کرنے والا بنتا ہے کسی پہ یقین نہ کرنے والا بنتا ہے۔ تو محنت سے چیزوں کی شکلیں تو بنیں گی باہر، اور یقین کی، نیت کی علم، دھیان کی، محبت کی، عداوت کی، اعتماد کی بھروسے کی یہ شکلیں انسان کے اندر بنیں گی۔ جو باہر بن رہی ہیں۔ شکلیں چاہے وہ وزیروں کے ہاتھ میں ہوں شکلیں چاہے وہ صدروں کے ہاتھ میں ہوں۔ شکلیں چاہے وہ گورنروں کے ہاتھ میں ہوں، چاہے وہ ان سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں شکلیں ہوں، چاہے وہ مزدوروں کے ہاتھوں میں شکلیں ہوں۔ شکلوں کو انسان ہر جگہ منتقل نہیں کرتا اور ان چیزوں کی شکلیں انسان کے ساتھ ہر جگہ منتقل نہیں ہوتیں، آپ لاہور جائیں گے تو آپ نے بیس، تیس چالیس، پچاس سال کی محنت سے جتنی دکان کی شکل بنائی ہے اور کوٹھی کی شکل بنائی ہے یا باغیچے کی شکل بنائی ہے یا عیش کی شکلیں بنائی ہیں وہ آپ کے ساتھ لاہور نہیں جائیں گی، کراچی نہیں جائیں گی، ملتان نہیں جائیں گی جو باہر کا بنا ہوا ہے وہ یہیں چھوڑ کے جاؤ گے۔ کچھ پیسے لے جاؤ گے۔ کچھ نقدی لے جاؤ گے۔ کچھ لے جاؤ گے اکثر باہر کا بنا ہوا چھوڑ جاؤ گے۔ سڑکیں یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ پل یہیں چھوڑ جاؤ گے اور جب اس ملک سے دوسرے ملک میں جاؤ گے تو نقدی بھی چھوڑ کے جانی پڑے گی، ساری نقدی بھی ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ جتنا پیسہ بنا ہوا

ہے، سب یہیں چھوڑ جاؤ گے۔ جتنا حکومت تمہیں اجازت دے گی، اتنا لے جاسکو گے، دوسرے ملک میں سارا بنا ہوا اس کی شکل میں نہیں لے جاسکو گے۔ اور پھر اس دنیا سے جب آپ آخرت کی طرف جائیں گے تو باہر کا جتنا بنا ہوا ہے وہ سو فیصد یہاں چھوڑ کے جانا پڑے گا بدن کے کپڑے تک چھوڑ کے جانے پڑیں گے، یہ عینک تک چھوڑ کے جانی پڑی گی۔ جس کے بغیر ہمارا گزارہ نہیں ہوتا، گھڑیاں چھوڑ کے جانی پڑیں گی، یہ جوتے چھوڑ کے جانے پڑیں گے، تو باہر کا جتنا بنا ہوا ہے تو یہ دنیا میں کسی نے کہیں ساتھ چھوڑا، کسی نے کہیں ساتھ چھوڑا آخری چیزیں جو ساتھ چھوڑیں گی وہ اس وقت چھوڑیں گی۔ جب یہ روح جسم سے نکل کر خدا کی طرف چلے گی۔ اس وقت جو کچھ تھا یہ دنیا کا باہر کا بنا ہوا۔ وہ سارا یہیں کا یہیں رہ جائے گا۔

لیکن میرے عزیز دوستو! جو انسان کے اندر بنتا ہے اسے چوبیس گھنٹے جہاں جاتا ہے۔ اپنے ساتھ لے کے جاتا ہے۔ پاخانوں میں جاؤ گے تو جو کچھ اندر کا بنا ہوا ساتھ لے کے جاؤ گے۔ دسترخوان پر بیٹھو گے تو جو کچھ اندر کا بنا ہوا ہے ساتھ لے کے بیٹھو گے۔ چارپائی پر سونے کے لئے جاؤ گے۔ چارپائی پر لیٹو گے تو اندر کا جو کچھ بنا ہوا ہے ساتھ لے کے لیٹو گے اگر لاہور جاؤ گے اندر کا بنا ہوا سارا لے کے جاؤ گے، کراچی جاؤ گے سارا لے کے جاؤ گے۔ دنیا کے کسی ملک میں جاؤ گے، اندر کا سارا لے کے جاؤ گے جو یقین اندر میں بنا ہوا ساتھ جائے گا۔ اور جو محبت اندر میں بنی ہوئی ساتھ جائے گی جو عبادت اندر میں بنی ہوئی ساتھ جائے گی جو علم اندر میں بنا ہوا ساتھ جائے گا۔ جو دھیان اندر میں بنا ہوا ساتھ جائے گا، جو اعتماد اور بھروسہ اندر میں بنا ہوا جائے گا۔ تو اندر کا بنا ہوا ہر وقت ساتھ چلتا ہے اور باہر کا بنا ہوا ہر وقت ساتھ نہیں چلتا، یہاں تک کہ جب دنیا سے آخرت کی طرف انسان منتقل ہوگا تو اندر کے بنے ہوئے کو سو فیصد ساتھ لے جائے گا۔ اب اگر وہ بنا جو قیمتی ہے تو یہ جہاں جاتا ہے۔ کامیاب ہوتا ہے اور اگر اندر میں وہ بنا جو بے قیمت ہے۔ تو جہاں جاتا ہے ناکام ہوتا ہے، وہ اخلاق

بنا جس میں عزت ملتی ہے وہ یقین بنا جس میں بلندی ملتی ہے، وہ محنت بنا جس پر پر انعامات ملتے ہیں، وہ اعتماد بنا جس پہ مدد کے دروازے کھلتے ہیں، وہ علم بنا جس علم پر خدا چمکاتا ہے، وہ دھیان بنا جس دھیان پر خدا کامیاب کرتا ہے تو اگر اندر میں وہ بنا جس کے بننے کے لئے خدا نے دنیا میں بھیجا۔ اور جس کے بننے کے لئے خدا نے محنت کی دولت عطا فرمائی تو محنت کر کے اندر میں اگر وہ بن گیا تو دنیا کے جس علاقے میں چاہے پھرے۔ جس ملک میں جائے اور جس سڑک پر چاہے نکل جائے اور جس سواری پہ چاہے سوار ہو جائے۔ چاہے گدھے پہ سوار ہو کے نکلے۔ چاہے موٹر پہ سوار ہو کے نکلے چاہے پیدل نکلے، چاہے سواری میں نکلے، چاہے جھونپڑوں پہ بیٹھے، چاہے کوٹھیوں میں بیٹھے، چاہے چٹنی روٹی کھاتا ہوا نکلے، لاکھوں کے کھانے کھاتا ہوا نکلے، اندر کا بنا ہوا اگر وہ ہے۔ جس پہ خدا کامیاب کیا کرتے ہیں اور جو قیمتی ہے تو پھر جس لائن کو نکلو گے جس شکل سے گزرو گے کامیاب ہو جاؤ گے اور اگر خدا نخواستہ وہ بن گیا، جو بے قیمت ہے وہ یقین بنا جس پر خدا پکڑ کرتے ہیں وہ محبت بنا جس پہ خدا مصیبتیں ڈالتے ہیں اور وہ اعتماد بنا جس پہ خدا زندگی بگاڑتے ہیں۔ اور وہ علم بنا جس کو خدا جہل قرار دیتے ہیں وہ دھیان بنا، جس کو اللہ غفلت کہتے ہیں۔ تو اگر اندر میں وہ بنا جس کے بننے پر خدا ناکام کیا کرتے ہیں تو دنیا میں انسان جہاں کو بھی نکلے گا۔ چاہے سواریوں پہ نکلے، چاہے کاروں میں، چاہے ہوائی جہازوں میں، ذلیل ہوگا۔ خوفزدہ ہوگا، غیر مطمئن ہوگا، پریشان حال ہوگا۔ دنیا میں چاہے جن شکلوں میں کوئی نکلے، کامیابی نصیب نہیں ہوگی۔ شکلیں بنی ہوئی مل جل گی۔ لیکن عزت نہیں ملے گی اور جب مرے گا تو اندر کا بنا خدا ہر ایک کو دکھائیں گے، کہ تیرے میں کیا بنا۔ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُورِ اندر کا بنا ہوا دکھائیں گے۔" صاحبزادے! یہ یقین بنا کے لائے ہو۔ یہ تو دوزخ والا یقین ہے، جنت میں نہیں لے جانا یہ، یہ محبت تو دوزخ میں لے جاتی ہے۔ یہ زینب کی محبت ہے۔ یہ تو دوزخ

میں لے جاتی ہے۔ یہ نہیں لے جاتی جنت میں۔ کہاں ہے وہ اللہ کی محبت وہ کون سے کونے میں رکھی ہے۔ لاؤ لاکر دکھاؤ۔ لاؤ وہ رسول اللہ کی محبت نکال کر دکھاؤ۔ وہ محبت جس پر آدمی دل و مال ماں باپ اولاد تک قربان کر دے۔ کہاں ہے وہ محبت؟ یہ دل میں رکھاؤ کہ محبت کی جگہ دل ہے۔ زبان محبت کی جگہ نہیں۔ زبان محبت کی جگہ ہے ہی نہیں۔ یہ جو زبان پر ہے۔ اس کو رسول اللہ کی محبت کا اظہار کہتے ہیں۔ اور اظہار کی جگہ زبان ہے۔ محبت کی جگہ زبان نہیں اظہار کی جگہ زبان ہے۔ ایمان کی جگہ زبان نہیں ہے زبان اظہار کی جگہ ہے۔ ایمان کو ظاہر کرتی ہے، یہ زبان ایمان کی جگہ نہیں ہے۔ ایمان کی جگہ تو دل ہے۔ محبت کی جگہ تو دل ہے۔ اعتماد کی جگہ تو دل ہے۔ زبان خائن رہتی ہے اور ایسی منافق ہے یہ زبان کہ جو دل میں ہو اسے بھی بول پڑے اور اس کے خلاف بھی بول پڑے کوئی آدمی آیا، اب آپ کو بہت غصہ آیا، کہ بے موقع آگیا۔ روٹی کھا کے سوتے ہیں تو بیگم کو بلا رکھا ہے۔ اس وقت اور بے موقع آگے بیٹھ گیا اور خوب طبیعت میں ناگواری ہے۔ اور زبان سے کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ کے آنے سے بڑی مسرت ہوئی۔ تو زبان نے وہ نہیں بولا جو دل میں ہے اس کے خلاف بولا۔ تو زبان وہ بھی بولتی ہے جو دل میں ہے اور زبان وہ بھی بولتی ہے جو دل میں نہیں ہے۔ انسان زبان سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ کل کو قیامت میں زبان سے وہی نکلے گا جو دل میں ہے اور زبان وہ بھی بولتی ہے۔ جو دل میں نہیں ہوگا وہ زبان پر نہیں آئیگا

اسی واسطے لکھا ہے علمائے محققین اور مفسرین حضرات نے کہ یہاں دنیا میں کوئی کتنا ہی قرآن حفظ کر لے اور سارا پڑھ لے اور ایسا یاد ہو کہ بے جھجکے، بے اٹکے سارا قرآن پڑھ جاوے۔ لیکن کل کو قیامت میں جب قرآن پڑھنے کا وقت آئے گا کہ پڑھ اور جنت کے درجوں پر چڑھ، پڑھتا چلا جا بڑھتا چلا جا، تو اس طرح فرمایا کہ جتنا قرآن پر عمل ہوگا زبان پر اتنا ہی آئے گا۔ عمل میں نہیں ہوگا تو قرآن پڑھا نہیں جائے گا۔ دنیا والی بات نہیں ہے۔ عمل کچھ اور قرآن پڑھ رہے ہیں۔ دل میں کچھ اور زبان پر بول رہے ہیں۔ وہاں تو جو

عمل ہوگا۔ وہ زبان بولے گی، جو یقین ہوگا وہ زبان بولے گی۔

اس لئے میرے عزیز دا اور دوستو! اللہ ربّ العزت نے محنت کی دولت عطا فرمائی اور مسجد کے اندر آواز لگوائی کہ دیکھو اپنے اپنے نقشوں سے نکل کر آؤ وقت تمہارے پاس موجود ہے، آنکھ کھل جائے گی تو وقت جاتا رہے گا۔ محنت کرنے کا اسوقت ہے اگر محنت کر لی تو تم اندر کی بنیادوں کو ٹھیک کر لو گے۔ اب اگر تم نے وقت پر محنت خرچ کی تو موت کے وقت یہ حرکت ختم ہو جائے گی۔ مرنے کے بعد یہ ختم ہو جائے گی۔ قرآن میں ہے وہ یوں کہیں گے کہ اللہ ہم نے دیکھ لیا۔ رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ۝ ترجمہ "اے رب دیکھ سن لیا (سب ہماری سمجھ میں آگیا۔ اب آپ دنیا میں واپس بھیجئے، ہم اچھے عمل کر کے آئیں گے۔"

تو گویا آخرت عمل کرنے کی جگہ نہیں، عمل کی جگہ نہیں ہے آخرت جیسے یہ ماں کا پیٹ یہ کمائی کی جگہ نہیں، کمانے کی جگہ دنیا ہے۔ ماں کا پیٹ ہے ہی نہیں کمانے، کھانے کی، حلوؤں کی جگہ اور گلاب جامن کی جگہ اور چائے پینے کی جگہ وہ ہے ہی نہیں۔ تو عمل پر محنت کا میدان یہ دنیا ہے اب اگر آدمی مرجائے گا تو آخرت میں عمل کا میدان نہیں رہے گا۔ محنت کا میدان ختم ہو جائے گا۔ آج جیسے بنیں گے ویسا درجہ قائم ہو جائے گا۔ خراب بن گئے تو دوزخ، اچھے بن گئے تو جنت۔ جس شکل کے اچھے بنے اس شکل کی جنت ملے گی۔ اب اس کے لئے مسجدیں بنیں اور آواز لگائی گئی کہ دیکھو یہ چیزیں تم نے اپنے میں پیدا کرنی ہیں۔ اگر تم اپنے کو قیمتی بنانا چاہتے ہو اگر کامیاب بنانا چاہتے ہو تو تمہیں اپنے اندر یہ چیزیں اتارنی ہیں۔ دل میں اتارو زبان سے جو بولو۔ اس کے خلاف مت کرو۔ اپنی اپنی زبانوں سے دھوکے مت کھاؤ۔ تمہارے دل میں ان چیزوں کو دیکھا جائے گا کہ تم میں یہ ہیں یا نہیں، سب سے پہلی بات! اللہ اکبر! زمین، آسمان ہوا پانی، آگ، پہاڑ جتنی چھوٹی بڑی شکلیں ہیں۔ ان سب سے اللہ بہت بڑے ہیں۔ وہ

ہوا جس کو خدا اگر مشرق سے مغرب تک ایک دن کے لئے تیز چلا دیں، یا آدھے دن کے لئے تو موسیٰ و عیسیٰ کے ہاتھوں جتنی ایجادات ہیں اور ان کے پیچھے چلنے والے جتنی شکلیں لئے بیٹھے ہیں۔ وہ روئے زمین سے آدھے دن میں صاف ہو جائیں اگر عاد جیسی ہوا چلا دیں سب فنا ہو جائیں۔ اللہ اس ہوا سے بہت بڑا ہے۔ تمہارے ہاتھوں کی شکلیں تو ہوا کے سامنے کچھ نہیں اور ہوا اللہ کے سامنے کچھ نہیں۔ یہ آگ اگر مشرق سے مغرب تک لگا دی جائے۔ جتنی اس میں شکلیں بنی ہوئی ہیں ایک دن کی تاب نہ لا سکیں اور یہ ساری راکھ ہو جائیں جل کر اور ساری خاک ہو جائیں۔ اگر مشرق سے مغرب تک پوری دنیا میں آگ لگا دے خدا، تمہارے ہاتھوں کا بنا ہوا اس آگ کے سامنے کچھ نہیں۔ جو خدا کی کائنات کے خزانوں میں آگ ہے۔ یہ ساری آگ اس آگ کے سامنے کچھ نہیں اللہ بہت بڑا ہے۔ یہ پوری زمین اگر اسے ہلا دیا جائے۔ اور جامنوں کی طرح جس طرح جامنوں کو نرم کرنے کے لئے برتن کو ہلاتے ہیں۔ اگر خدا چند منٹوں کے لئے اسے ہلا دیں تو تمہارے ہاتھوں سے جو کچھ بنا ہوا ہے، وہ سارا زمین کے اندر مل کر ختم ہو جائے گا۔ یہ زمین اور تمہارے ہاتھوں سے جو کچھ اس پر بنا ہوا ہے۔ اللہ کے سامنے کچھ بھی نہیں، اللہ بہت بڑا ہے۔ اگر یہ سارا کائناتی خزانوں میں جس قدر پانی ہے۔ اس کو پوری دنیا میں بھر دیا جائے طوفان نوح کی طرح تو یہ انسانوں کے ہاتھوں کا جس قدر بنا ہوا ہے ایک دن کی تاب نہیں لا سکتا، سارا ٹوٹ کے ختم ہو جائے گا۔ تمہارے ہاتھوں کا بنا ہوا پانی کے سامنے کچھ نہیں اور پانی خدا کے سامنے کچھ نہیں اللہ اکبر۔ اللہ بہت بڑا ہے، اللہ بہت بڑے ہیں، اللہ کی بڑائی کی تحقیق کرو، قرآن سے اللہ کی بڑائی کی تحقیق کرو، حدیثوں سے اللہ جیسے بڑے ہیں۔ ویسی بڑائی دل میں اتارو یقین ایسا پیدا کرو۔ جتنے وہ بڑے ہیں۔ جیسا وہ پیدا کرنے میں بڑے ہیں۔ جیسا وہ دینے میں بڑے ہیں، جیسا وہ پالنے میں بڑے ہیں۔ جیسا وہ حفاظت کرنے میں بڑے ہیں۔ جیسا وہ پکڑنے میں بڑے ہیں، جیسا وہ ذلیل کرنے میں بڑے ہیں، جیسا وہ بڑے ہیں

ان کی بڑائی کو تم خالی اللہ اکبر کہہ کر نہیں جانو گے۔ تم ان کی بڑائی کا قرآن سنو، بیٹھ کر ان کی بڑائی کی حدیثیں سنو بیٹھ کر۔ دو کی بڑائی دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ خداوند قدوس اپنی بڑائی کو اس وقت تک نہیں مانیں گے۔ جب تک کہ ان کے دل سے بڑائی نکل کر باہر نہیں آجاتی۔ خدائی کی بڑائی بول بول کر سن سن کر اپنے دلوں میں اتار لو۔ اور ملک ومال اور زمین و آسمان اور راکٹ واٹیمیات اور دنیا بھر کے کارخانے اور ملیں، اور دنیا بھر کا سونا اور چاندی اور دنیا بھر کا لوہا اور پیتل ان سب کی بڑائی دل سے نکال دو مرنے سے پہلے پہلے، اور مرنے سے پہلے پہلے دل میں خدا کی بڑائی اتار لو۔ اگر غیروں کی بڑائی کو لے کر مرے تو روسیاہ اٹھو گے اور وہ پٹائی ہوگی کہ الامان الحفیظ۔ ان کی بڑائی کو دل میں یوں جماؤ کہ جتنا کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یہ کچھ نہیں ہے۔ اللہ معبود ہے، اللہ مقصود ہے، اللہ مطلوب ہے، اللہ عزت دینے والے ہیں، اللہ غیروں کے بغیر جو جی میں آئے اپنی قدرت سے کر دیں اور غیروں سے خدا کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ غیروں سے نہ ہونے کو دل میں اتار لو۔ زمین سے آسمان، مشرق تا مغرب اپنی محنت کا یقین نکال کر۔ کہ ہماری محنت سے کچھ نہیں ہوگا، خدا کے بغیر، خدا سے تمہاری محنت کے بغیر سب کچھ ہوتا ہے۔ دنیا کی چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا خدا کے بغیر۔ اور خدا سے دنیا کی چیزوں کے بغیر سب کچھ ہوتا ہے۔ اللہ کو کسی اور کی ضرورت نہیں وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی قدرت کے ساتھ کرتا ہے۔ اور جتنی اس میں شکلیں ہم نے بنا رکھی ہیں۔ وہ ساری شکلیں خدا کی محتاج ہیں اس یقین کو دل میں بٹھا لو۔

اب ان دو اعتبار سے سارے انسان اندھے، جتنے انسان دنیا میں ہیں۔ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم، مالدار ہوں یا غریب ہوں۔ مولانا صاحب ہوں جو بھی ہوں، ان دو باتوں کے اعتبار سے اندھے ہیں، ایک انہیں خدا کی ذات ان کی بڑائی اپنے آپ نظر نہیں آتی۔ ایک انہیں غیر سے نہ ہونا اور خدا سے ہونا دکھائی نہیں دیتا۔ انسان خدا کی ذات کے

اعتبار سے اندھے ہیں۔ بڑائی کے اعتبار سے بھی اندھا اور خدا کی ذات کے ہونے کو دیکھنے کے اعتبار سے بھی اندھا، وہ بینا ہے ، زمینوں کو دیکھنے کے اعتبار سے ۔ پہاڑوں کے اعتبار سے لوہے نِکل کے اعتبار سے یہ بینا ہے تو مخلوقات کے اعتبار سے یہ نابینا ہے خالق کے اعتبار سے۔ ذات باری تعالیٰ کے اعتبار سے نابینا ہے یہ۔

اب اگر اللہ کی بڑائی دل میں اتارنی ہے اور اللہ سے اپنی زندگیوں کو بنوانا ہے تو ہمیں جب اللہ دکھائی نہیں دیتے تو اللہ کے اعتبار سے ہم استعمال خود کیسے ہو سکتے ہیں۔ جو چیز دکھائی دیتی ہے ، اس کے اعتبار سے ہم استعمال خود ہو جائیں گے۔ جو دکھائی دے گا وہ اپنے لئے طریقہ استعمال خود تجویز کرے گا، جو چیز دکھائی دے گی۔ وہ طریقہ استعمال خود تجویز کرلے گی۔ خود مال دکھائی دے رہا ہے۔ طریقہ استعمال آپ تجویز کرلیں گے۔ لیکن وہ خدا جو سب سے بڑا ہے اور اس کے علاوہ سب چھوٹے ہیں۔ اسی سے سب کچھ ہوتا ہے ۔ اس کے غیر سے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ اب وہ آپ کو دکھائی نہیں دے رہا۔ تو صاحب بتائیے! آپ اس کے اعتبار سے اس کی عظمت کے اعتبار سے اور اس سے فائدہ حاصل کرنے کے اعتبار سے آپ کیا طریقہ استعمال تجویز کرتے ہیں۔

اب کیا کرنا ہوگا؟ اندھے کے چلنے کی ترکیب یہ ہے کہ بینا کی آواز پر حرکت کرنے والا بن جائے۔ یہ ہے اندھے کی کامیابی کا راز۔ اگر اندھا، اندھے پن سے چل دے یا موٹر سے ٹکر کھا کر مرے گا یا کھمبے سے سر پھوٹے گا، یا سانپ کو ہاتھ لگا دے گا، وہ کاٹے گا، یا بھوکا مرے گا یا پیاسا مرے گا۔ یا تریاق کی جگہ زہر کھا جائے گا مر جائے گا۔ ٹٹولتا پھرے گا چیزیں کھانے کو ہیں۔ لیکن ادھر ادھر سے گزر جائے گا۔ ہاتھ لگا کر تو نابینا اپنی زندگی کے مسئلوں کا حل اپنی حالتوں کا حل نابینا اپنے اندھے پن سے نہیں کر سکتا، اسے بینا کی ضرورت ہے تو آواز لگائی جا رہی ہے کہ ساری دنیا کے انسان نابینا ہیں اور وہ جو بینا ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خدا نے انہیں آسمانوں پر بلایا۔ خدا نے اپنی ذات کو انہیں دکھایا۔ خدا نے اپنی جنت

دوزخ انہیں دکھلائی۔ خدا نے اچھے برے عملوں کا نفع نقصان انہیں دکھلایا۔ خدا نے سود پر زندگی کس طرح بگڑتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھ سے دکھایا .... بل کو بھوکا مارنے سے اور اسے باندھ کر رکھنے سے زندگی کس طرح بگڑتی ہے۔ آنکھ سے دکھلایا تو اللہ رب العزت نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بینا بنایا ہے۔ خدا کی ذات کو دیکھا خدا کی جنت دوزخ کو دیکھا۔ خدا کے بنائے ہوئے اچھے برے نقشوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا ان وجوہات کے اعتبار سے سارے انسان اندھے ہیں۔ اب یہ آواز لگائی جاتی ہے۔ کہ اگر زندگی بنانی ہے۔ کامیاب اور اندر بنیادیں کامیابی کی بنانی ہیں تو دو تین چیزیں محنت کرکے بناؤ خدا کی بڑائی کو دل میں اتار لو۔ خدا سے ہونا غیر سے نہ ہونا دل میں اتار لو۔ غیر کا چھوٹا ہونا اور خدا کا بڑا ہونا دل میں اتار لو۔ اور سب کا اندھا ہونا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بینا ہونا دل میں اتار لو اور اس کے بعد سب مشق کرو اس بات کی کہ بینا کی آواز پر استعمال ہونا آجاوے۔ پہلے طریقہ استعمال سیکھو۔ تجارت بعد میں کیجو۔ پہلے بینا کی آواز پر تجارت میں استعمال ہونا سیکھو۔ گھر کی زندگی بعد میں بنائیو پہلے بینا کی آواز پر گھر کی زندگی میں استعمال ہونا سیکھو۔ پیسے خرچ بعد میں کیجو، مکان بعد میں بنائیو، سارے کام بعد میں کیجو، پہلے تو بینا کی آواز پر حرکت کرنا سیکھو، ان کی آواز پر کھڑا ہونا، ان کی آواز پہ بیٹھنا۔ ان کی آواز پر بولنا، ان کی آواز پر سننا، ان کی آواز پر دیکھنا، جس طرح وہ کہے اس طرح جھک جاؤ جو بولنے کو کہے بولو، جہاں دیکھنے کو کہے دیکھو۔ کھڑے ہونے میں جہاں دیکھنے کو کہا وہاں دیکھو۔ بیٹھنے میں جہاں دیکھنے کو کہا ، وہاں دیکھو، یہاں تک کہ یہ دل میں یقین پیدا کرلو کہ میں تو اندھا ہوں۔ مجھے تو اپنی کامیابی کا راستہ دکھائی نہیں دیتا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے بینا بنایا ہے۔ وہ جس طرح کہہ گئے اس طرح اٹھنے بیٹھنے اس طرح چلنے پھرنے میں اس طرح دیکھنے سننے میں اسطرح لینے دینے میں اس طرح پکڑنے چھوڑنے میں میری کامیابی ہے اور یہ جو ملک ومال میں مجھے کامیابیاں دکھائی دے رہی ہیں یہ میرا اندھا پن ہے۔ مجھے

غلط دکھائی دے رہا ہے۔ ایک آدمی کمزور نگاہ کا باہر سے آرہا، وہ یوں کہے، میاں یہ مسجد ہل رہی ہے کیا؟ دوسرے کہیں یہ مسجد نہیں ہل رہی۔ آپ ہل رہے ہیں، کیوں بھئی یہ ایک کے دو کیسے نظر آرہے ہیں، ایک مینار کے دو مینار کیسے ہو گئے آج؟ لوگ کہیں دوسرا مینار نہیں بنوایا۔ آپ کی آنکھ میں خرابی ہے، آپ میں اندھاپن آگیا۔ اب یہ مسجد اس لئے بنی کہ اس کے حساب میں وقت نکالا جاوے۔ خالی اللہ اکبر چاہے تم ساری عمر کہو۔ اللہ کی بڑائی دل میں تب بیٹھے گی، جب اس کا قرآن سنو گے۔ سب سے پہلا قرآن اللہ اکبر کا آیا ہے، سب سے پہلا قرآن اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کا آیا ہے۔ سب سے پہلا قرآن محمد رسول اللہ کا آیا ہے۔ سب سے پہلا قرآن ان باتوں کا قرآن پہلے آیا ہے۔ پہلے محنت کر کر کے قرآن سن سن کر حدیثیں سن سن کر اللہ کی بڑائی کو جان جاؤ۔ ایک بڑائی وہ ہے، جس کو جانتے ہو، سب سے بڑا بیٹا، سب سے بڑا پتھر، سب سے بڑی کوٹھی، اس قسم کے اکبر بہت بولے جائیں دنیا میں اور اکبر کو دیکھ کے بول رہے ہو۔ دیکھ جان کے سمجھ کے بول رہے ہو۔ اور ایک اکبر کو دیکھے بغیر جانے بغیر سمجھے بول رہے ہو۔ جیسے بہت بڑا ڈاکٹر جس طرح کہے اس طرح کرلو بہت بڑا ڈاکٹر اس نے کہا کہ دیکھو فلانی چیز مت کھائیو۔ فلانی مت کھائیو۔ فلانی مت کھائیو، اور یہ کھائیو۔ یہ کھائیو، یہ کھائیو وہ مت پیجیو، یہ پیجیو اب سب کیونکہ بہت بڑے ڈاکٹر صاحب ہیں، انہوں نے یہ پرہیز بتلایا ہے۔ اس کہنے پر چل رہے ہیں اور اللہ کو بھی بہت بڑا کہہ رہا ہے۔ رات دن انہوں نے کہا کہ سود مت کھائیو نہیں تو مصیبت میں آجاؤ گے، جھوٹ بول کے مت کھائیو، رشوت سے مت کھائیو۔ کسی کا حق دبا کے مت کھائیو۔ وہ بھی اس کو بھی کہتے ہیں۔ اکبر، اور وہ بھی کہتا ہے کہ یہ کھا لوگے تو نقصان ہوگا۔ یہ کھا لو گے تو فائدہ ہوگا۔ لیکن مجال ہے کہ اس کے منع کئے ہوئے کو چھوڑ دیں اور اس کے بتلائے ہوئے کو پکڑ لیں، ہے کوئی دنیا میں۔ آج ہے کوئی مسلمان ایسا کرنے والا۔ بہت بڑا ڈاکٹر جانتا ہے۔ بہت بڑا وزیر جانتا ہے، بہت بڑا سائنسدان جانتا ہے۔ بہت بڑی بندوق جانتا ہے۔ یہ ہر ایک کی جنس

کی بہت بڑے کو جانتا ہے۔ لیکن خدا کو بہت بڑا کہتا ہے۔ اس کو بیوقوف جانتا ہی نہیں اس لئے کہ اس نے اس کی بڑائی کو دل میں اتارنے کے لئے کوئی محنت کی ہی نہیں۔ ان کی بڑائی پر محنت کی ہے، ان کے پاس گیا ہے، ان کے پاس اٹھا بیٹھا ہے۔ ان کی لائن کی کتابیں پڑھی ہیں، ان کی لائن کی چیزوں کو معلوم کیا ہے، لیکن اللہ کی لائن کی چیزوں پر کتنی محنت کی، یقین بنانے میں کتنے ہاتھ پیر مارے، ان کی بڑی کو دل میں اتارنے میں خدا کی معلومات کو معلوم کرنے میں کتنا وقت صرف کیا۔ کتنا اس کو زندگی میں بولا، کتنا اس کی بڑائی کو سمجھا، غیروں کی تردید اپنی زندگی میں کتنی کی، نبیوں کی زندگی اس طرح گزری کہ غیروں کی بڑائی کی تردید کرتے ہیں، ان کی تو زندگیاں گزری ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھی اس میں گزر گئی۔ لیکن یہاں اس چھوٹی زبان سے ایک لفظ تردید میں ان چیزوں کے لئے نہیں نکلتا کہ ان سے کچھ نہیں ہوتا، خدا سے سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ کچھ بھی نہیں اللہ سب کچھ ہیں تو ہماری زبانیں گونگی ہیں، اللہ اکبر کے اعتبار سے بولنے سے ہماری زبانیں گونگی ہیں لا الہ الا اللہ کے اعتبار سے بولنے سے ہمارے کان بہرے ہیں، اللہ اکبر کے اعتبار سے سننے سے اس لئے اندھے جو ہیں پورے بن چکے ہیں۔ یہ مسجد اس لئے بنی تھی اس مسجد کی ترتیب قائم کرو، یہ ساری چیزیں دل میں اتریں گی، جان کی محنت سے اس لئے اس بات کی دعوت دی گئی، دعوت جو میں کہہ رہا ہوں، خدا کی بڑائی کی دعوت، اللہ سے ہونے غیر سے نہ ہونے کی دعوت۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات پر ہونے کی دعوت کہ جو انہوں نے فرمایا اگر اس کو توڑیں گے ناکامی ہوگی، اگر اس کو کریں گے تو کامیابی ہوگی، اور اس کی دعوت دی جائے گی کہ ملک و مال کے نقشے سے کچھ نہیں ہوگا، یہ سب دھوکا ہے اور جب مر گئے تو دھوکا کھل جائے گا۔ اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ ایک زلزلہ آتا ہے، کسی علاقے میں، دھوکا کھل جاتا ہے، ساری چیزیں ٹوٹ کے گر پڑتی ہیں، کسی علاقے میں سیلاب آتا ہے۔ دھوکا کھل جاتا ہے، ساری چیزیں ٹوٹ کے گر پڑتی ہیں یہ

تو تمہارا دھوکا ہے کہ ان چیزوں کے اندر کامیابی ہے کامیابی اس میں نہیں ہے کامیابی اس میں ہے۔

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ہی کے طریقے پر نماز پڑھنا سیکھ لے اور کامیابی لے لے۔ پس اس میں ہے کامیابی، کسی کوٹھی میں نہیں، کسی مکان میں نہیں، کسی کارخانے میں نہیں کان کھول کر سن لے بعد میں جب آنکھ کھلے گی تو پچھتا دے گا۔ مرنے سے پہلے پہلے اس بات کو دل میں اتار لے کہ حضورؐ کے طریقے میں استعمال ہونے میں کامیابی ہے۔ اور ملک و مال کے جھنجھٹوں میں کوئی کامیابی نہیں، اس کو اپنے پہ کھول لے، مرنے سے پہلے پہلے تیرے دل پہ کھل جائے، کیونکہ تیرے مرتے ہی قبر میں جب جائے گا تو پہلا سوال یہ ہوگا کہ بتا تیرا پالنے والا کون ہے؟ اگر اس پر محنت کی تھی کہ دکان سے پلتا ہوں اپنی محنت سے پلتا ہوں، پیسے سے پلتا ہوں، تو قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا رب خدا ہے جو دل میں نہیں تو زبان پر کیسے آئے، چاہے تو کروڑ مرتبہ روزہ پڑھ لیا کر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اور دکان پر یقین جما ہے تو یہ یقین معتبر نہیں ہے، جس کو پالنے والا سمجھا کرتا ہے، اس کے خلاف کوئی نہیں کرتا، کوئی کرتا ہی نہیں، اس کے خلاف ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کو زبان سے کہا، جس کی ہمیں معلومات حاصل نہیں ہیں تو پہلا سوال ہوگا۔ تیرا رب کون ہے؟ دکان جاتی رہے گی، کھیتی جاتی رہے گی، ملک کا نقشہ ہاتھ سے لے لیا جائے گا۔ تو اگر اللہ اکبر تیرے دل میں بیٹھا ہوا نہیں ہے اور یہی ہے کہ میری محنت سے نقشے بنتے ہیں اور نقشوں سے میری زندگی بنتی ہے تو خدا کی قسم! یہ آدمی قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ میرے رب ہیں دوسرا سوال ہوگا، تیرا دین کیا ہے؟ پلنے کے لئے کیا کیا؟ آخر پلنے کے لئے کیا کیا، کوٹھیاں بنوائیں نقشے بنائے آخر کیا کیا، پلنے کے لئے کیا کیا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر یہ سب کچھ کیا تو یوں کہے گا۔ کہ پلنے کے لئے اسلام پہ چلا ہوں۔ اور اگر یہاں نقشوں ہی میں پلنا دکھائی دیتا رہا۔ تو کوئی آدمی قبر میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا پلنے کا طریقہ اسلام ہے۔ پھر یہ پوچھیں گے

کہ اس آدمی کو کیا کہنا ہے؛ جس نے کمانے میں یہ نہ کہا کہ جس طرح حضورؐ نے فرمایا اس طرح کماؤں گا اور شادی کرنے میں یہ نہ کہا، جس طرح حضورؐ نے شادی کو بتلایا اس طرح کروں گا۔ زندگی میں کہیں سرمایہ داروں کو بولتا، کہیں حاکموں کو بولتا تھا، کہیں یورپ کو بولتا تھا کہیں ایشیا کو بولتا تھا۔ کہیں نصاری کو بولتا تھا، کہیں یہود کو بولتا تھا، مکان ایسا بنائیں گے۔ کپڑے ایسے بنائیں گے۔ فلانی چیز ایسی بنائیں گے۔ حضورؐ کا نام زندگی کے کسی مرحلے میں آیا ہی نہیں، شادی کی تو غیروں کے نام پر، غیروں کے طریقے کیا ہیں، مکان بنایا تو غیروں کے نام پر۔ فلانی جیسی کوٹھی بنائیں گے۔ فلانی جیسی موٹر خریدیں گے، کہیں پھوٹی زبان سے زندگی کے شعبوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام نہ آیا۔ وہ کہیں گے کیا کہتا ہے اس آدمی کو؛ وہ کہے گا میں نہیں جانتا کس کو پوچھتے ہو؛ بھئی میرے تو بہت سے ہیں۔ کوئی کوٹھی میں میرا مقتدا ہے۔ کوئی کامیابی میں میرا مقتدا ہے۔ میں تو ہزاروں کے پیچھے چلا ہوں، ایک ہو تو بتاؤں، تم بتاؤ تم کون سے کو پوچھ ہو؛ میں تو سمجھا نہیں۔ ایک آواز آوے گی جھوٹا ہے کم بخت! اس کے لئے آگ کے بستر بچھا دو اور دوزخ کی کھڑکی کھول دو۔ اور آگ کے کپڑے پہنا دو۔ بس یہی تین سوال ہیں میرے عزیزو!

ان تین چیزوں کے لئے ان تین پر محنت کرنی پڑتی ہے: وہ یہ ہیں، خدا پالنے والا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر محنت کرنے سے خدا پالتا ہے۔ حضورؐ کا طریقہ یہ زبان پر چڑھ جائے۔ اور خدا پالنے والا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر محنت کر کے ہاتھ اٹھائیں گے، خدا پالے گا، بس پہلے نماز پر محنت کر لو، حضورؐ کے طریقے پر نماز پڑھنی سیکھ جاؤ، اس کی دعوت دو، اس کے علم کے حلقوں میں، فضائل کے مذاکروں میں، مسائل کے سیکھنے سکھانے میں دعاؤں میں، قرآن میں، ذکر میں، تلاوت میں اور نمازوں میں، یہی ہمارا گھر میں محنت کا میدان ہے۔ یہی ہمارا بازار کا نعرہ ہے، یہی ہمارا کوٹھیوں کا نعرہ ہے، یہی ہمارا حاکموں کے پاس جانے کا نعرہ ہے۔ کامیابی کے لئے نماز ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز بناؤ تو خدا کامیابی کے

دروازے کھولے گا۔ پانچ باتوں پر نماز لے آؤ، نماز مقبول ہو جائے گی۔ دروازے کھل جائیں گے۔ کلمے والے یقین پر کماؤ کلمے نماز کے فضائل والا شوق مسائل والے طریقے اخلاص والی نیت ہو جائے گی، اللہ والا دھیان ان پانچ چیزوں پر نماز آئے گی، نماز مقبول ہو جائے گی، انہی پانچ پر کمائی آئے گی۔ تو کمائی حضورؐ والے طریقے پر آجائے گی کلمے والے یقین پر کماؤ۔ تمہاری شکلوں سے پیسہ نہیں ملتا، خدا کے دینے سے ملتا ہے حضورؐ کے طریقے پر آجاوے گی۔ کلمے والے یقین پر کماؤ، تمہاری شکلوں سے نہیں پیسہ ملتا۔ خدا کے دینے سے ملتا ہے۔ حضورؐ کے طریقے پر کماؤ گے، خدا تمہیں بہت کچھ دے گا۔ دنیا میں بہت دے گا۔ آخرت میں فضائل کے شوق پر، مسائل کے طریقوں پر، اللہ کے دھیان پر اور اخلاص والی نیت پر جب کمائی آئے گی۔ ان پر، تو تمہاری یہ کمائیاں تمہیں جنت میں پہنچائیں گی۔ گھر کی زندگی ان پانچ پر آئے گی تو گھر کی زندگی تمہیں جنت پہنچائے گی۔ اگر تمہاری معاشرت اور آپس کے میل جول ان پانچ پر آئیں گے تو تمہیں جنت میں پہونچائیں گی، یہ پانچ چیزیں اپنے میں پیدا کرنا، اور ان کے لئے وقت لگانا اور اس کی محنت کا میدان قائم کرنا، اس کی دعوت دینا۔ اس کا ماحول بنانا، اس کے لئے پھرنا اور پھرانا، اس کے لئے مسجدوں میں اکٹھا کرنا اور ہونا بس ایک چیز ہے کہ جو اپنا حصہ اس محنت میں ڈالے گا، اللہ کی ذات سے توقع ہے کہ خدا کی بڑائی اس کے بولنے میں آئے گی، سننے میں آئے گی، تعلیم کے حلقے چل جائیں گے، کلمے نماز کے فضائل کھل جائیں گے۔ کلمے نماز کی ترتیب حضورؐ نے اپنے زمانے میں مسجد میں جو چلائی تھی۔ اگر ہم اپنی مسجدوں میں بیٹھ کر ان چیزوں کو چلانے لگیں گے اور نماز کے باہر جس قدر ہمارے شعبے ہیں وہ بھی حضورؐ کے طریقے پر آئیں گے۔ حضورؐ کے طریقے پر نہ آئے تو حکومت میں بھی دوزخ میں جائیں گے۔ اگر آپ حضورؐ کے طریقے پر چلے تو مالداری میں بھی جنت میں جائیں گے۔ اگر حضورؐ کے طریقے پر نہ چلے تو فقیری میں بھی دوزخ میں جائیں گے۔ اصل

ہیں کامیابی کی جو گارنٹی ہے۔ وہ تو حضورؐ کے طریقوں میں ہے۔ مسجد میں ماحول بنالو، حضورؐ کے طریقوں کے سیکھنے سکھانے کا اور اس کے اندر کامیابی کے یقین بنانے میں۔ مسجد میں ماحول بنالو پھر اپنے اپنے شعبوں کو آہستہ آہستہ اس یقین پر لاؤ جتنا اللہ شرح صدر نصیب فرماتے رہیں اور جتنا نماز اور دعاؤں کے ساتھ یقین بڑھتا رہے اتنا ہی اپنے باہر کے شعبوں کو بھی حضورؐ کے طریقے پر لاتے رہو۔ ایک دم سارے طریقے نہیں بدلا کرتے۔ ہاں البتہ محنت ایک دم شروع ہو جایا کرتی ہے۔ آدمی محنت ایک دم شروع کر دیتا ہے کھیتی کی محنت ایک دم شروع کر دیتا ہے۔ لیکن کھیتی ہوتے ہوتے ہوتی ہے ماکوٹھی بنتے بنتے بنتی ہے۔ بس محنت شروع کر دی جائے۔ اسی تبلیغ میں تھوڑی سی تربیت اپنی محنت کی کرنی ہے۔ کلمے نماز کا مسجد میں ماحول بنانے کی محنت، ایک دفعہ ہمت کر کے تین چلے دے دو۔ سال کا چلہ دیتے رہو، مہینے میں تین دن کے لئے نکلتے رہو، ہفتے کی دو گشتیں کرتے رہو۔ اپنی مسجد میں تعلیم، تسبیح اور نفلوں کا اور ایمان کی دعوت کا ایک ماحول بنالو، بس اگر اتنا کر لیا سارے مسلمانوں نے مل کر تو حضورؐ کے زمانے کا دین زندہ ہو جائے گا اور ایک بات خوب سمجھ لو، کہ جب ایک دفعہ آنکھ بند ہو گئی تو آنکھ بند نہیں ہوگی، خواب والی بند ہو گئی۔ جاگنے والی کھل گئی، یہ جو تمہاری نظروں کے سامنے ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، جب آنکھ کھلے گی، پھر کیا ہوگا۔ تمہارے سامنے یہ ہے اصل، آنکھ کھل جائے گی، اس وقت پچھتا دے گا۔ اگر اپنی زندگی کے شعبوں میں حضورؐ کے طریقے چل رہے ہیں تو چلو مبارک ہو اور اگر حضورؐ کے طریقے زندگی کے شعبوں میں ٹوٹے ہوئے ہیں تو کمائیاں حرام ہیں، جب اس پہ پکڑیں گے تو پھر رونا پڑے گا۔ اس وقت پتہ چلے گا اور بھائی آؤ اب گھر کی زندگی کی طرف، اگر گھر کی زندگی میں حضورؐ کے طریقے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ تو اگر ایک بھی حرام کا لقمہ کھلایا، بیوی کو یا اولاد کو تو اس پر پکڑیں گے کہ یہ کیوں کھلایا، اور یہ سوّر کی طرح ہے، سوّر پکا پکا کے کھلائیں اپنے بچوں کو، اپنے بیوی بچوں کو سوّر پکا پکا کے

کھلا رہے ہو۔ اور سود جو ہے، وہ سوٴر سے زیادہ سخت ہے۔ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ جو بھی شریعت کے خلاف کمانا ہوگا، وہ سوٴد کے حکم میں ہے اور سوٴد سوٴر سے زیادہ سخت ہے تو اگر آپ کی گھر والی زندگی سود والے پیسے پر چل رہی ہے اور آپ کی کمائی حضورؐ کے طریقے سے ہٹ کر چل رہی ہے تو میاں پھر ایک منٹ کی گنجائش نہیں۔ تاخیر کی کہ اس سے توبہ کی جائے۔ ایک منٹ کی گنجائش نہیں تاخیر کی، پھر تو باہر نکلو، یقینوں کو ٹھیک کرو۔ اور اپنی کمائی کو اپنے گھر کو حضورؐ کے طریقے پر لانا سیکھو۔ اپنی کمائی کو حضورؐ کے طریقے پر کیسے لاویں۔ یہود کے طریقوں کو تو ہم لے آئے نصاریٰ کے طریقوں کو تو ہم لے آئے مشرکین کے طریقوں کو تو ہم لے آئے اپنی جان و مال کے خرچ کو ان کے طریقوں پر تو آئے جنہوں نے ہمیں ذبح کیا، ہمارے ٹکڑے کئے اور چودہ سو برس تک ہمیں پیسا ہے۔ اور اب بھی پیس رہے ہیں۔ ان کے طریقوں پر تو ہم اپنا سب کچھ لے آئے ہیں۔ بچے انہی کے اچھے لگتے ہیں۔ حضورؐ کے اور آپ کے صحابہؓ کے بچے اچھے نہیں لگتے۔ لباس نصاریٰ کا اچھا لگتا ہے۔ حضورؐ کا اور ان کے صحابہؓ کا لباس اچھا نہیں لگتا، مکان نصاریٰ کے اچھے لگتے ہیں مکان حضورؐ اور صحابہؓ کے اچھے نہیں لگتے تو زندگیوں کو یہود اور نصاریٰ تک تو پہنچا دیا ہم نے۔ اب اس تشکیل کو سیکھو کہ کس طرح یہود اور نصاریٰ کے طریقوں سے ہٹ کر حضورؐ اور انکے صحابہؓ کے طریقوں پر آجاویں۔ اب تو حالت یہ ہے کہ بیوی بچے، مکان، کاروبار اس کے اندر ان کے سامنے یہود ہیں، نصاریٰ ہیں۔ یہ ان کو دیکھ دیکھ کے چل رہے ہیں۔ ایک دفعہ بھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے کہ حضورؐ کا مکان کیسا تھا، جب یہ کپڑا بناتے ہیں، ایک دن یہ تصور میں نہیں آتا کہ اپنے بچوں کے کپڑے ایسے بناؤ جیسے حضورؐ کے تھے۔ شادی کرتے ہیں، کبھی تصور میں نہیں آتا۔ حضورؐ نے دس بیاہ کئے۔ جس طرح حضورؐ نے کیا ہم بھی کرلیں تو آپ تو حضورؐ کو امام بنائیں گے ہی نہیں، آج امام بنا رکھا ہے، یہود کو اس اندھے یہود کو جس نے ہمیں ذبح کیا، چودہ سو برس تک وہ امام بن چکے ہیں زندگی میں، تھوڑے سے

نمازی! کچھ پڑھ رہے، کچھ نہیں پڑھ رہے۔ تو نمازیوں نے بھی مقتدا بنایا یہود کو اور ان بے نمازیوں نے بھی اپنا مقتدا اور امام بنایا نصاریٰ کو۔

ذوق ابراہیمی نہیں ہے، ذوق آزری ہے۔ ذوق موسوی نہیں ہے۔ ذوق فرعونی ہے۔ ذوق محمدی نہیں، ذوق قارونی ہے، تو بھئی اگر یہی اچھا لگتا ہے تو مبارک ہے۔ چلئے آپ مرنے کے بعد دیکھئے گا۔ کیا ہوگا۔ اگر یہی اچھا لگتا ہے، اور چلانا اسے ہی ہے جیسے اب چلا رہے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے تو تین چلے کیا ہم ایک دن بھی نہیں چاہتے۔ کسی سے ایک دن بھی نہیں اور میاں اگر اس سے مڑنا چاہیے۔ ہمیں ہم بڑے غلط پھنس گئے اور زندگی میں ہم نے اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں پر کلہاڑیاں ماری ہیں۔ یہ سب ہم نے خود کیا ہے اور دنیا کے اندر جو ہم مصیبتوں کا شکار اپنے ہاتھوں سے ہوئے ہیں۔ اب ہم کیسے زندگی کے رخ کو پھیریں تو سب سے پہلے اپنے میں مجاہدے کی عادت ڈالئے، پہلے علم سیکھیئے۔ دعوت دینا سیکھیئے۔ تعلیم کے حلقوں میں بیٹھنا سیکھیئے تو کم سے کم مسجد والی زندگی کی مشق کیجئے۔ پھر آؤ اور اسے محلے میں چلاؤ، خاندان میں چلاؤ۔ رشتے داروں میں چلاؤ، نیت میں رکھو، سب سے منہ موڑنا ہے۔ ان کو سکھتے سکھتے، پھر کسی کے جی کو لگ گئی تو خاندان بن گیا۔ خاندان بن جائے گا سارا اگر کسی ایک کے بھی جی کو لگ گئی۔ ایک ایک نقشہ بدترہے آج عورتیں کہاں تک پہنچ گئیں، عورتیں یہاں تک پہنچ گئیں کہ کتوں سے زنا کرائیں گی، یورپ کی عیسائی عورتیں کراتی ہیں۔ کتوں سے زنا۔ اگر یورپ ہی امام بنا رہا تو آدمی اپنی ماؤں سے زنا کرے گا، اپنی بیٹیوں سے زنا کرے گا، یہ زنا کے امام ہیں۔ وہاں تک پہنچو گے، جہاں یہ پہنچے ہیں۔ اُف اُف! یہ خون کی ندیاں بہانے کے امام ہیں، تم بھی وہیں تک پہنچو گے، لیٹرے بنو گے شریف انسان نہیں بن سکتے، شریف کے پیچھے چلو گے شریف بنو گے اور کمینوں کے پیچھے چلو گے تو کمینے بنو گے۔ شریفوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وہ جن کے ساتھ شرافتیں جمع ہیں، ساری شرافتیں، سارے کمالات، ساری خوبیاں ان میں جمع ہیں، ان کے پیچھے چلو

اس کے لئے چاہیئے وقت، ذوق کی تبدیلی کے لئے چاہیئے وقت اور جتنا اس کے لئے محنت کروگے، ذوق بدلے گا۔ ہم کماتے رہیں، کماتے رہیں۔ ایک دم حضورؐ کا ذوق آجائے یہ ناممکن ہے۔ ہم مکان بناتے ہیں۔ کوٹھیاں بناتے ہیں، بلڈنگیں بناتے ہیں۔ بیاہ شادیاں کرتے ہیں شاندار چیزیں خریدتے ہیں۔ اور جو پیسہ ہاتھ میں آوے وہ ھلے مِنَّی مسلمید وہ سارا انہی میں لگاتے رہیں اور اس کے لئے نہ مال لگے نہ جان تو خدا کی قسم یہود اور نصاریٰ کی طرف زیادہ قریب ہوجاؤگے اور حضورؐ سے دور ہوجاؤگے۔ اور خون چوسنے والوں کے اور قریب ہوجاؤگے۔ جس نے (یعنی حضورؐ نے) ہماری حفاظت کے لئے خون دیا تھا۔ اس سے دور ہوجاؤگے اور جو اپنی حفاظت کے لئے ہمارا خون کرتا ہے اس کے اور قریب ہوجاؤگے تو گویا خون دینے والے سے دور ہوئے اور خون لینے والے سے قریب ہوئے۔ حالانکہ حضورؐ سے قریب ہونے میں ہمارا فائدہ ہے۔ اور حضورؐ سے دور ہونے میں ہمارا نقصان ہے، اس لئے کہیں ہیں کہ اس ماحول کو بدلو۔ یہ ماحول نہایت زہریلا ہے اس کی تو ہر چیز غلط اس کی ایک چیز بھی صحیح ہو تو کہیں کہ کچھ صحیح ہے۔ مجھے بتادو کہ اس کی کون سی چیز صحیح ہے۔ اب ایک بات ہماری مان لو۔ سو ڈیڑھ سو دو سو روپیہ ساتھ لے کے ہمارے ساتھ لاہور چلو تین دن تو سنتے رہو، پھر جتنا وقت خدا تمہارے دل میں ڈال دے اتنا دے دیجیو، پیسے لے کے تین دن کے لئے چلو اور یہ نیت کرکے چلو کہ اللہ میرے جی میں ڈالدے اور یوں دعا کرو کہ اللہ تو اس کو میرے جی میں ڈال دے۔ اگر جی میں نہ آوے تو واپس چلے آئیو۔ اور اگر اللہ جی میں ڈال دے تو جتنا وقت اللہ جی میں ڈالدے اتنا دے آئیو۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اپنے طریقوں کو نبیوں کے طریقوں سے بدلو

مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۶۴ء مطابق ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۸۴ء

اجتماع باب ابراھیم حرم شریف مکہ مکرمہ

وقت عربی ۲ بجے دن، ہندوستانی ۱۰ بجے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ط

حمد وثنا کے بعد۔

برادران اسلام ساری دنیا کے حالات پر نظر ڈالیں تو حالات کی خرابی کے سائے نظر آتے ہیں، حاکم ومحکوم کے حالات خراب، مالک ومزدور کے حالات خراب، زمیندار ومضارع کے حالات خراب، تاجر وآجر کے حالات خراب، امیر وغریب کے حالات خراب نظر آتے ہیں۔ دُنیا والوں نے محنت کے طریقے بدل لئے ہیں۔ ملک ومال والوں نے طریقے بدل لئے، سامان وجائیداد والوں نے طریقے بدل لئے، علموں اور ہل والوں نے طریقے بدل لئے۔ چونکہ یہ طریقے ان کے من گھڑت طریقے ہیں۔ خدا کے بتائے ہوئے، انبیاء کے اپنائے ہوئے طریقے نہیں ہیں، اس لئے نتیجہ میں جگہ جگہ، قدم قدم پر خرابی ہی خرابی نظر آتی ہے، اللہ پاک کے طریقے اور ہیں، یعنی انبیاء کے طریقے اور ہیں۔ اللہ پاک کے احکام میں انبیاء معترض نہیں ہوتے، بلکہ اللہ کا حکم ہوتا ہے اور نبی کا عمل۔ اللہ اور نبی میں نزاع نہیں ہوتا، ملک ومال والوں کا نزاع ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے انبیاء کی محنت کا انکار کیا، اللہ نے ان کو بگاڑ دیا۔ اللہ تو نبیوں کو لوگوں کے حالات درست کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ لوگوں نے نبیوں کے اعمال کو اپنا لیا، فلاح پاگئے۔ اگر نبیوں کے اعمال سے اپنے اعمال ٹکرا دیئے،

چُور چُور ہوگئے، چونکہ نبیوں والا نقشہ، نبیوں والا عمل زندگیوں میں موجود نہیں رہا، اسی لئے زندگیاں بگڑ رہی ہیں۔ اگر دین پر محنت نہیں ہوگی، دلوں کی درستی نہیں ہوگی۔ دل درست نہیں تو کوئی چیز بھی درست نہیں ہوگی۔ اگر نبیوں والے طریقوں پر محنت ہوگی، تو حالات ٹھیک ہوں گے۔

حالات حالات کی بنیاد، ملک و مال، زروزمین، راکٹ وغیرہ پر نہیں ہے، بلکہ حالات کی بنیاد اعمال ہیں۔ انبیاء، صحابہ اور علماء کے اعمال حالات سنوارنے والے بنیں گے۔ حالات ملک و مال، سونا چاندی کی بدولت ٹھیک نہیں ہوں گے۔ جو یہ سمجھتا ہے دھوکے میں ہے۔ حقیقت یہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حالات کو اعمال کے ذریعے جوڑا ہے ——— جیسے عمل کرے گا، حالات مرتب ہوں گے۔

یقین اگر یقین قرآن و حدیث کے مطابق ہے، اعمال نبیوں والے ہوں گے، حالات ٹھیک ہوں گے، حالات کا تعلق اعمال سے ہے۔ اگر یقینوں کو ٹھیک کرنا ہے تو انبیاء کے طریقوں پر چلیں، غلط یقین نکال کر صحیح یقین اپنائیں۔

محنت غلط یقین کو نکالنے اور صحیح یقین اپنانے کے لئے محنت کی ضرورت ہے اپنی اپنی بساط کے مطابق محنت کریں۔ انبیاء کرام نے سب سے زیادہ محنت کی۔ اگر ان جیسی محنت ہوگی، یقین درست ہو جائے گا۔ اگر تیرا یقین، سازوسامان، فوج و ہتھیار، جہاز و سالار سے ہٹ کر اللہ کی ذات پر آجائے تو کامیابی ہے۔ اللہ اپنی قدرت سے سب کچھ کرتے ہیں، اپنی قدرت سے خوف کو امن سے بدل دیں گے۔ خدا کی قدرت پر یقین آجائے، آمَنتُ باللہ کو اپنا لیا تو اللہ کا ہوگیا، تو وہ تیرا ہوگیا تو تُو نے سب کچھ پالیا۔ اللہ سامان کے محتاج نہیں، وہ جو کچھ کرتے ہیں، اپنی قدرت سے کرتے ہیں۔ وہ ارادہ کرتے ہیں اور ہو جاتا ہے، وہ انسان کو بغیر انسان کے پیدا کر دیتے ہیں۔ زمین کے بغیر غلہ اگایا۔ حضرت سلیمان کے لئے تمام ہوائیں، پرند و چرند کو تابع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ جو

چاہتے ہیں کرتے ہیں، ان کے احکام میں، ان کے کام میں، ان کے نام میں، ان کی ذات میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اس کعبہ کو تعمیر کر کے دعا مانگی، اے اللہ ساری دُنیا کے لوگ تیرے اس گھر کی زیارت کو آیا کریں۔ دعا قبول ہوئی۔ ساری دنیا کے لوگ اللہ کے اس گھر کی زیارت اور حج کے لئے آتے ہیں۔ اس گھر سے خدا کی قدرت کے آثار زیادہ نظر آتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو ایسی جگہ چھوڑا تھا، جہاں زندگی کی کوئی رمق نہ تھی۔ نہ درخت، نہ پانی، نہ کھیتی، نہ مکان، نہ سایہ، نہ انسان، نہ چرند، نہ پرند، غرضیکہ ہر وقت موت کی سی خاموشی تھی۔ انسانی عقل اس عمل پر آج تک دنگ ہے کہ یہ انوکھی بات حضرت ابراہیمؑ نے کیسے قبول کر لی؟ وہ پیغمبر تھے، وہ خدا کے احکام کو اپنی عقل کی کسوٹی پر نہ پرکھتے تھے۔ خدائے پاک نے حکم دیا، انہوں نے تعمیل میں سر جھکا دیا۔ بیٹے کو اللہ کا حکم سنایا، اس نے گردن جھکا دی۔ یہ ان مقدس ہستیوں کے انعام کا صلہ ہے کہ یہ شہر، یہ جنگل میں منگل، یہ زمزم، یہ زر و جواہر، یہ پاکباز لوگ یہاں نظر آتے ہیں۔ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے انعامات حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ کے احکام کے سامنے ایسی جھکنے کی خُو پیدا کرو، جیسی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہم السلام میں تھی۔

اس سال پاکستان سے چھبیس ہزار حاجی بذریعہ قرعہ آئے اور پندرہ ہزار بذریعہ پاسپورٹ آئے، کون لے آیا؟ قادر مطلق لے آیا۔ قدرت والے ہیں، ہر کام کر سکتے ہیں۔ بغیر نقشوں کے کر سکتے ہیں۔ اے یہاں آنے والے! تجھے تیرا روپیہ یہاں نہیں لایا، بلکہ تیرا اللہ لایا ہے، تو اپنے یقین کو درست کر۔ اگر تو خود یہاں آیا یا اپنے روپے کے سہارے سے یہاں آیا ہے تو وہ شخص تجھ سے زیادہ بہتر ہے، جس کو روپے پر ذرا بھی بھروسہ نہ تھا، بلکہ صرف اللہ پر بھروسہ تھا۔ اس کا یقین تیرے یقین سے بہتر ہے، اس کا ایمان تیرے ایمان سے بہتر ہے۔ اللہ کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ زندگی موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ تیرا

دل کہتا ہے کام کیسے چلے گا، پیسے نہیں ہوں گے تو کام کیسے چلے گا، تیرے ہاتھ میں پیدائش کے وقت کیا تھا۔ دودھ کیسے ملا۔ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو صرف پانی سے پالنے والا کون تھا۔ تو اپنے دل وزبان میں یقین پیدا کر، سارے یقینوں کی جڑ اللہ پاک کی ذات پر یقین قائم کرنا ہے۔ پھر اعمال کا سلسلہ اسی بنیاد پر قائم کرنا۔

اعمال

اس طرح یقین کی جڑ لگ جانے پر انسان کے اندر اعمال آجاتے ہیں اور جیسے بارش ہونے سے زمین میں نباتات اگتی ہے، اسی طرح یقین کے ساتھ عمل۔ اگر اعمال درست ہوں گے تو حالات درست ہو جائیں گے۔

بیت اللہ شریف

بازاری مظاہرے، عیش کے سامان، دنیا کی چیزیں، ظاہری نقشے مکہ میں یورپ کے سامان ہیں۔ لوگ مکہ میں یورپ کے سامان کو دیکھنے نہیں آتے بلکہ مکہ کے یقین کو، اللہ پر یقین کے نظارے کو دیکھنے آتے ہیں۔ آج کے مکہ کو دیکھے گا تو یقین نہیں بنے گا، جو نبی والا مکہ دیکھے گا، نبی والا نقشہ لے کر جائے گا۔

اللہ نے پانی بنایا، پھر مکہ سے زمین پھیلائی، پہاڑ کھڑے کئے، پہاڑوں اور زمینوں میں بڑی دولتیں چھپا دیں۔ جب تک وہ چاہیں گے، نظام زمین و آسمان چلائیں گے جب چاہیں گے زمینوں اور آسمانوں کو لپیٹ دیں گے اور اس نظام کو توڑ پھوڑ دیں گے۔

بیت اللہ شریف سے ثابت ہوتا ہے، عورت سے، مرد سے انسان نہیں بنتا، قدرت سے انسان بنتا ہے۔ قدرت سے مکان، آسمان، شکلوں سے شکلیں، چیزوں سے چیزیں، آٹا خود نہیں بنتا، پیسنے والا پیستا ہے، گوندھنے والا گوندھتا ہے، پھر روٹی پکتی ہے۔ اللہ نے اپنی ذات کے سوائے سب کو بنایا ہے۔ اے انسان تو بنا ہوا ہے، تو بنانے والا نہیں ہے۔ زمین و آسمان، حیوان و انسان سب مخلوق ہیں، ایک اللہ سب کا خالق ہے، مٹی سے، خون سے لوتھڑا، شکل انسان وہی بنائیں گے۔ یقین یہ ہو جاوے کہ خدا کے بنائے ہوئے سب کچھ بنتا ہے اور کسی سے نہیں بنتا۔ اللہ اپنی قدرت سے پالتے ہیں، چیزوں سے نہیں

پالتے۔ حضرت اسماعیلؑ کو کیسے پالا، نمرود، فرعون چیزوں والے تھے، کیسے ختم ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مسئلے بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نقشے بگڑتے ہیں۔ اسی خانہ کعبہ کو مٹانے کے لئے ہاتھیوں کا ایک لشکر آیا، جیسے اس زمانے میں امریکہ کے راکٹوں کا لشکر، پہاڑوں میں لشکر پھیل گیا، کوئی ظاہری شکل نہیں کہ خانۂ خدا بچ جاوے۔ مگر بچانے والے نے بچا لیا، کیسے بچایا۔ ایک فرشتہ نے سفید ہاتھی کا کان پکڑا، ہاتھی بیٹھ گیا۔ لشکر رک گیا۔ ابابیل آئے، ہر ایک کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ہاتھیوں پر کنکریاں گرائیں۔ وہ سب لشکر نیست و نابود ہوگیا۔ اسی طرح روسی، امریکی طاقت کو اللہ جب چاہیں گے ختم کر دیں گے۔

یہ بیت اللہ شریف ستر انبیاء کی زندگیوں کا مرکز ہے۔ اس کا سنگِ بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رکھوایا۔ حضرت ابراہیمؑ کی دعا یہ تھی کہ ایک امت ایسی اُٹھے کہ ساری دنیا میں نماز کی عبادت کھڑی ہو جائے۔ ساری دنیا کے لئے ہمدرد اور محبت والی بن جائے، ساری امت پر محنت کرنے والے بن جائیں۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کی پہلی دُعا تھی دُوسری دُعا میری اولاد سے ایسی اُمت ہو جو دین پر محنت کرے، ان کو بغیر کمائے دنیا کے مال و زر دے۔ مکہ میں جماعتیں آئیں گی، دنیا بھر کے لوگوں کے دلوں میں مکہ کی محبت ڈال دے، اسی بیت اللہ شریف میں ضد آگئی، بتوں کی پوجا ہوئی، اب گھڑیوں اور کپڑوں کی خرید و فروخت، آپ اپنی سکیمیں بنائیں، خدائے پاک اپنی سکیم بناتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی سکیم ابھرنے کا جب وقت آیا، حضرت رسولِ مقبولؐ تشریف لائے، سکیم چلانے والا آگیا۔ یتیم، ان پڑھ، مال کے بغیر اسی مکے سے چلے، صحابہؓ سکیم کے چلانے والے تھے سکیم چلائی، ملک و مال و زر کے بغیر چلائی۔ یتیمی کی صورت، غریبی کی صورت، باہر کچھ نہیں تھا اندر میں سب کچھ تھا۔ کفار دھوکے میں آگئے، محمدؐ یتیم ہے، بھوکا ہے، کچھ بھی نہیں، باپ بھی نہیں، سب چھوڑ گئیں، جب کوئی اور بچہ نہ ملا تو حلیمہ نے لے لیا، وہ اونٹنی جو

سب سے پیچھے آئی تھی، اب سب سے آگے آگے تھی، رہبر کی رہبر اونٹنی۔ اللہ کی سکیم طاقت سے نہیں، یقین سے چلتی ہے۔ اس کو چلانے والے مال و ملک والے نہیں بلکہ یقین محکم کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ سکیم ملک و مال سے نہیں چلتی، نقشوں اور شکلوں سے نہیں چلتی ہے۔ آپ نے دیکھا ملک و مال کے بغیر اسلام کا نقشہ اسی مکہ میں چلایا، ساری دنیا میں چلایا۔ روکنے والوں کے روکے نہ رُکا۔ روکنے والوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مگر اُن کے یقین کے طوفان پر کاہ کی طرح بہہ گئے۔ محمدؐ اور ان کے صحابہؓ کے پاس کھانے کو کچھ نہ تھا، کپڑا نہ تھا، مکان نہ تھا، یقین درست تھا، اُٹھے اور تمام دنیا کے لشکروں کی موجودگی میں سب پر چھا گئے۔ اب بھی اسی بنیاد پر جو بھی اٹھے گا تو اللہ اپنی قدرت سے کام چلائیں گے۔ وہی کارساز، وہی مسبب الاسباب ہے۔ اللہ کے خزانوں کے لینے کا گھر بیت اللہ شریف ہے۔ رسول اکرمؐ نے سکیم چلائی، چاہے تم لاکھوں میل دور پڑے ہو، بیت اللہ شریف کی طرف رُخ کر لو گے، تو حضرت ابراہیمؑ والی برکات کا اجر و ثواب اور امداد ملے گی۔ اللہ والے یقین پر اُٹھو۔ صرف یقین کے رُخ کو موڑنے کی بات ہے۔ اگر تم نے سمتیں چھوڑ کر اپنا رخ بیت اللہ شریف کی طرف کر لیا اور اس بات پر اسی طرح جمے رہے، جس طرح صحابہؓ کا یقین تھا ؎

آج بھی گر ہو براہیمؑ کا ایماں پیدا   آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

نبیؐ کی سُنّت و طریقہ

بیت اللہ کی طرف کیسے بلایا گیا ہے۔ زمانے کا جو نقشہ ہے وہ اسوہ نہیں ہے، بلکہ اپنے اپنے نقشوں کو ابراہیمؑ کے نقشوں کے مطابق بنا لو۔ ارشاد باری ہے، ابراہیمؑ کی اطاعت کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے شام جیسے سرسبز و شاداب ملک کو حضرت ابراہیمؑ کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ صحرا میں پہنچا، وہیں بیوی بچے کو چھوڑ جانے کا حکم دیا۔ اکلوتے بیٹے اور چہیتی بیوی کا اور کوئی باپ ہوتا تو اس حکم سے کانپ اٹھتا اور مشتعل ہو کر بغاوت کر جاتا۔ لیکن خلیل اللہ جیسی ہستی پر گونہ مُسرّت

ہوتی۔ کیوں نہ ہو، پیغمبر کے لئے اپنے آقا و مولیٰ کی خوشی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی۔ خلیل اللہ کا آگ میں کودنا، بیوی بچے کو صحرائے لق ودق میں ایسی جگہ چھوڑنا، اُن کو آگ میں دھکیلنے سے کم نہ تھا۔ مگر یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کی خوشنودی کے لئے۔ قادر مطلق نے انہیں جھلستی آگ سے کیسے بچا لیا۔ صرف پانی پر پال کے دکھا دیا۔ پھر آپ لوگوں کے لئے ہی نہیں، بلکہ تمام دنیا کے لئے اس زم زم کے پانی کو متبرک بنا دیا۔ یہ سب اسی کے انعام ہیں۔ یہ سب بیت اللہ شریف، یہ زم زم، یہ مقام ابراہیمؑ، یہ وادیاں وغیرہ سب اسی کی خوشی کے انعامات ہیں، ان کے مزے لوٹیں۔ مگر اپنے اپنے نقشوں کو ابراہیمؑ کے نقشوں کے مطابق بنائیں۔ ان کے اسوہ سے اپنے اعمال کو ٹکرائیں نہیں۔ اللہ کی خوشنودی والے اعمال سے، اللہ کے غضب والے اعمال سے ٹکرائیں نہیں۔ یاد رکھو یہ بیت اللہ، اللہ کا گھر ہے۔ یہ مرکز ہے، خدا کی قدرت کے مظاہرے کا۔ ابھی انسان چاند پر جائے گا۔ پھر دجال بن جائے گا۔ سائنس کے بادل بنائے گا۔ اللہ کریم یہ سب کچھ دیکھتے ہیں۔ وہ ایسے ایسے ہولناک ہتھیار بنانے والوں کو ختم کر دیں گے، جیسے اصحاب فیل کے لشکر کو کنکریوں سے ختم کیا تھا۔ دجال مردوں کو زندہ کر کے دکھائے گا۔ پھر بیت اللہ پر چڑھیں گے۔ تین جھٹکے مکہ شریف میں آئیں گے، جو غلط یقین والے ہوں گے نکل جائیں گے۔ صحیح یقین والے مکہ میں آ جائیں گے۔ انسان راکٹ سے خود ایک بڑی طاقت بن جائے گا۔

حج اللہ جل جلالہ نے تمہیں حج کے لئے بلایا، ہاجرہ دوڑی، انبیاء دوڑے، تم بھی دوڑو، چکر کاٹو، کامیاب ہو گے۔ انبیاء نے دعائیں مانگیں۔ تم بھی گڑگڑاؤ۔ اللہ سے مانگ لو۔ اس کے در پر آ کر اپنی اکڑفوں مٹا لو، اس کے بندے بن جاؤ۔ مانگ لو اپنے مالک سے اس کے دروازے سے زاری کرو، شاید اس کو ترس آ جائے۔ یاد رکھو، اس کے رحم شروع ہو جائیں تو بڑے انعامات ملتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ ان کی بیوی بچوں پر خدا کا رحم ہوا، اللہ نے ترس کھایا۔ صدیوں سے انعامات کی بارش ہو رہی ہے۔ دُنیا

کی آبادی کا ایک اہم حصہ اس کرم سے مستفیض ہوتا ہے۔ اگر تو نبیوں والے راستے پر آجائے تو صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے مالا مال ہو جائے۔

یقین خدا کی ذات پر یقین نہ بنا تو کس پر بنے گا۔ دل کے یقین کی بیماریوں کو ٹھیک کر لو، دل کے اندر یقین کی جھلکی پیدا کرو۔

حالات کی خرابی دوسروں کی وجہ سے خراب نہیں۔ یہ خرابی ہماری اپنی وجہ سے ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اُمت مسلمہ نماز کے لئے مانگی۔ حضرت نوحؑ نے جنت کی دعا کی نماز کے لئے۔ کیا تو اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اُمت مسلمہ نماز کے لئے کیوں مانگی۔ تجھے نماز کے انعامات کا اندازہ ہی نہیں۔ یہ اندازہ ابراہیمی آنکھ ہی کر سکتی ہے۔

محنت بیت اللہ کی بنیاد پر محنت، نبیوں والی محنت پر چلنا ہے۔ محمدؐ نے ہزاروں گھر قربان کئے، ہزاروں صحابہؓ کے گھر قربان کئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک گھر قربان کیا۔ نماز کے لئے ایک گھر کا قربان کر دینا اور خدا کی محبوبیت حاصل کر لینا نہایت سستا سودا ہے۔ زمین و آسمان بدل جائیں، لیکن تو نہ بدل، مسلمان رہ۔ اُمتی بن، ابراہیمی رہ، اسوہ محمدی اپنا، یہ ترقیوں میں سب سے بڑی ترقی ہے۔ یہ تیری عاقبت تک کام آنے والی ترقی ہے۔ اگر یہ عمل تیری طبیعت کے خلاف ہے، تو اپنی طبیعت پر غور کر، اس کی اصلاح کر۔

صلح حدیبیہ میں صلح کرنا حکم ربانی تھا۔ محمدؐ نے سر تسلیم خم کیا۔ ظاہری اعتبار سے یہ پشیمانی تھی۔ صحابہ کرامؓ پر یہ پشیمانی بہت شاق گذری۔ ایسا موقع کبھی نہ آیا تھا۔ ابھی اعمال میں اتنی پختگی نہ آئی تھی، جتنی حضرت نبی کریم صلعم میں تھی۔ اللہ کی طرف سے صلح کا حکم ہوا۔ پیغمبر آخرالزماں نے تسلیم کیا اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دیا۔ صحابہ کرامؓ کو بغیر عمرہ کے واپس جانے کا صدمہ تھا، مگر ایسا نہ ہو سکا کہ حضورؐ کی بات سے انکار کر دیں۔ معاہدہ لکھوانا شروع کیا۔ کفار نے "رسول اللہ" پر اعتراض کیا۔ حضور صلعم نے اپنے ہاتھ سے

لفظ "رسول" مٹا دیا۔ اللہ پاک یقینِ رسول پر خوش ہوئے۔ "اِنَّا فَتَحْنَا" کے نقارے بجنے لگے۔ صحابہؓ فتح المبین کی خوشخبری پر اور بھی سپٹپاتے۔ مگر سب نے اپنے خدشات کے خلاف خدا کی بات کو مان کر اپنا یقین خالص کر لیا۔ اپنے خدشات کے خلاف اللہ کی بات کو ماننا ہی ایمان کی بنیاد ہے۔ اگر آج ہمارے فیصلے خدا کی مرضی کے مطابق ہو جائیں، نبیوں والے طریقوں پر آجائیں تو بات بن گئی۔

پس اے مسلمان! اپنے طریقوں کو بدل، اپنے طریقوں کو نبیوں کے طریقوں سے بدل، اپنے نقشوں کو نبیوں کے نقشوں سے بدل۔ اپنی محنت کو نبیوں کی محنت سے بدل، ابراہیمؑ کی سکیم کو دُنیا میں چالو کرنے کے لئے نکل۔ اخلاق درست کرنے کے لئے نکل۔ یقین درست کرنے کے لئے نکل۔ اعمال درست کرنے کے لئے نکل۔ حرکت پیدا کر۔ وطنیت کا دائرہ توڑ کر پھرو۔ علم، اعمال، قرآن و دین کے لئے پھرو۔ کمائی ½، دین ½ کی بنیاد پر محنت کرو۔ اُمت کو اٹھاؤ۔

اگر آپ مسجد والی زندگی پر آجائیں گے تو نقشہ بدل جائے گا۔ سارے عالم میں دین کا بول بالا ہوگا۔ اُمت بھر کی امیدوں کا نقشہ بدل جائے گا۔

دُعاء اے خدا! مجھے یہاں بیت اللہ شریف میں ہجرت کرنے کی توفیق عطا فرما ہم اسی طرح فیصلہ کرلیں جس طرح ابراہیمؑ نے فیصلہ کیا تھا۔ دین اسلام کے لئے فی سبیل اللہ نکل جائیں۔ تو اللہ کے فضل و کرم سے بیت اللہ والی برکات کے مطابق اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں گے۔

خطاب عرفات

ضبط کردہ :- اسرار الحق ڈھیری حسن آباد

یوم عرفہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۶۴ء شنبہ

بزرگو اور دوستو! اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ہم کو باوجود ہماری نااہلی کے اور اس بات کے کہ اس پاک میدان میں آنے کے قابل نہیں تھے، کیونکہ ہم میں بہت زیادہ گندگیاں بھری ہیں، اس پاک میدان میں بلایا، جہاں آدم علیہ السلام سے لے کر حضور اکرمؐ تک تمام انبیاء کو بلا کر حج نصیب کرایا۔ جس جگہ ہزاروں، لاکھوں انبیاء و رسل کا پسینہ گرا اور آنسو گرے اور ان کے انوار اب تک اس سرزمین میں موجود ہیں، اس کی ذات سے امید ہے کہ ہمیں ایسی جگہ بلا کر ان کے آنسوؤں، ذکر و استغفار، تلبیہ، چیخ و پکار کی نسبت سے اللہ تعالےٰ ہمیں بھی مغفرت نصیب فرمائے گا؛ ہمیں یہی امید رکھنی چاہیئے کہ ضرور ہماری مغفرت ہو گی۔ یہیں حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کی توبہ قبول فرمائی اور ملاقات بھی اسی میدان میں کروائی۔ اسی وجہ سے اس میدان کا نام عرفات ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی معرفت سے ایک قطرہ عطا فرمائیں (آمین)

حضور اکرمؐ نے اس میدان میں خطبہ دیا اور آخر میں فرمایا کہ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ یعنی ہر شخص یہاں سے مبلغ بن کر جائے۔ اس سے پہلے فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ کون سا مہینہ ہے؟ کون سا مقام ہے؟ کیا یہ فلاں دن نہیں؟ فلاں مہینہ نہیں؟ فلاں مقام نہیں صحابہؓ نے عرض کیا بیشک ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح یہ سب قابل احترام ہیں۔ متنبہ ہوجاؤ کہ اسی طرح تمہاری جان کا ایک ایک قطرہ، ایک ایک بال اور مال کا ایک ایک پیسہ ایک دوسرے کے اوپر حرام ہے۔ خواہ دنیا کے کسی حصہ کا مسلمان ہو، ساری دنیا کے مسلمانوں

کی ذمہ داری ہے کہ اس کی جان اور مال کی حفاظت کریں۔

بھائیو! یہ زمین جس پر اللہ نے ہمیں اور آپ کو محض اپنے کرم سے بلا استحقاق پہنچایا سارے انبیاء کے دعا مانگنے کی جگہ ہے اور قیامت تک سارے انسانوں کی دعاؤں کا مرکز ہے۔ جیسا جس کو اللہ کی ذات پر یقین ہوگا۔ اسی قدر اس کی دعا میں قوت ہوگی۔ پہلے سب انبیاءؑ سے یقینوں کے بدلنے کی اور اللہ جیسے ہیں۔ ان کی ذات کو پہچاننے کے لئے اور اللہ سے لینے کے لئے عبادات پر محنت کروائی، پھر ان کی دعاؤں کی طاقت ان کے علاقے میں دکھلائی، نوحؑ کی دعا پر پوری قوم کو غرق کر دیا۔ اسی طرح سارے نبیوں سے محنت کرا کے ان کی دعاؤں کی طاقت کو ان کے علاقہ میں ظاہر کیا، اپنے اپنے علاقہ میں محنت کر کے، علاقہ کی ترتیب کو بدلوا کر سارے انبیاء کرام بیت اللہ پہنچا کرتے تھے جس طرح ایک غلام اپنے آقا کے کام کو محنت سے کر کے اس کے پاس آتا ہے۔ وہ بہت ڈرتے ہوئے ہچکیوں سے روتے پیٹتے بھکاری بن کر اللہ کے در پر آتے تھے، پھر میدان عرفات میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

سارے انبیاء علیہم السلام کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک محنت کا میدان قائم کیا اور سارے صحابہؓ کو انبیاءؑ کے طریقہ پر ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیاد پر اٹھایا اور ظاہر کے خلاف محنت کر کے خدا کے یقین کی بنیاد پر دعا مانگ کر اللہ سے اپنی حاجتوں کو پورا کرا لینا سکھایا۔ صحابہؓ نے اللہ کی اطاعت میں ظاہر کے خلاف کیا اور پھر دعا مانگی تو اللہ نے اپنی قدرت سے ظاہر کے خلاف کر کے دکھایا۔ ایک مرتبہ حضرموت کے علاقہ میں صحابہؓ کو پانی نہ ملنے کی وجہ سے موت نظر آرہی تھی، صحابہؓ پڑاؤ کرنے کے لئے ایک میدان میں رکے ہی تھے کہ سارے جانور بھاگ گئے۔ پانی نہ ہونے کی وجہ موت پہلے ہی سامنے تھی، اب جانور بھی بھاگ گئے۔ پہلے ایک ہی موت تھی، اب دو موتیں نظر آنے لگیں۔ ان کے امیر حضرت علاء حضرمیؓ نے کہا کیا تم مسلمان نہیں، کیا

اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے نہیں ہو؟ کیا اللہ کی مدد یں حق نہیں ہیں؟ سب نے کہا ہیں۔ انہوں نے کہا پھر تیمم کرو اور اللہ سے دعا مانگو۔ چنانچہ فجر کی نماز تیمم کرکے پڑھی اور پھر دعا مانگی اور اس وقت تک دعا کے ہاتھ نہیں چھوڑے جب تک زمین سے پھٹ کر پانی نہیں نکل آیا۔ فرط خوشی سے ان کی زبان پر تھا کہ یہ ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا۔ خوشی میں پانی میں کود پڑے اور پھر دیکھا کہ جانور بھی چلے آرہے ہیں۔ اس طرح کہ جیسے کوئی ان کو پکڑ کر لا رہا ہے۔

حضورؐ اپنے صحابہؓ کو ظاہر کے خلاف عمل کرکے دعا مانگ کر اللہ کی قدرت کے ذریعہ اپنے سارے مسائل کو حل کرانا سکھا گئے تھے۔ اللہ کی قدرت سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے یقین اور اللہ کی عبادت اور بندگان خدا سے ہمدردی، خدمت خلق اور اخلاص عمل کے ذریعہ ان کو دعا کی قوت حاصل ہوگئی تھی۔ دعا ایک ایسی بنیاد ہے۔ کہ مال سے تو تم ناکام ہو سکتے ہو، لیکن تم مالدار ہو یا مفلس۔ امیر ہو یا فقیر، حاکم ہو یا محکوم، بیمار ہو یا تندرست، ہر صورت میں دعا کے ذریعہ سے اللہ تم کو ضرور کامیاب کرے گا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو دعا کے راستے سے اپنی حاجتوں کا اللہ سے پورا کرانا خوب سکھایا۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں مسائل میں ان کی دعائیں خوب چلا کرتی تھیں۔

ظاہر تو محض خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اسے جیسا چاہے بدل دے۔ تیرہ سال کی مسلسل محنت پر تفصیلی دعا کا طریقہ آیا اور اس کے بعد جب آپ یہاں پہنچے تو آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہؓ نے امت کے لئے دعائیں مانگیں۔ ہر نبی کو ایک دعا ایسی دی جاتی تھی کہ جس وقت وہ دعا مانگیں گے، اللہ وہ کر دیں گے، یہ دعا اس نبی کی محنت کے بدلے میں دی جاتی تھی۔ سارے نبیوں نے اپنی قوم یا امت کے متعلق دعائیں یا بددعائیں کیں اور اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کو قبول فرمایا۔ نبی کے ماننے والوں کو ان کی دعا نے چمکا دیا اور نہ

ماننے والوں کو برباد کر دیا۔ کہیں آسمان سے کھانے اتار دیئے۔ اس طرح ان کی محنتوں والی دعائیں دنیا ہی میں نمٹ گئیں اور ختم ہو گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دوسرے انبیاء کی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک دعا محنت والی عطا فرمائی، لیکن حضورؐ نے وہ دعا دنیا میں نہیں مانگی، بلکہ اس کو پوری امت کے آخرت کے مسائل حل کرنے کے لئے محفوظ رکھا فرمایا کہ سب نبی آکر اپنی اپنی دعاء کر گئے لیکن میں اپنی محنت والی دعاء کو آخرت میں لے کر جا رہا ہوں، وہی "شفاعت" ہے۔ وہ میری محنت والی دعاء ہے اور اللہ کا یہ وعدہ ہے کہ تم کو راضی کر دوں گا اور جب تک میری ساری امت جنت میں داخل نہیں ہو جائے گی میں راضی نہیں ہوں گا عام مسلمان تو کہتے تھے لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ شفاعت والی آیت ہے، لیکن اہل بیت کہتے تھے وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى شفاعت والی آیت ہے۔

ایک دعاء نبی کی محنت پر قبول ہوتی ہے، ایک دعاء نبی کی نماز پر، روزہ پر، حج پر قبول ہوتی ہے۔ ایک امت کی دعاء بھی اسی طرح قبول ہوتی ہے۔ جس ذات نے حج کو صحیح کیا اور قیامت تک کے لئے اس کو چالو کیا اور ایسا بڑھیا حج کیا کہ آدمؑ سے لے کر آج تک ایسا بڑھیا حج ہوا اور نہ آئندہ قیامت تک ہوگا، تو اس ذات کی حج والی دعاء کس قدر اونچی اور قبولیت والی ہوگی۔ آپؐ نے اپنی محنت والی دعاء کو بھی آخرت میں امت کی ابدی زندگی کے لئے محفوظ فرما دیا، نہ اپنے لئے کچھ مانگا، نہ اپنے خاندان یا صحابہؓ کے لئے اسی طرح حج کی دعائیں بھی سوائے امت کے لئے کسی اور کے لئے کچھ نہ مانگا۔ نہ یہ مانگا کہ حسینؓ قتل نہ کئے جائیں، حضرت عثمانؓ شہید نہ کئے جائیں اور چین کی زندگی گزاریں۔ بلکہ ان دونوں کو تو اس کی خبر دے گئے، ساری امت کے لئے قربانی دیتے رہے۔ حضرت امام حسینؓ جس کے ہاتھوں قتل ہوئے، علیؓ قتل ہوئے۔ حضرت عثمانؓ قتل ہوئے اس کو تو پی گئے اور ساری امت میں ان قاتلوں کو بھی شامل کر کے پوری امت کی دعاء مانگ گئے۔ خواہ کتنی تکالیف پہنچیں

جائیں ان کو برداشت کر لیا جائے تو اللہ اپنا پیارا بنا لیتے ہیں۔ اپنے اور اپنے خاندانوں والوں کے بارے میں آپؐ نے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کر کے حج والی دعا مانگی تو وہ بھی ساری امت ہی کے لئے مانگی۔ آپ کو اپنی امت سے بہت زیادہ محبت اور تعلق تھا۔ آج دین کے دشمن بے انتہا مال خرچ کر کے امت کو اسلام سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں، امت اعمال تو چھوڑ رہی ہے۔ لیکن اب بھی دین چھوڑنے پر تیار نہیں یہ برکت اور صدقہ ہے ان دعاؤں کا جو آپؐ امت کے لئے کر گئے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دعا کی درخواست کی۔ آپؐ نے دعا دی۔ حضرت عائشہؓ اس دعا کو سن کر خوشی میں لوٹ پوٹ ہو گئیں اور کہا کہ یہ دعا مجھ کو بہت پسند آئی۔ حضورؐ نے فرمایا اے عائشہؓ! میں یہ دعا ہر نماز کے بعد اپنی امت کے لئے روزانہ کرتا ہوں۔ یہ حضرت عائشہؓ کون ہیں حضورؐ سے پوچھا گیا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہیں؟

فرمایا عائشہؓ، ایسی عائشہؓ کو تو وہ دعا عمر میں ایک مرتبہ دی اور امت کے لئے وہ دعا ہو روزانہ ہر نماز کے بعد، حج پر اپنے یا اپنے رشتہ داروں کے لئے دعا مانگنے کے بجائے آپؐ نے امت ہی کے لئے دعا مانگی۔ آپؐ اس قدر روئے کہ آنسو سے زمین تر ہو گئی۔ عرض کیا کہ پہلے نبی آئے تھے وہ گرتی ہوئی امتوں کو سنبھال لیا کرتے تھے۔ اب کوئی نبی آنے والا نہیں، شیطان بہکانے والا لئے موجود ہے، امت گرے گی تو گرتی چلی جائے گی۔ اب آپ یہ طے فرما دیجئے کہ یہ ساری امت جنت میں جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بہت رونے اور گڑگڑانے پر امت کی مغفرت فرما دی۔ سوائے ظالم کے کہ اس کو نہیں بخشوں گا۔ اب مزدلفہ تشریف لا کر ان ظالموں کے لئے بھی آپؐ روئے جو مسلمانوں کو ستائیں اور پریشان کریں.....اور اللہ سے دعا کی۔ آپؐ کو امت سے کس قدر تعلق تھا، ہم تو اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ آپؐ کے سامنے ایک چور لایا گیا، آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ جس وقت اس کا ہاتھ کاٹا جا رہا تھا۔ آپؐ کا چہرہ زرد ہو گیا

اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپؐ کو تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا بہت رنج ہوا۔ اگر ایسا تھا تو آپؐ اس کا حکم نہ فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ بدترین امیر ہے، جو حد کو جاری نہ کرے۔ تم اپنے بھائی کو میرے پاس تک لاتے۔ کیوں نہیں سمجھا بجھا کر توبہ کرا دیتے۔ تم نے تو شیطان کا ساتھ دیا۔ اب میرے ایک امتی کا ہاتھ تم سب کے سامنے کاٹا جارہا ہے۔ اس پر مجھے کیوں رنج نہ ہو۔ آپؐ اپنی امت کے چور تک کے لئے اس قدر شفیق ہیں اور تو یوں کہیں کہ کمبخت چور تھا اچھا ہوا ہاتھ کٹ گیا اور سزا ملی، لیکن آپؐ کے آنسو اس کے لئے جاری ہوگئے۔ آج امت کے ہزاروں بے گناہ افراد، عورتوں اور بچوں کے گلے کاٹے جارہے ہیں۔ لیکن ان پر ہمارا ایک ایسا آنسو بھی نہیں نکلتا، جیسے حضورؐ کے بے شمار آنسو ایک امتی چور کے ہاتھ کٹنے پر نکلے تھے۔ اس امت پر آپؐ کو زبردست شفقت تھی۔ اس امت پر آپؐ نے اپنا عیش قربان کیا، لذتیں قربان کیں۔ ایک مرتبہ ایک دیہاتی حضورؐ کے پاس آیا اور اس زور سے آپؐ کی چادر کھینچی کہ گلا گھٹ گیا اور رنگ بدل گیا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا حضور آپؐ کے پاس ایسے جاہل لوگ آتے ہیں۔ کوئی چادر کھینچتا ہے، کوئی ہاتھ پکڑتا ہے آپ کے لئے کوئی اونچی جگہ بنوادیں، جہاں آپ تشریف رکھا کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں مجھ کو چھوڑ دو انہیں دیہاتیوں کے ساتھ۔ آپؐ کو جیسی شفقت امت کے ساتھ تھی کسی دوست کو دوست کے ساتھ نہیں ہوسکتی تھی۔ آپؐ نے رو رو کر مزدلفہ میں ان کی بخشش کرائی۔ عرض کیا کہ یا اللہ آپ کے خزانوں میں کمی نہیں، مظلوم کو اپنے خزانہ سے بدلہ دیجئے اور ظالم کو معاف فرما کر جنت میں پہنچا دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی قبول فرمالیا۔ یہ دعاء بھی مانگی کہ کوئی دشمن ایسا نہ ہو کہ سو فیصد ان کو ختم کردے، یہ بھی قبول ہوگئی۔ پھر دعا مانگی کہ یہ آپس میں نہ لڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی بداعمالیوں کی کوئی سزا بھی تو ہو۔ اب یہ ہوگا کہ مسلمان اللہ کے دین سے، اللہ کے حکم سے اعراض کریں گے تو اللہ

ان کے دل پھاڑ دیں گے اور اس سے ان کا ضعف ہوگا۔ اور ان کے دشمن ان کو کمزور پا کر ان پر دست درازی کریں گے اور ان کا خون ہوگا۔ اور اسی میں ان کے عصیان کا کفارہ ہو جائے گا۔

خوارج کا قتل ہو رہا تھا۔ وہ پکڑ کر لائے جا رہے تھے اور مارے جا رہے تھے جب کسی خارجی کا سر کٹتا تو ایک صحابیؓ کے صاحبزادے "فی النار" کہتے تھے۔ باپ نے ڈانٹا کہ کیا کہہ رہا ہے، یہ حضورؐ کا امتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میرے امتی کو نافرمانی کی سزا دنیا میں دے کر آخرت میں جنت دے دیتے ہیں۔ حضورؐ نے اپنا سب کچھ امت پر لٹایا ہے اور اس پر اللہ نے جتنا زیادہ دیا۔ وہ سب بھی امت پر لٹا دیا۔ انتقال کے وقت بیویوں یا رشتہ داروں کو بلا کر دیکھنے کا جذبہ نہ ہوا، جذبہ ہوا تو یہ ہوا کہ جاتے وقت میں اپنی امت کو دیکھتا جاؤں۔ فجر کی نماز ہو رہی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ گریہ وزاری سے نماز بھری ہوئی۔ امت کو دیکھنے کے لئے آپؐ نے پردہ اٹھوایا حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ عنقریب تھا کہ ہم فتنے میں پڑ جاتے اور اللہ کی طرف سے ہٹ کر حضورؐ کی طرف ہو جاتے۔ امت کو نماز پڑھتا دیکھا اور آپ نے پردہ کروا دیا آخری وقت میں آپؐ کی توجہ بجائے گھر والوں کے امت کی طرف تھی۔ حضرت اسامہؓ کو بلا کر کہا کہ اللہ کے رستے پر چلے جاؤ اور آخر وقت میں یہ الفاظ تھے۔ "الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" اور اس کے بعد صرف "الصّلوٰۃ الصّلوٰۃ" کے الفاظ تھے۔ مجموعے پر جو اپنے کو قربان کرتا ہے انتہائی پیارا ہو جاتا ہے۔ حضورؐ نے امت پر انتہائی قربانی دی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن مقام محمود   اتارا جائے گا۔ آواز آئے گی کہ نبی امی اس پر بیٹھیں۔ فرمایا مجھے ڈر ہوگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اس پر بٹھا کر جنت میں پہنچا دیں اور بعد میں میری امت کو دوزخ میں بھیج دیں تو میں زمین پر کھڑے

ہو کر اور عرش پر ہاتھ رکھ کر عرض کروں گا کہ اے اللہ پہلے میری امت کو جنت میں بھیجا جائے۔ افسوس آج اس امت پر مرمٹنے والے ختم ہوگئے۔ اس امت پر رونے والے ختم ہوگئے۔ اس امت پر محنت کرنے والے ختم ہوگئے۔ اگرچہ گھر پر محنت کرنے والے بہت ہیں۔ اپنے گھر والوں پر رونے والے بہت ہیں۔ باوجود مال ملک، عمارات کے بھی یہ امت گھٹتی اور گرتی جا رہی ہے، اس کی یہی وجہ ہے کہ اس پر محنت کرنے والے، قربانی دینے والے آج ختم ہوگئے، اللہ نے تم کو یہ توفیق عطا فرمائی، کہ امت کی محنت کے لئے تم کھڑے ہوئے۔ تمہاری تھوڑی محنت سے نمازیں قائم ہوئیں حج کے صحیح ہونے کی شکلیں پیدا ہوئیں۔ اس کا شکر ادا کرو اور امت کا درد اپنے دل میں پیدا کرو۔ امت کے لئے آنسو بہاؤ، روؤ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ امت پر محنت کرنے والا ہر سطح پر اپنے کو قصوروار قرار دے اور آئندہ کے لئے اور زیادہ کرنے کے فیصلے کرے، پچھلی پر روئے اور آگے کو صحیح چلنے کا پورا عزم کرے تو اگر بالکل بھی کرنے والا نہیں تو اس طرح دعا قبول ہوگی۔ جیسے کرنے والوں کی، جو محنت کرنے والے ہیں وہ اپنی محنت کی کوتاہیوں کی معافی مانگیں کہ ہم نے چل پھر کر جتنی محنت کرنی چاہیے تھی نہ کی کہ امت کے اندر یقین، اعمال، علم اور معاشرت درست ہو جائیں، چاہیے تو یہ تھا کہ اس راہ میں ہم اپنا پورا مال لٹا دیتے، جانیں جھونک دیتے جس طرح حضور نے اپنا مال لٹایا اور اپنی جان جھونکی۔ حضور کے پاس بہت مال آیا لیکن سب امت پر لٹا دیا اور خود فاقے برداشت کئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے آخر وقت میں حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ حضرتؐ کے پاس بہت مال آئے، لیکن ہم پر لگا دیئے، کھانے آئے تو ہم کو کھلا دیئے۔ پھر ہم آپ کے دیئے ہوئے مال اور کپڑوں اور کھانوں میں سے بچا کر آپ کو دیتے۔ حضور کا فقر اختیاری تھا، اضطراری نہیں تھا۔ جو کچھ آتا امت پر لگا دیتے نہ اپنا مکان بنایا، نہ کھانے پینے پر لگایا۔ حضور کی محنت ہمیں قصوروار قرار دے گی کہ ہم اس

طرح محنت نہ کر سکے۔ ہم یہ نہ سمجھیں کہ دوسروں نے محنت نہیں کی اور قصور وار نہیں بلکہ ہم زیادہ قصور وار ہیں کہ ہم نے اس محنت کو کچھ کیا اور پھر سمجھا بھی، اس طرح نہ کر سکے جیسا اس کا حق تھا۔ ہم زیادہ قصور وار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں کر رہے کرنے والے پہلے کر گئے۔ اس پر بہت استغفار اور رونا دھونا ہو کہ ہم اس کام کی شرائط پر بہت خام ہیں اور آئندہ کے لئے اللہ سے پوری توفیق مانگی جائے کہ ہم اس قابل نہیں کہ حق ادا کر سکیں۔ ہمارا استحقاق نہیں۔ مگر آپ اپنے کرم سے پچھلا قبول فرمالیں اور آگے کو زیادہ کرنے اور حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ پھر دعاء مانگی جائے کہ حضورؐ اور انکے صاحبیوں کی طرح اللہ ہم کو محنت کی توفیق عطا فرمائے، کہیں یہ ہماری محنتیں ملک و مال پر نہ پڑ جائیں۔ بلکہ ہم دنیا میں سے اس کا کچھ بھی بدلہ نہ لینے والے بنیں اور سارے انعامات آخرت میں چاہیں۔ جنہوں نے سب سے زیادہ کیا وہ مال آنے پر بھی ویسے رہے جیسے پہلے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک بیوہ عورت کی بکری کا جا کر دودھ روز نکالا کرتے تھے۔ آپ جب خلیفہ بنے تو عورت کی لڑکی نے کہا کہ اب آپ دودھ نہیں نکالا کریں گے۔ حضرت ابوبکرؓ روتے اور فرمایا کہ امید ہے میں ایسا ہی رہوں گا۔ جیسے پہلے تھا حضرت عمرؓ نے ایک اپاہج بڑھیا پھانٹی جس کا کوئی خبر گیر نہیں تھا۔ اس کے گھر آئے تو سب کام ہوا ہوا ملا۔ پھر آئے پھر کام ہوا ہوا تھا۔ تیسرے دن بہت سویرے آئے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے، اس کا پاخانہ صاف کیا، اس کو کھانا دیا، اس کا گھر صاف کیا۔ حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلا، اے ابوبکرؓ خدا کی قسم میں تم سے آگے نہیں بڑھ سکتا جیسے حضورؐ کی زندگی میں تھے۔ ویسے ہی دنیا سے گئے اور وہ کیا ایک پوری قوم ایسی تھی۔ جس سے یہ مجاہدہ کرایا تھا، کہ دنیا میں کچھ لینا نہیں صرف آخرت میں ملے گا آج امت کو ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہے جو یہ کہے کہ ہم نہ ملک لیں، نہ مال لیں، نہ عزت چاہیں۔ بس حضورؐ کی امت کو مصیبت میں نکلوانے کے لئے محنت کریں قربانی

دیں اور قیامت کے دن حضورؐ سے جا کر کہیں۔

اگر ایسے لوگ پیدا ہو جائیں تو امت کی مصیبتوں کا خاتمہ ہو جائے اور امت
جمک جائے جو تمہارے پاس ہے وہ لگا دو۔ کمائیاں چھڑانا مقصود نہیں، کمائیاں کرتے
رہو اور جو زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے اپنی جان اور مال امت کے اوپر لگاتے رہیئے۔
پہلے اپنے قصوروں کی معافی مانگو۔ پھر آئندہ کی توفیق اور امت کے لئے زیادہ
سے زیادہ قربانی دینے کو امت کی ہدایت کو اللہ سے مانگو۔ گرد و غبار نے امت کی محبت
کی چنگاریوں کو دبا رکھا ہے۔ اللہ سے مانگو کہ وہ اس غبار کو ہٹائے اور اس چنگاری کو
بڑھائے، کفار بھی امت دعوت ہیں۔ ان کے لئے بھی دعائیں کرنی ہیں اگر اپنے مسلمان
بھائیوں کی بے دینی کی وجہ سے ہم ان میں اب تک دعوت کا کام شروع نہیں کر سکے
لیکن ہم پر ان کا بھی حق ہے۔ ان کی ہدایت کی بھی دعا کرو۔ ساتھ ساتھ وہ کفار جو
شریر ہیں اور شرارت کے ناکے ہیں۔ جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ ان
کی تباہی کی دعائیں بھی مانگو۔

کامیابی اور ناکامی کی حقیقی بنیاد

ذیل کی تقریر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری سفر میں خواص کے ایک اجتماع سے فرمائی تھی، جس کو حضرت کے ایک خاص رفیق سفر نے قلمبند کیا تھا، انہی کی عنایت سے یہ ہم کو حاصل ہوئی ہے۔ ہم نے ناظرین کی سہولت فہم کے لئے کہیں لفظی تبدیلیاں کی ہیں۔

٭

بھائیو دوستو! کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے اور ہوتا ہے اس کے دو رخ ہیں ایک رُخ ظاہر کا ہے اور وہ یہ ہے کہ چیزوں میں سے چیزیں نکل رہی ہیں اور چیزوں میں سے اثرات اور خواص ظاہر ہو رہے ہیں جیسے مٹی سے غلہ۔ غلہ سے غذا۔ غذا سے پیٹ کا بھرنا پھر اس کا خون بننا، خون سے منی کا یعنی نطفہ کا بننا۔ پھر اس سے خون کا لوتھڑا بننا۔ پھر اس میں اعضا کا اور شکل انسانی کا بننا اور اسی پر قیاس کر لیجئے دنیا کی ساری چیزوں کو) ـــ یہ وہ رخ ہے جو انسان پر بحیثیت انسان ہونے کے کھولا گیا ہے یعنی ہر انسان اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اس کا مشاہدہ کر رہا ہے ـــ دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے اور اس کے حکم سے ہو رہا ہے اور یہ سب اللہ کا نظر نہ آنے والا ہاتھ کر رہا ہے ـــ یہ رخ انسانوں پر بحیثیت انسان ہونے کے نہیں کھولا گیا اس لئے ہر انسان اس کو دیکھ نہیں پاتا۔ بلکہ یہ رخ انبیا علیہم السلام کے ذریعہ انسانوں پر کھولا گیا ہے۔ یعنی یہ بات انبیاء علیہم السلام نے بتائی ہے کہ جو کچھ چیزوں سے بنتا ہوا اور ظاہر ہوتا ہوا نظر آتا ہے یہ چیزوں سے نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور امر سے بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر ہیں کہ جس شکل سے جو چیز چاہیں بنا دیں یا بلا کسی شکل کے محض قدرت اور حکم سے چیز بنا دیں اسی طرح وہ قادر ہیں کہ جس چیز سے جو اثر چاہیں ظاہر کر دیں۔ پانی سے چاہیں تو ڈبا دیں اور

چاہیں تو تر ادیں، آگ سے چاہیں تو جلادیں اور چاہیں تو نہ جلائیں۔ غذا سے چاہیں تو پیٹ بھریں اور چاہیں نہ بھریں، موت کی جگہ سے چاہیں تو زندگی نکال دیں۔ اور زندگی کی جگہ چاہیں موت نکال دیں معجزوں سے یہی بات ظاہر کی جاتی ہے کہ چیزوں میں کچھ نہیں ہے۔ اللہ جس چیز سے جو چاہے نکال سکتا ہے۔ وہ چاہے تو حکومتوں کی اسکیموں (اور منصوبوں) کو فیل کر دے۔ اور محکوموں کی اسکیمیں چلادے۔ اس نے نمرود کی اسکیم کو فیل کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کی سکیم چلادی۔ فرعون کے ارادۂ قتل کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو خود اس کے گھر میں پلوادیا اور اس کو سارے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں ڈبا دیا۔ ابراہیم علیہم السلام سے بیوی بچہ کو ایسے میدان میں ڈلوا کر جہاں کوئی آبادی نہیں تھی۔ زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا پینے کے لئے پانی تک بھی نہیں تھا ان کی یہ اسکیم چلادی کہ اس بچے کی اولاد یہاں والی، ہدایت کی دعوت لے کر سارے عالم میں جاوے اور سارے عالم سے لوگ یہاں حج کو آویں۔ خود اسکیم والا وہاں تھا بھی نہیں ملک شام میں تھا لیکن اس کی اسکیم چل گئی اور جس بچہ کے کھانے پینے کا اور حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں تھا اس کی اولاد اقیموا الصلوٰۃ کو لے کر دنیا میں جانے لگی اور ساری دنیا سے لوگ آج تک حج کو وہاں آرہے ہیں۔ ساری حکومتیں حج میں کتنے روڑے اٹکا رہی ہیں لیکن حج کی حرکت برابر بڑھ رہی ہے۔ اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی چلائی ہوئی اسکیم اب تک کیسے زور سے چل رہی ہے۔

آدمی سمجھتے ہیں کہ کھیتی اور باغات سے زندگی بنتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے قوم سبا کو کھیتی اور باغات کے باوجود ہلاک کر دیا اور اسماعیل علیہ السلام کو ایسے جنگل میں جہاں کھیتی اور باغات کا نشان بھی نہ تھا پال دیا — آج دنیا کا یقین فوج پر ہے اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کی فوج کو حقیر پرندوں سے ہلاک کرا کے اس یقین کو غلط ثابت کر دیا۔ الغرض معجزات سے ظواہر کے عام انسانوں والے یقین کی پوری نفی ہوتی ہے معجزات ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ میں یہ قدرت ہے کہ وہ عصا اژدہا بنا دیں، نار کو باغ بنا دیں۔ ہاتھ میں روشنی اور چمک کی صفت پیدا کر دیں — دنیا

کی ساری چیزیں اور ساری شکلیں گھاس کے تنکے سے لے کر ایٹم اور راکٹ تک اور اسی طرح ساری طاقتیں اور ساری حکومتیں قدرت خداوندی کے تحت ہیں — یہ چیزیں قدرت نہیں ہیں بلکہ قدرت ان پر تصرف کرتی ہے یہ سب چیزیں فانی ہیں۔ اور قدرت متبدل اور غیر فانی ہے۔ اللہ تعالیٰ چیزوں سے زندگی بناتے بھی ہیں۔ اور بگاڑتے بھی ہیں کامیاب بھی کرتے ہیں اور ناکام بھی کرتے ہیں۔ غرض جو کچھ بھی ہوتا ہے چیزوں سے نہیں ہوتا اللہ کے حکم اور اس کی قدرت سے ہوتا ہے۔

• کائنات کا یہ وہ رخ ہے جو انبیاء علیہم السلام پر کھولا جاتا ہے اور انہی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے اور وہی قدرت کے اعتبار سے استفادے کے طریقے لے کر آتے ہیں۔

عالم کی چیزوں پر نظر رکھ کر اور ان میں نفع نقصان سمجھ کر ان کو استعمال کرنے یا ان میں اپنے کو لگانے کا طریقہ ہر شخص خود تجویز کر سکتا ہے کیونکہ چیزیں نظر آتی ہیں اور ہر شخص ان کو دیکھتا ہے لیکن اللہ کا حکم اور اس کی قدرت جو چیزوں میں کام کرتی ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتی اس لئے اس سے استفادہ کا طریقہ انسان خود تجویز نہیں کر سکتا، یہ علم اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام پر کھولتے ہیں۔ اس لئے اس سے فائدہ اٹھانے کے طریقے انہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے انسانوں کو شکلوں اور چیزوں سے ہٹایا نہیں بلکہ یہ بتایا کہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم کو اصل سمجھتے ہوئے ان چیزوں میں لگو اور یہ یقین بنا لو کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے تشریعی اوامر کی تابعداری کرتے ہوئے ان شعبوں میں لگو گے اور ان چیزوں کو استعمال کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے انہی چیزوں سے تم کو نفع پہنچائے گا۔ اور یہ نفع آخرت تک چلے گا بلکہ وہیں بھرپور حاصل ہو گا یہی ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کا منشا کہ اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں ہو گا اور کچھ نہیں ملے گا بس اللہ ہی کے کرنے سے ہو گا اور ملے گا۔ اور ان کا فضل وکرم جب ہو گا جب ہماری زندگی اور چیزوں میں ہمارا لگنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر ہو گا۔

اب دو کام ہیں ایک اپنے میں لا الہ الا اللہ والے یقین کا پیدا کرنا اور دوسرا ہر عمل اور ہر شعبہ

ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے کا عادی بننا اور اس کی مشق کرنا — یہ دونوں باتیں پیدا کرنے کے لئے نماز دی گئی اور ایک محنت دی گئی۔ اور مسجد کو ان دونوں کا مرکز بنا دیا گیا۔

مسجد سے دن رات میں پانچ دفعہ اعلان کرایا جاتا ہے۔ جس میں سب سے پہلے چار دفعہ کہلوایا جاتا ہے — اللہ اکبر اللہ اکبر — اللہ اکبر اللہ اکبر — اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ عناصر اربعہ سے یعنی مٹی، پانی، ہوا اور آگ سے بنا ہے اور ان میں سے ہر ایک کا حال کہ ان میں سے ایک ایک ساری دنیا کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔ مٹی یعنی زمین اگر آدھے دن کے لئے زلزلہ سے ہلا دی جائے تو ساری دنیا ختم ہو جائے — اسی طرح اگر پانی چھوڑ دیا جائے تو نوح علیہ السلام کے زمانہ کی طرح ساری غرق ہو کر فنا ہو جائے — اسی طرح اگر قوم عاد کی طرح چھوڑ دی جائے تو ساری دنیا کا خاتمہ ہو جائے — اسی طرح اگر آگ کو جلا ڈالنے کا حکم ہو جائے تو ساری دنیا راکھ کا ڈھیر بن جائے۔ تو اذان میں سب سے پہلے چار دفعہ کہا جاتا ہے " اللہ اکبر اللہ اکبر " اللہ سب سے بڑا ہے۔ آسمان و زمین اللہ کے سامنے کچھ بھی نہیں عناصر اربعہ اور ان سے جو کچھ بنا ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ خدا کی ہستی کے سامنے ہر چیز حقیر اور بے حقیقت ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ روس و امریکہ اور دنیا کی ساری طاقتوں اور حکومتوں کی اللہ کے سامنے کوئی حقیقت نہیں اللہ کی ہستی سب سے بڑی ہے۔ " اللہ اکبر اللہ اکبر "

اس کے بعد دوسری بات یہ کہلوائی جاتی ہے " اشہد ان لا الہ الا اللہ " بناؤ بگاڑ والا اللہ کے سوا کوئی نہیں، شکلوں اور چیزوں سے کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ ہی کے کرنے سے ہوگا.. اشہد ان لا الہ الا اللہ اس کے بعد کہلوایا جاتا ہے " اشہد ان محمدا رسول اللہ " اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑے ہیں اور جن کے ہاتھ میں بناؤ و بگاڑ اور کامیابی و ناکامیابی ہے ان کی قدرت سے استفادہ کا طریقہ ہم خود نہیں جانتے۔ ہم اس راستہ میں نابینا ہیں، اس

کے راہ نما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے طریقے پر چل کر ہی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ۔

اس کے بعد کہلوایا جاتا ہے "حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح" یہ باتیں اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے نماز کے لئے یہاں آؤ۔ کامیابی یہاں والے اعمال سے ملے گی۔

اللہ والے اعمال ہیں (یعنی عبادات ہیں) کچھ تو وہ ہیں جن کے ساتھ چیزوں میں بھی لگ سکتے ہیں۔ چیزوں سے کلی انقطاع ضروری نہیں۔ حج۔ روزہ۔ زکوٰۃ کا حال یہی ہے روزہ میں کھانا کھا تو نہیں سکتے مگر کھانا پکا سکتے ہیں۔ دوسروں کو کھلا سکتے ہیں۔ تجارت اور زراعت وغیرہ کے کام کر سکتے ہیں۔ ان کی باتیں کر سکتے ہیں اسیطرح زکوٰۃ زکوٰۃ دیتے وقت کھانا پینا دوسرے کاموں میں لگنا منع نہیں ہے، حج میں بھی دوسرے کاموں کی ممانعت نہیں ہے یہاں تک کہ سلا کپڑا پہننے کی ممانعت ہے۔ لیکن پہننے کے لئے کپڑا سینے کی ممانعت نہیں ہے —— لیکن نماز وہ عبادت ہے جس میں آدمی تمام چیزوں سے کٹ کر لگتا ہے۔ نہ کھانا کھائیں گے، نہ کھلائیں گے۔ نہ پکائیں گے، نہ کپڑا سیئیں گے۔ نہ کسی سے کوئی بات کریں گے، دھیان بھی ہر چیز سے ہٹا کر اللہ پر لگانے کی کوشش کریں گے ——

تو اذان کے ذریعہ پہلے مسجد سے "اللہ اکبر اللہ اکبر" اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ اور اشہد ان محمداً رسول اللہ کی آواز لگوا کر یقین درست کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اس کے بعد نماز کے عمل کے لئے بلایا جاتا ہے جس میں چیزوں سے کٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر اللہ تعالیٰ سے وابستگی کی مشق کی جاتی ہے اور اس میں کامیابی بتائی جاتی ہے۔

بھائی دوستو! جو کوئی مشین بناتا ہے وہی اس کے چلانے کا طریقہ اور بناؤ بگاڑ کی بات بھی جانتا ہے۔ جو مشینیں باہر سے آتی ہیں ان کے ساتھ بنانے والوں کی طرف سے چلانے کے طریقہ کے بارے میں ہدایات بھی آتی ہیں —— انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے

بنایا ہے۔ ماں کے پیٹ میں رکھ کر بنایا ہے جہاں کسی دوسرے کا ہاتھ بھی نہیں لگ سکتا بلکہ نظر بھی نہیں جا سکتی۔ وہی اللہ جانتا ہے۔ کہ انسان کی مشین کس طرح استعمال ہونے میں اس کا بناؤ اور تعمیر ہے۔ اور کس طرح استعمال ہونے میں اس کا بگاڑ اور تخریب ہے۔ اس نے پیغمبروں کو بھی بنانے کے لئے بھیجا اور سب سے آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ اب جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق اپنے کو استعمال کرے گا وہ کامیاب ہوگا۔ اور جو ان کے طریقہ کے خلاف اپنے کو استعمال کرے گا وہ ناکام ہوگا اور اس کی یہ ناکامی پوری طرح آخرت میں ظاہر ہوگی جو انسانوں کے لئے اصلی اور دائمی عالم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیا ہے حاکم، محکوم، امیر، غریب، کالے گورے وغیرہ وغیرہ۔ اب ان کی تعمیر اور کامیابی ان مختلف طبقات کے جوڑ میں ہے جوڑ والے طریقے قرآن مجید نے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ اگر ساری دنیا کے خزانے خرچ کر کے کوئی جوڑ پیدا کرنا چاہے تو پیدا نہیں ہو سکتا۔ اللہ والے اعمال میں لگنے سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے جوڑ پیدا کر دیتے ہیں۔ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ (اے محمد آپ ساری دنیا کے خزانے خرچ کر کے ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے۔ ہم نے اپنی قدرت سے جوڑ دیا ہے۔

انسان کا مزاج ہے جو اس سے فائدہ کھینچے اس سے کٹتا ہے اور جو اس کو فائدہ پہنچائے اس سے جڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ طریقہ بتایا جس پر چل کر ہر ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والا بنے کوئی کسی سے فائدہ کھینچنے والا نہ بنے غریبوں کو بتایا کہ مال والوں کے پاس جو کچھ ہو اس سے فائدہ اٹھانے کا خیال وہ دل سے نکال دیں اور خود اپنی ذات سے ہر غریب و امیر کو فائدہ پہنچانے والے بن جاویں۔ مثلاً وہ راستہ نہ جانتے ہوں تو خود چل کر اور تکلیف اٹھا کر ان کو راستہ بتا دیں، میت ہو جائے تو اس کو اٹھانے اور دفن وغیرہ میں مدد دیں۔ خود قبر

کھودنے میں لگ جائیں ۔بیمار پڑ جائیں تو عیادت کریں محض اللہ کے لئے ان کا بوجھ اٹھادیں اور اگر ان کے پڑے ہوئے پیسے کہیں مل جائیں تو پتہ چلا کر ان تک پہنچا دیں، کوئی خطرہ ہو تو ان کی حفاظت کریں، پہرہ دیں، راستہ میں اگر ان کی موٹر کہیں پھنس جائے تو نکالنے میں مدد کریں، اور ضرورت ہو تو اپنے جھونپڑے میں ان کو ٹھہرائیں۔ اور جو میسر ہو کھلائیں اور جب وہ ان خدمتوں کے عوض میں پیسے دینے لگیں تو کہدیں کہ میں نے جو کچھ کیا تھا خدا کے راضی کرنے کے لئے اور اس سے ثواب لینے کے لئے کیا تم سے کچھ لینے کے لئے نہیں کیا ۔تمہارے پیسے تم کو مبارک — یہ غریبوں کو بتایا گیا — اور مال والوں کو بتایا گیا کہ اپنے مال کی ہر جنس اور ہر قسم غریبوں پر لگائیں ۔ پیسے بھی خرچ کریں کھانے میں بھی ان کو شریک کریں کپڑے بھی ان کو لا کر دیں ۔اپنی موٹر اور سواری بھی ان کے استعمال کے لئے دیں اور جب اس کے عوض میں غریب اپنی جانی خدمت کے لئے پیش کریں تو یہ مالدار ان سے کہدیں کہ ہم تم سے کوئی جزا نہیں چاہتے خدا سے لے لیں گے جب یہ طریقہ چالو ہو گا تو غریبوں سے امیر اور امیروں سے غریب جڑ جائیں گے ۔

ایسے ہی حاکموں اور محکوموں کو بتایا گیا کہ وہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے والے بنیں فائدہ کھینچنے والے نہ بنیں ۔حاکموں سے کہا گیا کہ حکومت کے جو اختیارات اور جو وسائل ان کے پاس ہوں وہ ان سے محکوموں کو فائدہ پہنچائیں اور ان کو سہولتیں پہنچانے کی کوشش کریں ان کی تجارتوں اور زراعتوں میں ان کی مدد کریں ان کے لئے قانونی مشکلیں پیدا نہ کریں ان سے لینے اور کھینچنے والے نہیں بلکہ ان کو دینے والے اور نفع پہنچانے والے بنیں — جب اہل حکومت ایسا کریں گے تو پبلک کے عوام ان کو بدلنا ہی نہ چاہیں گے ۔الیکشن کے ہنگاموں کی ضرورت ہی نہ ہوگی ۔اسی طرح محکوم عوام سے کہا گیا کہ وہ حکومت والوں سے لینے کی نہ سوچیں بلکہ ان کو اپنے جان مال سے فائدہ پہنچانے والے بنیں اور ان کے مسائل میں ان کی مدد کریں ان کے لئے مشکلات پیدا نہ کریں ۔ان سے اگر کوتاہیاں ہوں تو درگزر کریں اور اللہ کے حوالہ کریں ۔

الغرض ہر طبقہ کو دوسروں کی نفع رسانی کے طریقہ پر لگایا گیا اور بنایا گیا کہ اپنے جان و مال اور درد و فکر کا زیادہ حصہ دوسروں کے بنانے پر لگاؤ — یہ اسلام کا بنایا ہوا طریقہ ہے۔ اگر اس پر چلا جائے تو ہر طبقہ کا دوسرے سے پورا جوڑ ہوگا اور ہر کام دیانت داری سے اور ٹھیک ٹھیک ہوگا۔ کوئی بے ایمانی سے روپیہ اور جائیداد پیدا کرنے کی فکر نہیں کرے گا اور اگر اس کے برعکس ذہن فائدہ اٹھانے کا ہوا تو پھوٹ ہی پھوٹ ہوگی اور لوگوں کی نیتیں خراب ہوں گی پھر یہ ہوگا کہ پچاس لاکھ کے ٹھیکے والے پل پر صرف دس لاکھ کی لاگت لگائی جائے گی جس وجہ سے پل کمزور بنے گا۔ کوئی سڑک ٹھیک نہیں بنے گی۔ کوئی کام ٹھیک نہیں ہوگا — خوب سمجھ لو لینے والے ذہن سے کوئی تعمیر نہیں ہوسکتی، تعمیر نفع رسانی اور دوسروں کو دینے والے طریقہ سے ہوسکتی ہے — اور نفع رسانی کا ذہن جب ہی بن سکتا ہے اور اپنی پاس والی چیز دوسروں پر لگانے کا طریقہ جب ہی چالو ہوسکتا ہے جب یہ یقین دل میں اتر جائے۔ کہ دینے والے تو بس اللہ ہیں چیزوں سے کچھ نہیں ہوتا اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور ہیں جب اس کی رضا کے مطابق استعمال ہوں گا تو اللہ میرے سب کام بنا دیں گے اور نعمتوں کے دروازے کھول دیں گے — اس کی مشق نماز میں ہوگی۔

آج کہتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں اسلام چلنے والا نہیں ہے، صحیح ہے لینے کا ذہن رکھنے والوں میں دینے کا طریقہ کیسے چلے۔ اسلام کو اپنی خواہش اور اپنی حالت کے مطابق بنا کے چلاؤ گے تو وہ اسلام رہے گا ہی نہیں۔ وہ تو تمہاری بنائی ایک نئی چیز ہو جائے گی۔

کسی نے اپنے بدن پر گودنے والے سے شیر کی تصویر بنوانی چاہی جب وہ سوئی سے گودنے لگا اور تکلیف ہوئی تو گودنے والے سے کہا کہ کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ پہلے شیر کی دم بنا رہا ہوں، اس آدمی نے کہا کہ دُم چھوڑ دو بے دُم کے بھی شیر کی تصویر بن سکتی ہے اس نے دم چھوڑ دی اور دوسری طرف سے بنانا شروع کیا۔ اب اس نے کہا کہ اب کیا بنا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ کان بنا رہا ہوں، اس نے کہا بے کان بھی شیر بن سکتا ہے۔ تم کان نہ بناؤ

بے کان کا شیر بنا دو ـــ تو بھائی دوستو! یہی اسلام کے ساتھ ہو رہا ہے کہ اپنے مزاج کے بدل جانے کی وجہ سے اسلام پر چلنا مشکل ہو رہا ہے تو اسلام کی قطع بریدکی جارہی ہے اور اس کو اپنی خواہش کے مطابق بنایا جارہا ہے۔ اس لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اپنے مزاج کو اسلام کے مطابق بنا لیا جائے اور یہ جب بنے گا جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائے کہ کسی مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا سب اللہ سے ہوتا ہے۔ اور حالات کا بناؤ بگاڑ اور تعمیر و تخریب اور کامیابی ناکامی چیزوں کے ہونے نہ ہونے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بنانے اور چمکانے کا فیصلہ جب کریں گے جب ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر آجائیں گا ـــ تو اس راستہ پر چلنے کے لئے خارجی نہیں بلکہ داخلی دولتیں چاہئیں خدا کا یقین ہو، خدا کا دھیان ہو۔ خدا کا خوف ہو ـــ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر خدا کے خزانوں سے ملنے کا اور نعمتوں کے دروازے کھلنے کا یقین ہو ـــ ان اندرونی تبدیلیوں کے لئے کچھ کرنا پڑے گا۔ چیزوں سے کامیابی کا یقین ہٹانے کے لئے اور اللہ سے کامیابی کا یقین جمانے کے لئے کچھ مدت کے لئے چیزوں میں سے نکلنا ہوگا۔ ایمان کی مجلسوں میں بیٹھ کر ایمان کی باتیں سننا سنانا ہوگا۔ نماز کے فضائل اور اس کے برکات معلوم کرکے اس یقین کے ساتھ نماز میں لگنا ہوگا۔ کہ ہم خدا میں لگیں گے۔ تو خدا ہم کو نوازیں گے۔ اسی طرح اذکار و تسبیحات کے فضائل معلوم کرکے ان کے یقین کے ساتھ ان میں لگنا ہوگا۔ دوسروں کے ساتھ اچھے سلوک اور خدمت کی مشق اس یقین کے ساتھ کرنی ہوگی کہ ہم جتنا اچھا سلوک اللہ کے بندوں کے ساتھ کریں گے ویسا ہی اچھا سلوک اللہ تعالیٰ اپنی شان عالی کے مطابق ہمارے ساتھ کریں گے خاص کر ایمان کی نسبت سے ہر مسلم کے اکرام کی اور اپنے کو حقیر و کمتر سمجھنے کی مشق کرنی ہوگی ـــ ان باتوں کو دوسروں کو بھی دعوت اپنی حاجت سمجھ کر اس یقین کے ساتھ دینی ہوگی کہ جب میں اللہ کے دوسرے بندوں میں اس کے لئے کوشش اور محنت کروں گا۔ اور اس راستہ میں تکلیفیں اور ذلتیں اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ مجھے ان چیزوں سے محروم نہ رکھیں گے ـــ اس کی بھی

مشق کرنی ہوگی۔ کہ سارے کام صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوں ـــــ اس طرح کچھ مشق کر لینے سے انشاءاللہ سب طبقوں میں جوڑ کی شکل پیدا ہو جائے گی۔

امریکہ والوں نے سب کچھ بنا لیا لیکن کالوں اور گوروں کو جوڑنے میں وہ بالکل ناکام رہے اس طرح انھوں نے شراب بند کرنے کے لئے کروڑوں روپیہ خرچ ڈالا اور ساری کوششیں کر لیں لیکن بجائے کمی کے اس میں اور زیادتی ہوئی، الحمدللہ اس تبلیغ کے عمل سے لاکھوں ایسے آدمیوں کے جرائم چھوٹ گئے جن کا جرائم چھوڑنا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔

الحمدللہ اس کام میں سارے ہی طبقات لگ رہے ہیں، جو طبقہ اس پر محنت کرے گا اور یہ باتیں اپنے اندر پیدا کرے گا اس سے سب لوگ جڑ جائیں گے۔ ہم اگر اپنے ہی ساتھ جوڑنا چاہتے تو جوڑنے کی یہ ترکیب آپ کو نہ بتاتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ سب اس طریقہ پر کچھ محنت کر لیں پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کے ذریعے کتنی آسانی سے سب طبقوں کو جوڑتا ہے آج ہر طبقہ میں ہر جگہ توڑنا چل رہا ہے۔ اور مسائل بگڑتے چلے جا رہے ہیں، اس کا علاج صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ میں ہے ـــــ جو جتنا کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اتنا پالے گا۔

ہم نے اس کام کے لئے کوئی انجمن نہیں بنائی نہ اس کا کوئی دفتر ہے نہ رجسٹر ہے نہ فنڈ ہے۔ یہ سارے ہی مسلمانوں کا کام ہے۔ ہم نے مروجہ طریقہ پر کوئی علیحدہ جماعت بھی نہیں بنائی ہے ـــــ جس طرح مسجد میں نماز کے عمل کے مختلف طبقوں اور مشغلوں والے مسلمان آکر جڑ جاتے ہیں اور نماز سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھروں اور مشغلوں میں چلے جاتے ہیں، اس طرح ہم سب سے کہتے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے اپنے گھروں اور مشغلوں سے نکل کر یہ محنت اور مشق کر لیجئے اور پھر اپنے گھروں اور مشغلوں میں آکر ان اصولوں کے مطابق لگ جائیے ـــ آپ نے اگر یہ چیز محنت کر کے حاصل کر لی تو دنیا بھر کے سائنس والے آپ سے یہ طریقہ سیکھنے آئیں گے اور خدا نے چاہا تو آپ دنیا کے امام ہوں گے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

:- از مولانا محمد الحسنی ندوی ایڈیٹر تعمیر حیات لکھنؤ :-

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم　　　الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

یہ سطریں لکھتے وقت قلم کا جگر شق ہوتا ہے کہ عالم اسلام کی سب سے بڑی تبلیغی تحریک کے رہنما شیخ وقت اور عالم ربانی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب تقریباً ربع صدی تک مسلسل سفر، مسلسل جد و جہد، مسلسل دعوت اور مسلسل نقل و حرکت کے بعد اب خدا کے جوار رحمت میں آرام کر رہے ہیں ؎

یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي -

اللہ کے اس مقبول و برگزیدہ بندے نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ کی جس امانت کو ان کے دوران علالت میں اپنے سینے سے لگایا تھا اس کو آخر دم تک اس وفاداری سے نبھایا کہ عشاق و محبین اس راہ کے فدائیوں اور وفاداروں اور محبت کا دم بھرنے والوں کو بھی اس پر رشک آئے اور بڑے بڑے اہل عزیمت و اہل محبت اس حالت کی تمنا اور اس سعادت کے حصول کی دعا کریں۔

مولانا کی زندگی کا سب سے بڑا وصف اور سب سے بڑا کارنامہ نہ تبلیغی کام کی وسعت و عمومیت ہے اور نہ مردم سازی و تربیت، ان کا امتیاز یہ نہیں کہ انہوں نے اس کام کو ہندوستان سے نکال کر ممالک عربیہ، چین، جاپان اور یورپ و امریکہ تک پہنچا دیا اور نقل و حرکت اور دور دور تک اس قدر وسعت دی کہ اس کا مالی حساب

لگایا جائے تو شاید کروڑوں روپے تک جا پہنچے۔ اس کام کی وسعت و ترقی کی اہمیت اور اس کے زبردست نتائج سے کوئی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مولانا کا سب سے بڑا وصف اور ان کا اصل امتیاز دو چیزوں میں مضمر ہے، اور یہ وہ چیزیں ہیں جن میں مبلغین و اہلِ دعوت و اصلاح کے حلقہ میں ان کا کوئی شریک و ہمسر نظر نہیں آتا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ "رتبۂ بلند" اس عہد میں انہیں کے ساتھ مخصوص رہا۔ ایک یقین کی طاقت، دوسرے تبلیغ و دعوت میں مکمل فنائیت۔

ان کا اصل موضوع اور ان کی آواز یہی "یقین" تھا اور یہ یقین ان کے رگ و ریشہ میں اس طرح پیوست ہو گیا تھا کہ ان کی زندگی کا کوئی لمحہ یا کوئی گوشہ اس سے خالی نہ تھا۔ ایسا نہ تھا کہ گوشۂ تنہائی یا عبادت و ریاضت کے وقت تو یہ یقین ان کو حاصل ہو۔ لیکن اقتدار کی قوت و جاہت و دولت اور علم و فلسفہ کے سامنے یہ یقین ان کا ساتھ چھوڑ دے، اپنے مبلغین و محبین کے سامنے یہ یقین پوری قوت کے ساتھ جلوہ ریز ہو اور وزراء اہلِ حکومت یا اہلِ دولت کے سامنے اس میں اتنی قوت باقی نہ رہ جائے۔ یہ یقین اس وقت تک تو حاصل ہو جب تک اس کو آزمانے کا موقعہ نہ آئے اور امتحان و آزمائش کے وقت بے یار و مددگار چھوڑ دے۔

مولانا نے ایک مرتبہ دعوت کے شرائط و آداب پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب دو آدمی ملتے ہیں تو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی کسی سے متاثر نہ ہو۔ یا تو آدمی متاثر کرتا ہے یا خود متاثر ہوتا ہے۔ درمیان میں کوئی درجہ نہیں ہے، اس لئے اگر تم مخاطب کو متاثر نہیں کر سکے، تو یہ سمجھو کہ تم غیر ارادی طور پر خود اس سے متاثر ہو چکے ہو۔

یہ بات سب سے پہلے خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ پر صادق آتی ہے۔ وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے سامنے اسی قوت، اسی یقین، اسی صراحت، اسی دل سوزی

اور اسی سطح سے بات کرتے جو کارِ نبوت کے شایانِ شان اور منصب علماء کے لائق اور مناسب ہو۔ وہ جس طرح ایک عامی سے بات کرتے تھے، اسی طرح ایک وزیر یا سفیر یا ایک کروڑپتی اور بڑے سے بڑے سیاسی مدبر سے بات کرتے تھے۔ بلکہ شاید اس سے زیادہ صراحت اور قوت کے ساتھ۔

پاکستان میں ایک مرتبہ بعض مخلص و اہل تعلق نے جو حکومت کے اعلیٰ مناصب پر فائز تھے، ایک مخصوص اجتماع کیا، اور اس میں وزرائے حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار اور ممتاز ترین شخصیتوں کو مدعو کیا، مولانا تشریف لائے تو ان سب کا تعارف کرایا گیا کہ آپ فلاں وزیر ہیں، آپ اس محکمہ کے سیکرٹری ہیں، آپ فلاں جگہ کے ڈائرکٹر ہیں جب تعارف کا سلسلہ ختم ہوا تو مولانا نے بات اس طرح شروع فرمائی۔

"بھائیو! ابھی آپ نے معلوم نہیں کن کن عہدیداروں کا تعارف کرایا" اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔

"ہاں اگر آپ یوں تعارف کراتے تو شاید ہمیں زیادہ سمجھ جاتا" جن حضرات نے ان لوگوں کو مدعو کیا تھا ان کے سر مارے ندامت اور خوف کے جھکے ہوئے تھے کہ اس بات کا کیا اثر ہوتا ہے۔ مولانا نے عجیب موثر اور دل نشین انداز سے فرمانا شروع کیا کہ "میرے بھائیو! وزیر تو مسلم بھی ہوتا ہے اور غیر مسلم بھی، ڈاکٹر مسلم بھی ہوتا ہے اور غیر مسلم بھی، اسی طرح تمام عہدوں کا سال ہے۔ اس میں ہماری اور آپ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہمارے اسلاف کا جب بھی تعارف کرایا جاتا تھا تو یہ نہیں کہا جاتا تھا کہ اتنی ملوں کا مالک ہے، اتنی کوٹھیوں کا مالک ہے اور اتنی موٹروں کا مالک ہے۔ بلکہ یوں تعارف ہوتا تھا کہ یہ بدری ہیں۔ انہوں نے احد میں حصہ لیا تھا۔ انہوں نے فلاں غزوہ میں حصہ لیا تھا۔ اور یہ اتنے غزوات میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے دین کے لئے یہ قربانیاں دیں"۔ اسی دردمندانہ اور مخلصانہ انداز میں تقریباً ساڑھے تین گھنٹے تقریر کی۔

جن لوگوں نے یہ جلسہ بلایا تھا وہ منتظر تھے کہ دیکھیں مولانا کی اس تقریر کا کیا ردِ عمل ہوتا ہے اور یہ لوگ کتنے غیظ و غضب کے عالم میں واپس جاتے ہیں، لیکن اس کا ردِ عمل صرف یہ ہوا کہ شام کے عمومی اجتماع میں نہ صرف وہ لوگ خود موجود تھے بلکہ اپنے ساتھ دوسرے عہدہ داروں کو بھی لائے تھے اور اسٹیج پر وزرار کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی جو اس مخصوص اجتماع میں تھی۔

یہ یقین مولانا کے سینے سے چشمہ کی طرح ابلتا اور کسی وقت (کسی دن یا کسی ہفتہ کا ذکر نہیں) اس کا سوتا خشک نہ ہوتا اور ایسا معلوم ہوتا کہ وہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہے ہیں اور یہ ان کا ایسا حال اور واقعہ ہے جس کے لئے کسی تصنع اور تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ یقین ان کے پاس بیٹھنے والوں یا ان کی تقریر سننے والوں کو اس طرح متاثر کرتا کہ بعض اوقات ان کے مضامین اور ان کی تقریریں پوری طرح نہ سمجھتے اور ذوق و طرزِ بیان کے اختلاف کے باوجود وہ اس کی گرمی اور حرارت کو اپنے سینہ میں منتقل ہوتے ہوئے محسوس کرتے تھے یا کم از کم اتنا ضرور سمجھ لیتے تھے کہ اس شخص کو یقین کی جو دولت حاصل ہے، وہ کم لوگوں کے پاس ہے۔ نجی بات چیت ہو یا عمومی، ایک لاکھ کا مجمع ہو یا ایک سو کا، مولانا ہمیشہ یکساں طرز اور یکساں قوت کے ساتھ بات کرتے تھے اور ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے موضوع سے نہ ہٹتے تھے، وہ باتیں جو اس مادیت کے دور میں نامانوس ہیں اور جن سے اچھے اچھے علماء اور دینی رہنما مصلحت کے خیال سے یا زمانہ کے رجحان سے مجبور ہو کر یا انسان کی مادی ترقی سے مسحور ہو کر پرہیز کرنے لگے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کا ذکر ان کی تحریروں اور تقریروں میں کم سے کم آئے اور زیادہ زور مسلمانوں کے سیاسی و معاشی مسائل اور اسلام کے جمہوری تمدنی مسائل پر دیا جائے اور اس کو محض ایک سیاسی تحریک، ایک معاشرتی نظام، ایک اقتصادی تنظیم اور

ایک تمدنی ارتقار کے طور پر پیش کیا جائے۔ وہ باتیں مولانا بلا کسی جھجک کے اور بغیر کسی معذرت کے اپنی پوری قوت کے ساتھ پیش کرتے تھے بلکہ یہی ان کی ہر گفتگو اور تقریر کا محور ہوتا۔ آخرت پر یقین، خدا کے وعدہ پر اعتماد، توکل، جنت کا تذکرہ، اہل جہنم کے واقعات، غیبی حقائق اور انسان کی روح کی اہمیت، مادیت کا انکار، دنیا اور آخرت کا مقابلہ اور رسول اللہ اور صحابہ کرام کی زندگی اور ان کی مثالیں اور نمونے۔ دعوت کی طاقت اور اس کی تاثیر و تسخیر، یقین کی اہمیت اور اس کے محیر العقول واقعات۔ یہ چیزیں تھیں جن پر مولانا کی تقریر مشتمل ہوتی تھی۔ لیکن اس عقل پرست، بلکہ ہوس پرست عہد میں اور اس بدلے ہوئے ذوق و رجحان کے باوجود ان کی یہ باتیں ہر طبقہ اور ہر حلقہ کو کسی نہ کسی پہلو سے ضرور متاثر کرتی تھیں اور اس کا سب سے بڑا راز مولانا کی قلبی قوت اور یقین کی طاقت تھی، جو ان کے لفظ لفظ سے ظاہر ہوتی تھی اور پرستاران عقل اور گرفتاران نفس کو متاثر کئے بغیر نہ رہتی تھی۔

اس کے ساتھ دوران گفتگو اور دوران تقریر میں ایسے معانی کا ورود ہوتا جس کو آورد اور تکلف یا نکتہ آفرینی سے کوئی علاقہ نہ تھا بلکہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور طاقت ان سے یہ مضامین اور حقائق و معارف کروا رہی ہے، وہ صرف اس کے ناقل ہیں ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مولانا کو اس بات کا کامل یقین تھا کہ "ایمان و یقین" کے بغیر امت محمدی میں کوئی تغیر اور انقلاب پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کے بغیر کوشش کی گئی تو وہ اسلام کی روح اور اس امت کے مزاج اور اس کی تاریخ و تجربہ کے خلاف ہوگی۔ جس کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ایمان ہی کے سہارے یہ امت آگے بڑھی اور بحر و بر پر چھا گئی۔ اور ایمان ہی کمزور ہونے اور خدا سے رشتہ منقطع ہونے کے بعد اس کا شیرازہ منتشر ہو اور اس کو اپنی پناہ گاہ میں واپس جانا پڑا ؎

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسُول ہاشمی

مولانا کی دوسری اہم خصوصیت دعوت میں انہماک کامل بلکہ فنائیت تامہ ہے، اور یہ دراصل اسی پہلی خصوصیت کا پرتو اور عکس ہے۔ اس یقین نے مولانا کو اس درجہ بے چین، مضطرب اور سیماب وش بنا دیا تھا کہ ان کو کسی پہلو قرار نہ آتا تھا اور اس یقین کی اشاعت اور تبلیغ و دعوت ان کے لئے اتنی ہی ضروری ہو گئی تھی، جیسے انسان کے لئے غذا اور ہوا۔ ان کی پوری زندگی اسی دعوت سے عبارت تھی اور وہ اسی کے سہارے جی رہے تھے۔ رات کے ایک مختصر وقفہ اور مختصر قیلولہ کے سوا ان کا سارا وقت اسی اسی فکر اور اسی تڑپ میں گزرتا تھا۔ جماعتوں کی تشکیل، وفود سے ملاقات، ان کی رخصتی کی دعا، دعوت کی حقیقت اور اس کی شرائط و آداب اور ایمان و یقین پر مسلسل تقریریں درس حدیث اور مسلسل گفتگو اور مشورے یہ ان کے شب و روز کا معمول تھا۔ رات دیر تک یہ سلسلہ جاری رہتا، جہاں کچھ نئے لوگ آ جاتے، بس بہار آ جاتی۔ مولانا چاہتے کہ اپنے سینہ کی ساری قوت اور اپنے دل کا سارا درد کھینچ کر ان کے سامنے رکھ دیں۔ کام کی نوعیت کی وجہ سے آنے والوں کا سلسلہ برابر جاری رہتا۔ اس لئے مولانا کی گفتگو برابر جاری رہتی۔ تقریروں کے بعد مولانا بڑے اہتمام اور درد و سوز سے طویل دعا کرتے اور سننے والوں کی آنکھیں نم اور دل گرم ہو جاتے۔ بعض شدت اثر یا فرط ندامت سے بے ساختہ رو پڑتے اور آنکھوں کو غسلِ صحت دیتے۔

یہ دعائیں اپنی تاثیر و قوت کے لحاظ سے مانگنے والے کے خلوص و یقین، دل شکستگی اور شان بندگی اور بے کسی و بے چارگی کے ساتھ ناز و اعتماد کی وجہ سے تقریروں سے کسی طرح کم نہ تھیں، اور بہت سے لوگ جو بعض اوقات مشغولیت کی وجہ سے ان تقریروں سے محروم ہو جاتے، اس دعا کو غنیمت اور حاصل تقریر اور اپنی آمد کا سب سے بڑا فائدہ سمجھتے۔

مولانا ان جلسوں کو بالکل لاحاصل سمجھتے تھے، جن کے بعد عمل کا کوئی قدم آگے نہ بڑھے۔ تبلیغ کے جلسوں میں بھی جہاں انہیں بلایا جاتا وہ پہلے سے وعدہ لے لیتے کہ تمہیں اتنے آدمی دینے ہوں گے یا اتنی جماعتیں نکالنی ہوں گی۔ شب و روز کے ان معمولات کے علاوہ اسفار اور دوروں کی ایک مسلسل زنجیر تھی جو ختم ہونے کو نہ آتی تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تبلیغی جماعت ان ہی سفروں کی بدولت قائم ہے اور اس کی زندگی اور قوت کا راز اسی میں مضمر ہے اس لئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مولانا کے دوروں کا کیا حال ہوگا۔ جہاں مولانا تشریف لے جاتے وہاں پہلے سے بہت اہتمام کیا جاتا اور ہزاروں لاکھوں افراد ذوق و شوق سے جلسوں میں شریک ہوتے اور مولانا کی طویل تقریریں سنتے۔ سینکڑوں جماعتیں باہر نکلتیں اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی جاتیں۔

مولانا اگر کسی کام کے آدمی کو دیکھ لیتے اور اس کی کوئی صلاحیت ان کے علم میں آتی تو وہ بے چین ہو جاتے کہ کسی طرح اس کو تبلیغ کی طرف متوجہ کر لیں۔ اچھی انگریزی جانتا ہوتا تو چاہتے کہ کسی طرح وہ تبلیغ میں لگ جائے اور اس کو یورپ کے کسی ملک یا امریکہ بھیج دیتے۔ اچھی عربی جانتا ہوتا تو چاہتے کہ عرب ممالک میں تبلیغ کے لئے بھیج دیں۔ اسی طرح انتظامی صلاحیت اور عقل و فراست جس میں جو بھی خوبی ہوتی مولانا دیکھ کر بے چین ہو جاتے کہ یہ دین کے کام کیوں نہیں آ رہی ہے۔

مولانا کی سب سے بڑی خصوصیت اور ان کی عظمت کا راز یہ ہے کہ ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول پر قربان ہونا کس کو کہتے ہیں۔ اس کے راستہ میں اپنے آپ کو مٹانے اور مٹا مٹا کر خوش ہونے میں کیا لذت ہے۔ وہ کیا بات ہے جو جب کسی کو حاصل ہوتی ہے، اس کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔ پھر اس راہ کا گرد و غبار اس کو نسیم سحری سے زیادہ عزیز ہو جاتا ہے۔ راستے کے کانٹے مہکتے ہوئے پھول بن جاتے ہیں اور لذت کے تھپیڑے اپنے ساتھ "بوئے دوست" لاتے ہیں پھر

آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اور اس کو صرف ایک بات یاد رہتی ہے، اور اس میں وہ اس طرح مست و سرشار رہتا ہے کہ پھر کوئی فانی لذت، عارضی دولت اور وقتی منفعت اس کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔

کسی طرح اس کی فکریں ایک فکر میں سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور نگاہیں ہر طرف سے ہٹ کر ایک "رخ زیبا" پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ کس طرح اس کا سینہ حسد سے، عداوت سے، تکبر سے، انانیت سے، خود غرضی سے اور تمام رذائل سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اس کو کسی اور طرف رخ کرنے کی فرصت ہی باقی نہیں رہتی، کسی طرح وہ اپنے وجود، اپنے جسم، اپنے دل، اپنی نگاہ، اپنے وقت، اپنے مال اور اپنے اہل وعیال سب کے ساتھ پروانہ کی بے تابی لئے ہوئے اور بلا کسی ملامت کی پرواہ کئے ہوئے اپنے محبوب و مطلوب پر نثار ہو جاتا ہے۔

اللہ کے اس بندے پر مرض کا حملہ بھی اسی حالت میں ہوا کہ وہ تقریر کر رہا تھا اور انتقال کے بعد یہ شان تھی کہ جنازہ تیار ہے اور جماعتوں کی تشکیل بھی ہو رہی ہے اور ہدایات بھی دی جا رہی ہیں۔ فضا غم سے بوجھل ہے، لیکن دین کے قافلے پُرعزم قدموں کے ساتھ اپنے راستے پر رواں دواں ہیں۔ اور وہ کام جس کے راستہ میں اس نے جان دے دی۔ اسی قوت، لیکن سکون اور خاموشی کے ساتھ جاری ہے۔ محبت کے دعویداروں اور اس "جنس نایاب" کے خریداروں کے لئے مولانا کی زندگی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں وہ عشق کی بولتی ہوئی تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ اور اپنے "سفر جنوں" کے لئے سامان نشاط فراہم کر سکتے ہیں ؎

پروانہ کا حال اس محفل میں، ہے قابل رشک اے اہل نظر،
اک رات میں یہ پیدا بھی ہوا، عاشق بھی ہوا، اور مر بھی گیا

اتحاد اور امتِ مسلمہ

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب علیہ الرحمتہ نے اپنے وصال سے تین دن پہلے یعنی ۲۶ ذیقعدہ (مطابق ۳۰ مارچ) منگل کے دن، بعد نماز فجر رائے ونڈ (ضلع لاہور) میں ایک اہم تقریر فرمائی تھی (یہ آپ کی زندگی کی اہم آخری تقریر تھی) ہمیں یہ تقریر مولانا عبدالعزیز صاحب گھکنوی کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے۔

" دیکھو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ساری رات مجھے نیند نہیں آئی، اس کے باوجود ضروری سمجھ کے بول رہا ہوں۔ جو سمجھ کے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اسے چمکائے گا۔ ورنہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارے گا۔

یہ امت بڑی مشقت سے بنی ہے اس کو امت بنانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں۔ اور ان کے دشمنوں یہود و نصاریٰ نے ہمیشہ اس کی کوششیں کی ہیں کہ مسلمان ایک امت نہ رہیں۔ بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوں، اب مسلمان اپنا امت پنا یعنی امت ہونے کی صفت، کھو چکے ہیں۔ جب تک یہ امت بنے ہوئے تھے چند لاکھ ساری دنیا پر بھاری تھے۔ ایک پکا مکان نہیں تھا۔ مسجد تک پکی نہیں تھی۔ مسجد میں چراغ تک نہیں جلتا تھا مسجد نبوی میں ہجرت کے ۹ویں سال چراغ جلا ہے۔ سب سے پہلا چراغ جلانے والے تمیم داریؓ ہیں۔ وہ ۹ھ میں اسلام لائے ہیں۔ اور ۹ھ تک قریب قریب سارا عرب اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ مختلف قومیں، مختلف زبانیں، مختلف قبیلے ایک امت بن چکے تھے تو جب یہ سب کچھ ہو گیا اس وقت مسجد نبوی میں چراغ جلا۔ لیکن حضور جو نور ہدایت لے کر تشریف لائے تھے وہ پورے عرب میں بلکہ اس کے باہر بھی پھیل چکا تھا۔ اور امت بن چکی تھی۔ پھر یہ امت دنیا میں اٹھی جدھر کو نکلی ملک کے ملک پیروں میں گرے۔ یہ امت اس طرح بنی تھی کہ ان کا کوئی آدمی

اپنے خاندان، اپنی برادری۔ اپنی پارٹی۔ اپنی قوم۔ اپنے وطن۔ اپنی زبان کا حامی نہ تھا۔ مال وجائیداد اور بیوی بچوں کی طرف دیکھنے والا بھی نہ تھا۔ بلکہ ہر آدمی صرف یہ دیکھتا تھا کہ اللہ و رسول کیا فرماتے ہیں۔۔ امت جب ہی بنتی ہے۔ جب اللہ و رسول کے مقابلہ میں سارے رشتے اور سارے تعلقات کٹ جائیں۔ جب مسلمان ایک امت تھے۔ تو ایک مسلمان کے کہیں قتل ہو جانے سے ساری امت ہل جاتی تھی۔ اب ہزاروں لاکھوں کے گلے کٹتے ہیں اور کانوں پر جوں نہیں رینگتی۔

امت کسی ایک قوم اور ایک علاقہ کے رہنے والوں کا نام نہیں ہے۔ بلکہ سینکڑوں ہزاروں قوموں اور علاقوں سے جڑ کر امت بنتی ہے۔ جو کوئی کسی ایک قوم یا ایک علاقہ کو اپنا سمجھتا ہے۔ اور دوسروں کو غیر سمجھتا ہے۔ وہ امت کو ذبح کرتا ہے۔ اور اس کے ٹکڑے کرتا ہے۔ اور حضورؐ کی اور صحابہؓ کی محنتوں پر پانی پھیرتا ہے۔ امت کو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پہلے خود ہم نے ذبح کیا ہے یہود و نصاریٰ نے تو اس کے بعد کٹی کٹائی امت کو کاٹا ہے۔ اگر مسلمان اب پھر امت بن جائیں تو دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔ ایٹم بم اور راکٹ ان کو نہیں ختم کر سکیں گے۔ لیکن اگر وہ قومی اور علاقائی عصبیتوں کی وجہ سے باہم امت کے ٹکڑے کرتے رہے تو خدا کی قسم تمہارے ہتھیار اور تمہاری فوجیں تم کو نہیں بچا سکیں گی۔

مسلمان ساری دنیا میں اس لئے پٹ رہا ہے اور مر رہا ہے کہ اس نے امت پنے کو ختم کر کے حضورؐ کی قربانی پر پانی پھیر دیا ہے۔ میں یہ دل کے غم کی باتیں کہہ رہا ہوں۔ ساری تباہی اس وجہ سے ہے کہ امت امت نہ رہی بلکہ یہ بھی بھول گئے کہ امت کیا ہے۔ اور حضورؐ نے کس طرح امت بنائی تھی۔

امت ہونے کے لئے اور مسلمانوں کے ساتھ خدائی مدد ہونے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں نماز ہو۔ مدرسہ ہو۔ مدرسہ کی تعلیم ہو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل ابن ملجم ایسا نمازی اور ایسا ذاکر تھا کہ جب اس کو قتل کرنے وقت غصہ میں بھرے لوگوں نے اس کی زبان کاٹنی چاہی تو اس نے کہا سب کچھ کر لو لیکن میری زبان مت کاٹو تا کہ زندگی

کے آخری سانس تک میں اس سے اللہ کا ذکر کرتا رہوں۔اس کے باوجود حضورؐ نے فرمایا کہ علیؓ کا قاتل میری امت کا سب سے زیادہ شقی اور بدبخت ترین آدمی ہوگا۔اور مدرسہ کی تعلیم تو ابوالفضل اور فیضی نے بھی حاصل کی تھی اور ایسی حاصل کی تھی کہ قرآن پاک تفسیر بے نقط لکھ دی حالانکہ انہوں نے ہی اکبر کو گمراہ کر کے دین کو برباد کیا تھا۔تو جو باتیں ابن ملجم اور ابوالفضل فیضی میں تھیں وہ امت بننے کے لئے اور خدا کی غیبی نصرت کے لئے کیسے کافی ہوسکتی ہیں۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے ساتھی دینداری کے لحاظ سے بہترین مجموعہ تھے۔وہ جب سرحدی علاقہ میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے ان کو اپنا بڑا بنالیا۔تو شیطان نے وہاں کے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ یہ دوسرے علاقے کے لوگ ہیں انکی بات یہاں کیوں چلے۔انہوں نے ان کے خلاف بغاوت کرائی ان کے کتنے ہی ساتھی شہید کر دیئے گئے اور اس طرح خود مسلمانوں نے علاقائی بنیاد پر امت پنے کو توڑ دیا۔اللہ نے اس سزا میں انگریزوں کو مسلط کیا۔یہ خدا کا عذاب تھا۔

یاد رکھو میری قوم اور میرا علاقہ اور میری برادری یہ سب امت کو توڑنے والی باتیں ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں اتنی ناپسند ہیں کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ جیسے بڑے صحابی سے اس بارہ میں جو غلطی ہوئی وہ اگر دب نہ گئی ہوتی تو اس کے نتیجہ میں انصار اور مہاجرین میں تفریق ہوجاتی،اس کا نتیجہ حضرت سعدؓ کو دنیا ہی میں بھگتنا پڑا۔روایات میں یہ ہے کہ ان کو جنات نے قتل کر دیا۔اور مدینہ میں یہ آواز سنائی دی اور بولنے والا کوئی نظر نہ آیا۔

قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ   رمیناہ بسھم فلم یخط فؤادہ

اس واقعہ نے مثال قائم کر دی اور سبق دیا کہ اچھے سے اچھا آدمی بھی اگر قومیت یا علاقہ کی بنیاد پر امت پنے کو توڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا۔

امت جب بنے گی جب امت کے سب طبقے بلا تفریق اس کام میں لگ جائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دے کے گئے ہیں اور یاد رکھو امت پنے کو توڑنے والی چیزیں معاملات

اور معاشرے کی خرابیاں ایک فرد یا طبقہ جب دوسرے کے ساتھ ناانصافی اور ظلم کرتا ہے اور اس کا پورا حق اس کو نہیں دیتا یا اس کو تکلیف پہنچاتا ہے یا اس کی تحقیر اور بے عزتی کرتا ہے۔ تو نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور امت پنا ٹوٹتا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ صرف کلمہ اور تسبیح سے امت نہیں بنے گی۔ امت معاملات اور معاشرت کی اصلاح سے اور سب کا حق ادا کرنے اور سب کا اکرام کرنے سے بنے گی۔ بلکہ جب بنے گی جب دوسروں کے لئے اپنا حق اور اپنا مفاد قربان کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنا سب کچھ قربان کر کے اور اپنے پر تکلیفیں جھیل کے اس امت کو امت بنایا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک دن لاکھوں کروڑوں روپے آتے۔ ان کی تقسیم کا مشورہ ہوا۔ اس وقت امت بنی ہوئی تھی یہ مشورہ کرنے والے کسی ایک ہی قبیلہ یا ایک ہی طبقہ کے نہ تھے۔ بلکہ مختلف طبقوں اور قبیلوں کے وہ لوگ تھے جو حضورؐ کی صحبت کے اعتبار سے بڑے اور خواص سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے مشورہ سے باہم طے کیا کہ تقسیم اس طرح پر ہو کہ سب سے زیادہ حضورؐ کے قبیلہ والوں کو دیا جائے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے قبیلہ والوں کو۔ پھر حضرت عمرؓ کے قبیلہ والوں کو اس طرح حضرت عمرؓ کے اقارب تیسرے نمبر پر آئے جب یہ بات حضرت عمرؓ کے سامنے رکھی گئی تو آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اس امت کو جو کچھ ملا ہے اور مل رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور آپؐ کے صدقے میں مل رہا ہے۔ اس لئے بس حضورؐ ہی کے تعلق کو معیار بنایا جائے۔ جو نسب میں آپؐ سے زیادہ قریب ہوں ان کو زیادہ دیا جائے جو دوم۔ سوم۔ چہارم نمبر پر ہوں ان کو اسی نمبر پر رکھا جائے اس طرح سب سے زیادہ بنی ہاشم کو دیا جائے۔ اس کے بعد بنی عبد مناف کو پھر قصی کی اولاد کو پھر کلاب کو، پھر کعب کو، پھر مرہ کی اولاد کو، اس حساب سے حضرت عمرؓ کا قبیلہ بہت پیچھے پڑ جاتا تھا اور بہت کم ہو جاتا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ نے یہی فیصلہ کیا اور مال کی تقسیم میں اپنے قبیلہ کو اتنا پیچھے ڈال دیا۔ اس طرح بنی تھی یہ امت۔

امت بننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب کی یہ کوشش ہو کہ آپس میں جوڑ ہو پھوٹ نہ

پڑے۔ حضورؐ کی ایک حدیث کا مضمون ہے کہ قیامت میں ایک آدمی لایا جائے گا۔ جس نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، تبلیغ سب کچھ کیا ہو گا مگر وہ عذاب میں ڈالا جائے گا کیونکہ اس کی کسی بات نے امت میں تفریق ڈالی ہوگی۔ اس سے کہا جائے گا۔ پہلے اپنے اس ایک لفظ کی سزا بھگت لے جس کی وجہ سے امت کو نقصان پہنچا، اور ایک دوسرا آدمی ہوگا جس کے پاس نماز، روزہ، حج وغیرہ کی بہت کمی ہوگی اور وہ خدا کے عذاب سے بہت ڈرتا ہوگا۔ مگر اس کو بہت ثواب سے نوازا جائے گا۔ وہ خود پوچھے گا کہ یہ کرم میرے کس عمل کی وجہ سے ہے اس کو بتایا جائے گا کہ تو نے فلاں موقع پر ایک بات کہی تھی جس سے امت میں پیدا ہونے والا ایک فساد رک گیا۔ اور بجائے توڑ جوڑ کے پیدا ہو گیا۔ یہ سب تیرے اسی لفظ کا صلہ اور ثواب ہے۔

امت کے بنانے اور بگاڑنے میں جوڑنے اور توڑنے میں سب سے زیادہ دخل زبان کا ہوتا ہے۔ یہ زبان دلوں کو جوڑتی بھی ہے اور پھاڑتی بھی ہے۔ زبان سے ایک بات غلط اور فساد کی نکل جاتی ہے۔ اور اس پر لاٹھی چل جاتی ہے اور پورا فساد کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ایک ہی بات جوڑ پیدا کر دیتی ہے۔ اور پھٹے ہوئے دلوں کو ملا دیتی ہے۔ اس لئے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ زبانوں پر قابو ہو۔ اور یہ جب ہو سکتا ہے جب بندہ ہر وقت اس کا خیال رکھے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ ہے اور اس کی ہر بات کو سن رہا ہے۔

مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے اوس اور خزرج ان میں پشتوں سے عداوت اور لڑائی چلی آرہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ پہنچے اور انصار کو اسلام کی توفیق ملی تو حضورؐ کی اور اسلام کی برکت سے ان کی پشتوں کی لڑائیاں ختم ہو گئیں اور اوس خزرج شیر و شکر ہو گئے۔ یہ دیکھ کر یہودیوں نے اسکیم بنائی کہ کسی طرح ان کو پھر سے لڑایا جائے ایک مجلس میں جس میں دونوں قبیلوں کے آدمی موجود تھے۔ ایک سازشی آدمی نے ان کی پرانی لڑائیوں سے متعلق کچھ شعر پڑھ کے اشتعال پیدا کر دیا۔ پہلے تو زبانیں ایک دوسرے کے خلاف چلیں، پھر دونوں طرف سے ہتھیار نکل آئے۔ حضورؐ سے کسی نے جا کر کہا۔ آپؐ فوراً تشریف لائے

اور فرمایا کہ میرے ہوتے تم آپس میں خون خرابہ کرو گے، آپؐ نے بہت مختصر مگر درد سے بھرا ہوا خطبہ دیا، دونوں فریقوں نے محسوس کر لیا کہ ہمیں شیطان نے ورغلایا، دونوں روئے اور گلے ملے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ الخ اے مسلمانو خدا سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنا چاہیئے اور مرتے دم تک پورے پورے مسلم اور فرمانبردار بندے بنے رہو، جب آدمی ہر وقت خدا کا خیال رکھے گا۔ اس کے قہر و عذاب سے ڈرتا رہے گا۔ اور ہر دم اس کی تابعداری کرے گا تو شیطان بھی اُسے نہیں بہکا سکے گا۔ اور امت پھوٹ سے اور ساری خرابیوں سے محفوظ رہے گی۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ـــ القرآن ـــ اور اللہ کی رسی کو یعنی اس کی کتاب پاک اور اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو، یعنی پوری اجتماعیت کے ساتھ اور امت بننے کی صفت کے ساتھ سب مل جل کر دین کی رسی کو تھامے رہو اور اس میں لگے رہو، اور قوم کی بنیاد پر یا علاقہ کی بنیاد پر یا زبان کی بنیاد پر یا کسی اور بنیاد پر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، اور اللہ کے اس احسان کو نہ بھولو کہ اس نے تمہارے دلوں کی وہ عداوت اور دشمنی ختم کر کے جو پشتوں سے تم میں چلی آرہی تھی۔ تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تمہیں باہم بھائی بھائی بنا دیا اور تم آپس میں لڑتے وقت دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے بس گرنے ہی والے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تھام لیا اور دوزخ سے بچا لیا۔"

شیطان تمہارے ساتھ ہے اس کا علاج یہ ہے کہ تم میں ایک گروہ ہو جس کا موضوع ہی بھلائی اور نیکی کی طرف بلانا اور ہر برائی اور ہر فساد سے روکنا ہو۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

اُمت میں ایک گروہ وہ ہو جس کا کام اور موضوع ہی یہ ہو کہ وہ دین کی طرف اور ہر قسم کے خیر کی طرف بلائے۔ ایمان کے لئے اور خیر اور نیکی کے راستہ پہنچنے کے لئے محنت کرتا ہے نمازوں پر محنت کرے، ذکر پر محنت کرے، حضورؐ کے لائے ہوئے علم پر محنت کرے، برائیوں اور معصیتوں سے بچانے کے لئے محنت کرے، اور ان محنتوں کی وجہ سے اُمت ایک اُمت بنی رہے۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥ جو لوگ ان ہدایتوں کے بعد بھی شیطان کی پیروی کر کے اور الگ الگ راہوں پر چل کے اختلاف پیدا کریں گے اور امت کے امن چینے کو توڑیں گے۔ تو ان پر خدا کی سخت مار پڑے گی۔ (اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٥)

دین کی ساری تعلیم اور ساری چیزیں جوڑنے والی اور جوڑنے کے لئے ہیں۔ نماز میں جوڑ ہے، روزہ میں جوڑ ہے، حج میں قوموں اور ملکوں اور مختلف زبان والوں کا جوڑ ہے تعلیم کے حلقے جوڑنے والے ہیں، مسلمانوں کا اکرام اور باہم محبت اور تحفہ تحائف کا لین دین یہ سب جوڑنے والی اور جنت میں لے جانے والی چیزیں ہیں اور قیامت میں ان اعمال کے لئے محنتیں کرنے والوں کے چہرے نورانی ہوں گے۔ اور ان کے برخلاف باہم بغض و حسد، غیبت، چغلخوری، توہین و تحقیر اور دل آزاری یہ سب پھوٹ ڈالنے والے اور توڑنے والے اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال ہیں۔ اور ان اعمال والے آخرت میں روسیاہ ہوں گے۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ٥ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ٥ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ٥

"جنہوں نے پھوٹ ڈال کے اور پھوٹ والے اعمال کر کے امت کو توڑا ہوگا۔ وہ قیامت کے دن قبروں سے کالے منہ اٹھیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے ایمان و اسلام کے بعد کفر

والوں کا طریقہ اختیار کیا، اب تم یہاں دوزخ کا عذاب چکھو اور جو ٹھیک راستہ پر چلتے رہے ہوں گے ان کے چہرے نورانی اور چمکتے ہوئے ہوں گے اور وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں اور جنت میں رہیں گے۔"

میرے بھائیو دوستو! یہ سب آیتیں اس وقت اتری تھیں، جب یہود نے انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی تھی اور ان کے دو قبیلوں کو ایک دوسرے کے مقابل کھڑا کر دیا تھا، ان آیتوں میں مسلمانوں کی باہمی پھوٹ اور لڑائی کو کفر کی بات کہا گیا ہے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ آج ساری دنیا میں امت پنا توڑنے کی محنت چل رہی ہے اس کا علاج اور توڑ یہی ہے کہ تم اپنے کو حضورؐ والی محنت میں لگا دو، مسلمانوں کو مسجدوں میں لاؤ۔ وہاں ایمان کی باتیں ہوں۔ تعلیم اور ذکر کے حلقے ہوں، دین کی محنت کے مشورے ہوں، مختلف طبقوں کے اور مختلف برادریوں کے اور مختلف زبانوں والے لوگ مسجد نبوی کے طریقہ پر ان کاموں میں جڑیں۔ جب امت پنا آئے گا ان باتوں سے بچیں جن سے شیطان کو پھوٹ ڈالنے کا موقع ملے۔ جب تین بیٹھیں تو اس کا خیال رکھیں کہ چوتھا ہمارے ساتھ اللہ ہے، چار پانچ بیٹھیں تو ہمیشہ یاد رکھیں کہ پانچواں یا چھٹواں اللہ ہمارے ساتھ ہی موجود ہے اور وہ ہماری ہر بات سن رہا ہے اور دیکھ رہا ہے۔ کہ ہم امت بنانے کی بات کر رہے ہیں۔ یا امت پنا توڑنے کی۔ ہم کسی کی غیبت اور چغلخوری تو نہیں کر رہے۔ کسی کے خلاف سازش تو نہیں کر رہے یہ امت حضورؐ کے خون اور فاقوں سے بنی تھی۔ اب ہم اپنی معمولی معمولی باتوں پر امت کو توڑ رہے ہیں، یاد رکھو نماز جمعہ چھوڑنے پر بھی اتنی پکڑ نہیں ہوگی جتنی امت کے توڑنے پر ہوگی۔ اگر مسلمانوں میں امت پنا آجائے تو وہ دنیا میں ہرگز ذلیل نہ ہوں گے۔ روس اور امریکہ کی طاقتیں بھی ان کے سامنے جھکیں گی۔ اور امت پنا جب آجائے گا جب "اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" پر مسلمانوں کا عمل ہو یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے مقابلہ میں چھوٹا بننے اور ذلت و تواضع اختیار کرنے کو اپنائے تبلیغ میں اسی کی مشق کرنی ہے جب مسلمانوں میں اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

والی صفت آجائے گی تو وہ دنیا میں "اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ" یعنی کافروں کے مقابلہ میں زبردست اور غالب ضرور ہوں گے چاہے وہ کافر یورپ کے ہوں یا ایشیا کے۔

میرے بھائیو دوستو! اللہ ورسولؐ نے ان باتوں سے شدت اور سختی سے منع فرمایا ہے جن سے دلوں میں فرق پڑے اور پھوٹ کا خطرہ بھی ہو، دو دو چار چار الگ کانا پوسی کریں اس سے شیطان دلوں میں بدگمانی پیدا کرسکتا ہے۔ اس سے منع فرمایا گیا اور اس کو شیطانی کام بتایا گیا۔ "اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" اسی طرح تحقیر اور استہزاء اور تمسخر سے منع فرمایا گیا "لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ" اس سے بھی منع فرمایا گیا کہ دوسرے کی کوئی برائی جو معلوم نہ ہو اس کو تجسس کر کے معلوم کیا جائے اور جو برائی کسی کی معلوم ہوگئی ہو اس کو دوسروں کے سامنے ذکر کرنے سے منع فرمایا گیا۔ اور غیبت کو حرام کیا گیا۔ غیبت اس کا نام ہے۔ کہ جو واقعی برائی کسی کی معلوم ہو اس کا ذکر کسی سے کیا جائے۔ "وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا" یہ تحقیر اور تمسخر اور تجسس اور غیبت وہ چیزیں ہیں۔ جو آپس میں تفرقہ پیدا کر کے امت پنے کو توڑتی ہیں ان سب کو حرام قرار دیا گیا اور ایک دوسرے کا اکرام و احترام کرنا جس سے امت جڑتی بنتی ہے اس کی تاکید فرمائی گئی اور دوسروں سے اپنا اکرام چاہنے سے منع کیا گیا۔ کیونکہ اس سے امت بنتی نہیں بگڑتی ہے۔ امت جب بنے گی جب ہر آدمی یہ طے کرے کہ میں عزت کے قابل نہیں ہوں اس لئے مجھے عزت نہیں بلکہ دوسروں کی عزت کرنی ہے اور دوسرے سب لوگ اس قابل ہیں کہ میں ان کی عزت کروں، ان کا اکرام کروں۔

اپنے نفسوں اور اپنی ذاتوں کو قربان کیا جائے گا۔ تو امت بنے گی اور امت بنے گی تو تو عزت ملے گی۔ عزت اور ذلت روس اور امریکہ تک کے نقشوں میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کے ہاں اصول اور ضابطہ ہے۔ جو شخص یا قوم، خاندان، طبقہ چمکانے

والے اصول اور اعمال لادے گا۔ اللہ اسکو چمکادیں گے جو مٹنے والے کام کرے گا اس کو مٹا دیں گے۔ یہود نبیوں کی اولاد ہیں۔ اصول توڑے تو اللہ نے ٹھوکر مار کے ان کو توڑ دیا صحابہؓ کرامؓ بت پرستوں کی اولاد تھے۔ انہوں نے چمکانے والے اصول اختیار کئے تو اللہ نے ان کو چمکا دیا۔ اللہ کی رشتہ داری کسی سے نہیں ہے۔ اس کے ہاں اصول اور ضابطہ ہے۔

دوستو! اپنے کو اس محنت پر جھونک دو کہ حضورؐ کی امت میں امت پنا آجائے۔ اس میں ایمان و یقین آجائے۔ یہ ذکر و تسبیح اور تعلیم والی، خدا کے سامنے جھکنے والی، خدمت کرنے والی، برداشت کرنے والی، دوسروں کا اعزاز و اکرام کرنے والی امت بن جائے۔ نخوی نہ کرنے والی، نافرمانی نہ کرنے والی، اپنے بھائیوں اور ساتھیوں کی تحقیر و تمسخر اور تجسس و غیبت نہ کرنے والی امت بن جائے۔ اگر کسی ایک علاقہ میں بھی یہ محنت اس طرح ہونے لگے جس طرح ہونی چاہیئے تو ساری دنیا میں بات چل پڑے۔

اب اس کا اہتمام کرو کہ مختلف قوموں، علاقوں اور طبقوں اور مختلف زبان والوں کو جوڑ جوڑ کر جماعتوں میں بھیجو اور اصول کی پابندی کراؤ۔ پھر انشا اللہ امت بننے والا کام ہوگا۔ اور شیطان اور نفس خدا نے چاہا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔"

اس کے بعد حضرت مولانا نے دیہات میں محنت کرنے اور فضا بنانے پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔ اور حسب معمول دعا پر تقریر ختم ہوئی۔

ایک اہم تقریر

:- میاں جی محمد عیسےٰ کی بیاض سے :-

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

بھائی دوستو! بڑی دقت کی بات یہ ہے کہ اپنی غلط کاری کی بنا پر ہمارا ذہن انفرادی بن چکا ہے، دین کے بارہ میں بھی اور دنیا کے بارہ میں بھی، یہاں کے بارہ میں بھی اور آخرت کے بارہ میں بھی۔ ذہن یہ بن گیا کہ بس اپنی ذات والے حال میں لگا رہے۔ خواہ دین کا حال ہے یا دنیا کا، اس سے اپنا مسئلہ درست ہو جاوے گا حالانکہ شخصی احوال پر طاقت خرچ کرنے سے بلا ومصیبت کم نہیں ہوتی بلکہ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ اجتماعی احوال کو جب تک ٹھیک نہ بنایا جاوے اس وقت تک شخصی حالات درست ہونا مشکل ہے۔ اگر اجتماعی زندگی کی خرابی پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑے تو پھر ہر کسی کی شخصی بھی بگڑتی چلی جاوے گی، اور اس کے برعکس اگر اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کی سعی کی جارہی ہوگی، تو ایک ایک شخص کا انفرادی مسئلہ بھی بہتر ہوتا چلا آوے گا۔ جب کسی قوم، ملک یا امت کا اجتماعی مسئلہ بگڑا ہوا ہو اور طاقت اس کی درستگی پر لگائی جاوے تو وہ اجتماعی بھی درست ہو جاتا ہے اور ہر کسی کا شخصی بھی درست ہو جاتا ہے ہمیں غلط فہمی ہوتی ہے کہ فلاں تدبیر کے نہ کرنے کی وجہ سے معاملہ بگڑا ہے۔ حالانکہ ہمارے ایک ایک مسئلہ کا بگڑنا اور بننا اجتماعی مسئلہ کے تابع ہے۔ ہاں اگر تھوڑے سے آدمی مسئلہ پر طاقت لگادیں تو سب کے مسائل اجتماعی اور انفرادی درست ہو جادیں گے اور اگر کچھ لوگ بھی پوری قوم میں سے اس کا فکر رکھنے والے نہ ہوئے تو اجتماعی کے ساتھ ہر کسی کا شخصی مسئلہ بھی بگڑ جائے گا اور سوائے حسرت ویاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا

اجتماعی مسئلہ کے بگڑنے کی صورت میں اگر قوم کے اولیاء اللہ اس کے سدھار کے لئے راتوں کو رو رو کر بھی دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی حالات کو بہتر نہیں بنا سکتیں

اگر خدا تعالیٰ کے ہاں سے فیصلہ ہو جاوے کہ کسی ملک کے انسان بھوکے مریں تو اگر بھوک سے بچنے کے لئے ایک ایک شخص پوری طرح جان بھی کھپا رہا ہوگا تب بھی ایک ایک کرکے بھوک سے ..... ہلاک ہو جاویں گے۔ اپنی ذات کے مسئلہ میں لگانا ہی تو اجتماعی کے بگاڑ کا ذریعہ ہے۔ جوں جوں اپنی ذات کے لئے جان کھپاوے گا۔ اسی قدر اجتماعی حالات بگڑتے جائیں گے اور یہاں تک بگڑیں گے کہ احادیث میں آتا ہے کہ لوگ قبروں پر سے گزرتے ہوئے حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی قبروں میں ہوتے، آدمی آدمی کو کاٹ کر کھا جاوے گا، یہ جب ہوگا، کہ ہر کسی کا جذبہ جانوروں کی طرح صرف اپنی ہی ذات کے لئے ہو، ایسے انسان انسانوں کے جامہ میں درندے ہوتے ہیں، ساری پریشانی اس وجہ سے ہے کہ وقت تو اجتماعی مسائل کے لئے قربانی دینے کا ہے اور کوشش اس کی کر رہے ہیں کہ اچھا ہے۔ جب تک دکان چلتی رہے چلاؤ، یا زمین میں لگا جاوے لگے رہو۔ محض اپنے لگنے سے مسائل درست نہیں ہوتے بلکہ اللہ پاک ہی بگاڑتے ہیں اور وہی بناتے ہیں۔

یقین اس بات پر جمانا ہے کہ جس چیز پہ اللہ پاک طاقت لگوانا چاہتے ہیں۔ اس میں لگنے سے تو مسائل ٹھیک ہوتے ہیں اور جن مخلوقات پہ انسان از خود طاقت خرچ کرتا ہے۔ اس سے مسائل بگڑتے ہیں۔ انفرادی بھی بگڑتے ہیں اور اجتماعی بھی۔ طاقتیں جب مخلوق پر خرچ ہونے لگیں تو خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ایک ایک دوسرے کے ہمدرد ہوتے ہیں وہ جان لیوا ہو جاتے ہیں، جس طرح چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اسی طرح حالات بھی اللہ کی مخلوق ہیں، سورج مخلوق ہے۔ چاند مخلوق ہے، زمین و آسمان مخلوق ہیں، اور سارے جانور بھی مخلوق ہیں، یہ حالات

ی مخلوق نہیں ہیں، حالات مستقل طور پر اللہ کی مخلوق ہیں، یہ بات نہیں کہ اگر کسی نے چاہا تو امن کر دیا اور چاہا تو فساد کر دیا۔ نہیں بلکہ یہ احوال اللہ پاک کے لانے سے ظاہر ہوتے ہیں، جس طرح سورج اللہ کی مخلوق ہے۔ اسی طرح وہ روشنی جو اس میں سے نکل رہی ہے۔ وہ بھی اس کی مخلوق ہے۔ جب چاہتے ہیں سورج سے روشنی نکالتے ہیں اور جب چاہتے ہیں سلب فرما لیتے ہیں۔ کسی ہتھیار سے آدمی نہیں مرجاتا بلکہ جس طرح وہ آدمی اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح اس کی موت بھی اللہ کی مخلوق ہے، جب اللہ پاک مارنا چاہتے ہیں تو موت وقوع میں آتی ہے، اسی طرح عزت و ذلت، فقر و فاقہ وغیرہ سب اللہ پاک ہی کی مخلوق ہیں۔ ہمیں غلہ سے پیٹ کا بھرنا نظر آتا ہے اور اسی طرح سے دوسری چیزوں میں ہم غلط طور پر احوال کو دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور غلط تخیل قائم کرتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک میں صاف صاف ارشاد ہے کہ پانی ہم اتارتے ہیں۔ کھیتی ہم اگاتے ہیں۔ ایک عورت اگر خدا کی مخلوق ہے تو اس کے اندر میں جو بچہ ہے وہ بھی اللہ ہی کی مخلوق ہے۔ مخلوق کسی وقت خالق نہیں بن جاتی، جو اول چیز کو بنانے والا ہے اور دوسری کو بھی وہی بنا دے گا، کسی مخلوق کو مخلوق میں (اسے ظاہر ہوتا) دیکھ کر (اس مخلوق پر) طاقت خرچ ہو گی تو مسئلہ بگڑے گا۔ روٹی کھانے میں پیٹ بھرنا (یعنی پیٹ بھرنے کی لازمی خاصیت) نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ فرماتے تھے کہ کبھی میری یہ حالت تھی کہ روٹی کھاتے کھاتے میرا جبڑا دکھ جاتا تھا اور پیٹ نہیں بھرتا تھا۔

جو کچھ بھی ہے زمین سے لے کر آسمان تک اور جو اس وقت موجود ہے اور جو آگے آنے والا ہے، ساری ہی چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں اور سارے احوال بھی اس کے مخلوق ہیں، تو بس جب کچھ لینا ہو اس کے لینے کے لئے اللہ ہی پر طاقت صرف کی جائے۔ اگر خوف سے گھبراہٹ ہے تو بھی رابطہ اللہ پاک سے ہی پیدا کیا جاوے۔ جس خوف کو اللہ پاک سے ہٹواؤ گے۔ وہ ہمیشہ کے لئے ہٹ جاوے

گا۔ اگر مخلوق پر طاقت صرف کر کے کوئی چیز حاصل کی تو وجود تو اس کا بھی اللہ ہی کے پیدا کرنے سے ہوگا۔ تاہم مخلوق کے واسطے سے لینے کی صورت میں وہ فانی ہوگی۔

جو شخص اللہ سے نہ لے گا، بلکہ مخلوق سے لے گا تو بہت ہی پچھتانا پڑے گا۔ اس لئے کہ جو چیز مخلوق میں سے آئے گی وہ فانی ہوگی اور اس کے فنا پر حسرت و افسوس ہوگا اور جو چیز اللہ سے آئے گی وہ ہمیشہ کے لئے ہوگی۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا مطلب یہی ہے کہ تمام مسائل کو ایک ذات باری تعالیٰ سے ہی حل کرانا ہے۔ لہٰذا وہ تدابیر اختیار کرو جو اس سے لینے کی ہیں۔ اگر خدائے تعالیٰ سے لینے کی تدابیر اختیار کی جائیں گی تو دنیا بھی ملے گی اور آخرت بھی۔ غیر خدا پر طاقت لگا کر ہم جو سمجھ رہے ہیں کہ چیزوں سے کچھ پیدا ہو رہا ہے تو اس میں شرکت کی بُو آتی ہے۔ کوئی مخلوق اللہ پاک کے حکم کے بغیر کچھ دے نہیں سکتی۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ بتلایا گیا ہے کہ مخلوقات میں کچھ نہ سمجھے، بلکہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ہی کرنے والے ہیں۔ اسی کو توحید کہتے ہیں۔

جس طرح مخلوق سے فائدہ اٹھانے کی تدابیر ہیں اسی طرح خدائے تعالےٰ سے لینے کی بھی تدابیر ہیں۔ سارے احکامات بعد کو آتے ہیں۔ پہلا حکم یہ ہے کہ اللہ پاک پر یقین پیدا ہو جائے اور اسی کے پیدا کرنے کے لئے انسانوں میں کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ میں اگر تھوڑا سا یہاں خوف برداشت کر لیا جائے گا تو ہمیشہ کے خوف سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ تھوڑی سی بھوک و پیاس برداشت کر لی جائے گی، تو ہمیشہ کی بھوک و پیاس سے نجات مل جائے گی۔ تھوڑا وقت بیوی بچوں کی جدائی میں گزر گیا تو ہمیشہ کا ساتھ نصیب ہوگا۔

حضرات! صحابہ کرام (رضی اللہ عنہما) نے تھوڑے دن بھوک پیاس برداشت کی تو اس دنیا میں بھی بڑی بڑی سلطنتوں کے دبے ہوئے خزانے تک ان کے پیروں میں آ پڑے۔ ضرورت ہے کہ ذاتی تاثر کسی چیز کا نہ رہے، تب ہی ملک و مال کے فتنوں سے بچاؤ ہو سکتا ہے اور اللہ کے لئے ہر کسی سے معاملہ کرنا آ جائے، جب روپیہ نہ ہو تو بھی متاثر نہ ہو، اور جب روپیہ آ جائے تو اس سے بھی متاثر نہ ہو۔ ایسے ہی لوگ صالح ہیں جو مخلوق کا تاثر ختم کر دیں۔

غرضیکہ اس وقت کے بگاڑ کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم سب جو اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے والے ہوتے، وہ مخلوق پر جان کھپانے اور اسی سے لینے کے غلط تصور کے عادی ہو گئے۔ اللہ پاک کے حکموں پر جان کھپانے پر جس قدر اللہ کی مددوں کا یقین ہو گا، اسی قدر غیب سے دروازے کھلتے جائیں گے۔ اگر خدا کے دین کے لئے جان کھپانے والوں کی تعداد بڑھے اور اس پر یقین ہو تو چونکہ ساری مخلوقات اللہ کی ذات سے وابستہ ہے، ہماری مرغوبات ہوں یا مکروہات، اللہ ہی کی طرف سے ہیں۔

جب یہ بات ہے تو دلوں کو پوری طرح مخلوق میں اللہ پاک کا یقین پیدا کرنے کے لئے ٹھوکریں کھائیں۔ اور راتوں کو اس کی جناب میں پوری طرح گریہ وزاری سے دعائیں مانگیں، تو انشاء اللہ ہر طرح اجتماعی و انفرادی احوال درست اور موافق ہو جائیں گے۔

عہدِ نبویؐ میں دینی محنت کا نقشہ

دینی محنت کرنے والے رفقاء سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خطاب

عطیہ افتخار فریدی صاحب (مرادآباد)

یوں سمجھیے کہ ایک دینی محنت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ایک خاص نقشے کے ساتھ کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس محنت کو ان کے طریقے پر سیکھیں اور کریں۔

الحمد للہ احباب نے چند مقامات میں تھوڑا تھوڑا اس محنت کو سیکھنا شروع کیا ہے لیکن کسی جگہ کی محنت کامل نہیں ہے بلکہ ابتدائی درجوں میں ہے۔ اب اگر ہر جگہ کے محنت کرنے والے یہ سمجھیں کہ پوری محنت یہی ہے جو ہو رہی ہے تو پھر اصل شکل پر کوئی نہیں پہونچ پائے گا۔ اب جو انسان بھی محنت شروع کرے وہ یوں سمجھے کہ میری محنت ابتدائی شکل پر ہے اس کو کرتے کرتے اس شکل پر پہونچنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے ساتھیوں نے کی تھی۔ جب وہ اصل محنت ہے تو انسان اپنی محنت کو اس کے مقابلے میں بالکل ادنیٰ سمجھے۔ لہٰذا اصل محنت کو سامنے رکھ کر نیت کرے کہ انشاء اللہ مجھے ترقی کرکے انتہا تک پہونچنا ہے۔

اب ایک تو یہ سوچنا ہے کہ اس محنت کا فائدہ کیا ہے؟ دوسرے یہ سمجھنا ہے کہ وہ محنت کیا ہے؟ اس محنت کا فائدہ یہ ہے کہ محنت کرنے والوں کو اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے انسانوں کو

ہدایت مل جائے اور انسان دین پر اتنا ہی چلیں گے جتنی خدا کی طرف سے ہدایت ملے گی۔

تو اب محنت کی سطح جتنی بلند ہوتی جائے گی اتنی ہی خدا کی طرف سے ہدایت کی تقسیم عام ہوتی جائے گی۔ وہ محنت جب ختم ہو جاتی ہے تو ہدایت مسلمانوں میں سے نکلنا شروع ہو جاتی ہے۔ پہلے ہدایت کاروبار اور معاشرت میں سے نکلتی ہے کہ کاروبار میں جو دین کے احکامات ہیں ان کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے کاروبار چلانے لگتے ہیں پھر فرائض نکلتے ہیں اور پھر مختلف برائیاں داخل ہونے لگتی ہیں۔ حتیٰ کہ مسلمان دین سے نکلنے لگتے ہیں اور جب یہ دین کی محنت کی جاتی ہے تو ہدایت خدا کی طرف سے آنی شروع ہو جاتی ہے۔ پھر جس درجے میں محنت ترقی کرتی جائے گی ہدایت پھیلتی جائے گی۔

ہدایت کی ایک سطح یہ ہے کہ نماز پڑھنے لگیں۔ دوسری یہ ہے کہ روزے زکوۃ، حج ادا کرنے لگیں۔ تیسرے یہ کہ مال کمانے اور خرچ کرنے میں احکامات شرعیہ کی تعمیل ہونے لگے اس سے آگے یہ ہوتا ہے کہ خدا تمام انسانوں کو ہدایت دینے لگے۔ ہدایت کے بقدر دین زندہ ہوگا اور ہدایت محنت کے بقدر آئے گی۔ تو اب ہم جو یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ دین پر نہیں چل رہے ہیں بلکہ اس سے نکل کر بے دینی میں داخل ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ محنت نکل چکی ہے۔ اب جتنی جہاں کے بندوں نے دین کی محنت شروع کر دی ہے اتنی خدائے پاک نے ہدایت دینی شروع کر دی ہے اور بقدر ہدایت کے دین زندہ ہونا شروع ہو گیا ہے جہاں نمازی نہیں تھے وہاں کچھ نمازی ہو گئے۔ جہاں روزے نہیں تھے وہاں کچھ روزے زندہ ہو گئے جہاں حج نہیں تھا وہاں کچھ حج قائم ہو گیا۔ جہاں تعلیم کا رواج نہ تھا وہاں تعلیم ہونے لگی۔ لیکن ہدایت اس سطح کی ابھی نہیں ملی کہ کمائیوں کے اندر احکام پورے کریں اور کھانے پینے، مکان بنانے میں اور لین دین میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی راہ اختیار کریں تو ابھی ہم مسلمان بھی اس کے محتاج ہیں کہ محنت کی سطح بلند ہو تاکہ پوری زندگی میں اسلام پر چلنے کی سعادت حاصل ہو۔ اور دوسرے انسانوں کو بھی اسلام کے سمجھنے کی ہدایت ملے۔ اب محنت میں دو نوعیتیں ہیں۔ ایک تو

محنت کرنے والوں کی تعداد بڑھانا، دوسرے یہ محنت جو لوگ کر رہے ہیں ان کا مقدار محنت کی شکلوں میں بڑھنا۔ یہ دو علیحدہ لائنیں ہیں۔ اگر لاکھوں محنت کرنے والے بن جائیں مگر محنت تھوڑی تھوڑی کریں تو ہدایت تھوڑی تھوڑی آئے گی۔ اگر خدا ایسی صورت کر دے کہ جو محنت کر رہے ہیں ان کی مقدار محنت بڑھ جائے تو مسلمانوں کو بھی ہدایت ملے گی اور تمام انسانوں کو بھی ملے گی۔

ابھی تک جو ہماری محنت کی نوعیت ہے وہ یہ ہے کہ مشغول لوگ اپنی مشغولیتوں میں سے تھوڑا تھوڑا وقت اس طرح نکال رہے ہیں کہ ان کے دنیوی مشاغل میں فرق نہ پڑے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے دین کے لئے قربانیاں دلوائیں ہیں تو اب محنت کرنے والوں میں جتنی حضوؐر والی قربانی پیدا ہوں گی۔ محنت کی سطح بلند ہوگی۔ اب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی محنت بتلانا چاہتا ہوں جس سے ابھی ہم بہت دور ہیں لیکن اگر اس محنت کو سامنے رکھ کر چلتے رہیں گے تو خدا وہاں تک پہونچا دے گا، تو ہر کام کرنے والے کو محنت۔ کے اس انتہائی نقشہ کو سامنے رکھ کر وہاں تک پہونچنے کی نیت کرنی چاہیئے یہ بات تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ سارے عرب میں مدینہ والوں کی محنت سے دین پھیلا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا عرب کا رقبہ چھوٹا نہیں تھا۔ ہندوستان کے برابر نہیں تو اس سے بہت کم بھی نہ تھا۔ اس وقت دنیا میں کمائیوں کے جو طریقے رواج پذیر تھے وہ بھی نہ تھے۔ پورے ملک میں کوئی حکومت قائم نہ تھی جس کے دفاتر وغیرہ کی نوکریوں کے ذریعہ بھی رزق کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ اس زمانے میں بیت اللہ پر آنے والے حجاج سے بھی وہاں کچھ وصول نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حجاج کی مدارات میں ہر ایک کچھ خرچ کرتا تھا۔ لہٰذا حج کا شعبہ بھی اس زمانے میں کمائی کا شعبہ نہ تھا۔ کھیت اور باغات بھی گویا نہیں تھے، تجارتی نظام بھی مکہ معظمہ وغیرہ کے علاوہ نہ تھا۔ کہیں کہیں کھجور انگور اور انار کے کچھ باغات تھے۔ چند مقامات تھے جہاں چھوٹے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی۔ غرض کہ پورا عرب عام طور سے ننگا بھوکا پیاسا عرب تھا۔ نہ سب کے پاس کپڑے

تھے نہ مکانات تھے پانی اور کھانا بھی پورے عرب کو نہیں ملتا تھا۔ بھوک کی شدت میں کیڑے مکوڑے بھی کھاجاتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر پڑا ہوا خون بغیر تحقیق کے کہ کس چیز کا ہے، کس جگہ کا ہے، چاٹ جاتے تھے۔ اکثر علاقے کمائی سے خالی اور بھوک سے بھرے ہوئے تھے۔ بادشاہوں تک کی ہمت نہیں تھی کہ اس ملک پر حکومت کریں۔ حکومت کرنے کے لئے بھی اخراجات کی ضرورت ہے اس وقت نہ پٹرول تھا نہ سونا۔ عرب کے کنارے پر قیصر و کسریٰ کی حکومتیں فوجی نظام رکھتی تھیں۔ کہ عرب ان پر کسی وقت چڑھائی نہ کردیں۔ ورنہ کوئی نظام حکومت عرب بھر میں نہ تھا۔ تو جس ملک میں نظام چلانے کے لئے حکومتوں تک کی ہمت نہ پڑتی ہو اس ملک میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت کی یہ جو مقامات تجارت و زراعت تھے وہ سب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں آئے سوائے مدینہ پاک کے آدمیوں کے سارے ملک کے خوش حال قبائل مخالف تھے۔ سارا عرب منتظر تھا کہ مکے والے اسلام لائیں تو ہم بھی لائیں اور مکہ والوں نے آپ کی زندگی کے آخری دور تک مقابلہ کیا۔ اب ایسے حالات میں جتنا کام ہوا۔ تمام کا تمام مدینہ کی بستی سے ہوا۔ جہاں بھی کوئی ایمان لاتا۔ اُسے مدینہ بلا لیا جاتا۔ تو مدینہ ایسی بستی بن گیا جہاں لوگ خاندان اور برادریاں چھوڑ چھوڑ کر آکر بستے رہے۔ اور جب قوم سے نکل کر آتے تھے تو اپنا مال بھی لے کر نہیں آسکتے تھے۔ مدینہ والوں کو ان کے رہنے کھانے پینے کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ اب یہ ایسی بستی بن گئی جہاں مہاجر اور مقامی برابر ہو گئے۔

آنے والوں میں کچھ تو تھے ہی فقیر، کچھ کے روزگار ٹوٹ گئے، کچھ کے اموال مقام والوں نے چھین لئے۔ غرض کہ مدینہ میں آنے والے سب ہی فقیر بن کر آئے۔ ان فقیروں اور مدینہ کے انصار کو لے کر آپ نے دین کی محنت کا کام شروع کیا۔ باہر سے آنے والوں کو کاروبار کرنے سے نہیں روکا گیا۔ جب تک کمائی کی شکلیں وجود میں آئیں مقامیوں نے سب کی ضروریات مہیا کیں۔ غرض کہ مدینہ میں بسنے والوں پر اتنا بوجھ پڑ گیا تھا اور ان کے حالات ایسے ہو گئے تھے کہ کم از کم دس سال تک اپنے کاروبار جمانے یا زیادہ اخراجات مہیا کرنے کے سبب ان کو کہیں باہر نہیں نکلنا چاہیئے تھا

کمائی والے نظام کا یہی تقاضا تھا، انصار پر چونکہ سب آنے والوں کا خرچ بھی پڑ گیا تھا اس لئے کھیتوں اور باغات کے کام میں بھی زیادہ انہماک کی اور زیادہ وقت لگانے کی ضرورت تھی تاکہ آنے والوں کے اخراجات پورے کر سکیں کیونکہ مدینہ کے انصار کے بہت سے گھروں پر کئی کئی خاندان ٹھہرے ہوئے تھے۔ الغرض ان ضرورتوں کے اعتبار سے باہر نکلنے کا بالکل موقع نہیں تھا۔ لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو کمائی کی چھٹی دینے کی بجائے دین کی پوری محنت اسی دس سال میں کی اور کرائی اور دین کی محنت کا ایسا نقشہ قائم کیا کہ انسانی زندگی میں جو تقاضے ہیں گھر والوں کی پرورش (دیکھ بھال)، مال و دولت کمانے کا عمل، ان دونوں عملوں کو بار بار چھڑا کر دین کی محنت کے عمل کو آگے بڑھایا اور صحابہ کرام کو ایسی تربیت دی کہ جس وقت اللہ کے راستے میں نکلنے کو کہا جائے اور جتنوں کو کہا جائے اور جہاں کے لئے کہا جائے سب تقاضوں کو چھوڑ کر نکل جائیں۔ یہاں تک کہ جن کو مغرب کے وقت نکلنے کو کہا انہیں مدینہ میں سونے نہیں دیا، جس طرح پکے نمازی آذان کی آواز سن کر تمام کام چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مدینہ والے خدا کے راستے میں نکلنے کی آواز پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جس وقت اللہ کے راستے میں جان و دین کے تقاضوں پر آواز لگتی۔ یہ آواز سودے خریدتے وقت سنیں یا دکان کھولتے وقت کان میں آئے یا خرید و فروخت کے انتہائی انہماک کے وقت سنی جائے۔ یہ آواز کھجور کے باغوں میں کھجوروں کے توڑتے وقت لگے، نکاح ہونے کے وقت لگے یا رخصتی ہونے کے وقت لگے۔ عورتوں کے بچہ پیدا ہونے کے وقت لگے یا بیماری کے وقت لگے یا عزیزوں اور گھر والوں کی موت کے وقت لگے۔ اس کی مشق کر لی تھی کہ جس وقت آواز سنیں سب چھوڑ چھاڑ کر نکل جائیں جو پاس ہو لے لیں۔ جہاں ضرورت ہو چلے جائیں۔ جتنے وقت کا تقاضا ہو وہاں گذاریں۔ جو جان پر بیتے اسے جھیلیں۔ یہ مزاج بن گیا تھا خدا کے راستے میں نکلنے والوں کا ـــ مدینہ پاک کے دس سال کے قیام میں ڈیڑھ سو جماعتیں نکالیں جن میں سے ۲۵ سفروں میں آپ خود تشریف لے گئے۔ کسی میں دس ہزار آدمی نکلے، کسی میں پچاس نکلے، کسی میں تیس یا چالیس ہزار نکلے، کسی

میں تین سو تیرہ[۱۳] نکلے، کسی میں دس کسی میں پندرہ، کسی میں سات یا آٹھ نکلے۔ مدت کے اعتبار سے کسی میں دو ماہ خرچ ہوئے۔ کسی میں تین ماہ، کسی میں بیس دن، کسی میں پندرہ دن خرچ ہوئے بقیہ جو سوا سو جماعتیں نکالیں ان میں بھی ہزار نکلے، پانچ سو اور چھ سو بھی کم و بیش سب طرح کے نکلتے رہے۔ مدت بھی چھ ماہ، چار ماہ سب طرح کا وقت لگا۔ اب حساب لگاؤ کہ ہر آدمی کے حصے میں باہر گذارنے کا کتنا وقت پڑا۔ اور سال میں کتنے سفر کئے۔ اگر سفروں کو جوڑ کر تخمینہ کرو گے تو سال میں چھ ماہ یا سات ماہ ہر آدمی کے حصہ میں آئیں گے۔ اب اس نقل و حرکت کی کوشش سے مختلف مقامات کے انسانوں کو مدینہ آنے کی دعوتیں ملیں کہ اسلام مدینہ میں آکر سیکھو۔ چونکہ اسلامی زندگی ماحول سے آئے گی۔ اس زندگی کا ماحول صرف مدینہ میں تھا۔ تو باہر نکلنے والوں کو مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں باہر سے آنے والوں کو دین سکھانا پڑتا تھا۔ پھر مدینہ والوں کو اپنے لئے بھی علم حاصل کرنے کے لئے وقت نکالنا پڑتا تھا۔ مدینہ کے قیام کے زمانہ میں مسجدوں کے لیے وقت مانگا جاتا تھا۔ تاکہ سیکھنے سکھانے کا نظام مسجدوں میں قائم رہے اور آنے والوں کو سنبھالا جاسکے۔ جب ان لوگوں نے روزانہ کی زندگی ایسی بنالی کہ اگر دو آدمیوں نے مل کر تجارت شروع کی تو باری لگا لی ایک ایک دن کی، کوئی کسی وقت کوئی کسی وقت، کوئی کما کر پہنچ جاتا، کوئی شام کو پہونچتا اور اور رات کو رہتا، عشاء بعد سے عبادت میں لگا رہتا۔ پھر سوتا۔ کچھ عشاء پڑھتے ہی سو جاتے اور اور پچھلے وقت میں تہجد ادا کرتے۔ اس طرح چوبیس گھنٹے مسجد میں مقامی مسلمان موجود رہتے اب جو باہر سے جس وقت پہونچتے آدمی مسجد میں ان کو سنبھالنے کو موجود رہتے، کبھی تعلیم کے حلقہ ہو رہے ہیں۔ تو آنے والوں کو اس میں بٹھلاتے۔ نماز ہو رہی ہے تو اس میں شامل کر رہے ہیں۔ ذکر اذکار جس وقت ہو رہا ہے اس میں جوڑ رہے ہیں۔ اس طرح آنے والے بھی اپنے کو خالی کسی وقت نہیں سمجھیں گے۔ اب حساب لگاؤ چھ سات ماہ تو باہر خرچ ہوئے، مسجدوں کی باری میں بھی دو ڈھائی ماہ نکل گئے۔ اب دنیاوی ضرورتوں کے لئے کتنا وقت رہ گیا۔ ہر شخص کا وقت بیرونی نقل و حرکت میں بہت سا لگ گیا اور کافی وقت مدینہ آنے والوں کے سنبھالنے میں لگ

گیا۔ ذرائع آمدنی تو عام حالات سے بھی کم ہو گئے۔ اور اخراجات کئی گنا زیادہ بڑھ گئے۔ باہر کی نقل و حرکت کا خرچ، اپنا اور گھر والوں کا خرچ، جو دوسرے باہر سے مدینہ میں آئیں تو ان کا خرچ، جو مدینہ کے غربا باہر نکل رہے ہیں ان کا سفر خرچ، سواری، لباس، کھانا، باہر والے خوش حال آئیں ان کی بھی دعوت کرنا، پھر جن علاقوں میں قحط ہوتا وہ بھی مدینہ پاک آتے۔ ان کی بھی مدد کرنا، غرضیکہ خرچ تو نقل و حرکت کے زمانے میں بھی اور قیام کے زمانہ میں بھی بہت بڑھ گیا اور کمائی کی شکلیں ٹوٹ گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باہر بھی اور مقام پر بھی فاقے جھیلنے پڑے۔ سردی بھی سہنی پڑی، گرمی بھی برداشت کرنی پڑی۔ غرض کہ ہر قسم کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر مقامی اور بیرونی خاکوں کو چلایا۔ تو جب ایمان کا کام کرنے والوں نے ایمان کے تقاضوں کو کمائیوں اور گھر کے تقاضوں پر مقدم کر دیا تو حق تعالیٰ شانہٗ نے اس نقشہ سے خوش ہو کر تمام عرب کی بسنے والی قوموں کو اسلام میں داخل کر دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی قربانی کی برکت سے ان تمام انسانوں کی تربیت ہو گئی جن کی تربیت کی حکومتوں کو بھی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ آپ ایسی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے جب سارا عرب اسلام سے منور ہو چکا تھا اور مدینہ کا ایک ایک گھر مال سے خالی ہو چکا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہٗ نے قیامت تک کے آنے والوں کو یہ دکھانے کے لئے کہ اسلام ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی محنت سے پھیلا ہے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد اکثر قبائل کو پھر مرتد بنا دیا۔ تاکہ قیامت تک کے آنے والوں کو پتہ چل جائے کہ جب بھی ہم اس محنت کو لے کر اٹھیں گے تو سارے عالم کے خاکے درست ہو جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوتے ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو بیٹھنے نہیں دیا بلکہ ایک دم سب کو خدا کے راستے میں نکال دیا۔ اسی بھوک اور پیاس میں اسی غم کی حالت میں نکالا —— یہاں تک کہ تین دن اور تین راتیں مدینہ پر ایسی گذریں کہ ہر وقت حملے کا خطرہ تھا اور مدینہ پاک بالغ مردوں سے گویا بالکل خالی تھا۔ اکثر تو ملک شام کے رخ پر جیش اسامہ میں بھیجے گئے۔ بقیہ ڈیڑھ سو قرب وجوار

میں نکلے۔ ظاہر کے اعتبار سے نکلنے کا بالکل موقع نہ تھا۔ محض حکم کی تعمیل کے جذبے سے نکل گئے اللہ رب العزت نے اس محنت کی پوری دنیا کو قیمت دکھائی۔ ایک قلیل عرصہ میں سارا عرب اسی نقشہ پر آگیا۔ ایک عرب گھرانہ بھی اسلام سے باہر نہیں رہا اور اس میں صرف ایک ماد لگا صرف بھی نہیں کہ مسلمان بن گئے، بلکہ ایمان کی پوری محنت پر لوٹ آئے۔

تو اصل ایمان کی محنت کا نقشہ یہ ہے کہ ایسی فضا پیدا کی جائے کہ جس کو جس وقت جہاں کے لئے کہا جائے، سب مشاغل چھوڑ کر راہِ خدا میں چلا جائے اور جب باہر کے آدمی دین سیکھنے کے لئے اس کے مقام پر آئیں تو یہاں بھی ان کے ساتھ لگ جائے۔ تو اب آپ غور کیجئے کہ آج کی محنتوں میں اور اس محنت میں کتنا فرق ہے۔ تو اصل سمجھو اس نقشے کو، اور یہ سمجھو کہ ہماری والی محنتیں ابتدائی ہیں۔ اور ہمیں ان جیسی محنت کرنے والا بننا ہے۔ پوری پوری جان لگانے والا بننا ہے۔

مختصر سی زندگی ہے۔ اس میں سے تھوڑا سا وقت ضروریات کے لئے کمانے پر لگائیں گے اور بقیہ تمام وقت دین کی محنت پر صرف کریں گے۔ اب ذہن میں یہ رکھیں کہ چونکہ یہ قربانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اندرون سے نکلی ہے۔ اس لئے ان کے بدن اور روح کے انوارات اس قربانی میں موجود ہیں۔ لہٰذا جتنی یہ قربانیاں کام کرنے والوں میں بڑھیں گی اتنی ہی ہدایت حق تعالیٰ شانہٗ سے آئے گی۔

دین مالوں سے نہیں پھیلے گا بلکہ دین کی محنت سے کمائیوں کے نقشے میں جو نقصانات اور کمیاں آئیں گی۔ اس قربانی سے پھیلے گا اور جب یہ قربانیاں کمال تک پہنچیں گی تو ان قوموں کو آپ کے ذریعہ ہدایت ملے گی جو آسمان پر اڑ رہی ہیں۔ اور ہم غریبوں کی طرف دیکھتی بھی نہیں۔ اور وہ مسلمان جو زندگی کے کسی شعبے میں اسلام کی بات سننے کو تیار نہیں وہ اپنے تمام کاموں کو اسلام کے احکامات کے مطابق بنالے گا اور آپ حضرات کی قربانیوں کا بدلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر کھڑے ہو کر دلوائیں گے۔ جہاں آپ نے انصار سے ملنے اور ان کی

قربانیوں کا صلہ دلوانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ بشرطیکہ یہ طے کر لو کہ خدا جو کچھ ان محنتوں کے بعد دے گا وہ حاصل کر کے دوسروں کو دیں گے اور خود نہ لیں گے۔ ایسا کرنے میں حضورؐ کی جھلک پائی جائے گی۔ کیوں کہ آپ قربانیوں کے دور میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھے اور جب نعمتیں ملنے کا وقت آیا تو آپ تشریف لے گئے۔ اس طرح جو حضرات اپنی جان و مال کی قربانی کریں گے اور دنیا میں کچھ لینا نہیں چاہیں گے اور صرف آخرت پر نگاہ رکھیں گے وہی حضرات آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے انشاءاللہ۔

آخری تقریر

(کتبہ یکے از رفیق سفر، مورخہ ۲۹ ذیقعدہ سنہ ۱۳۸۴ ہجری بمطابق یکم اپریل سنہ ۱۹۶۵ء بوقت شب جمعہ نماز مغرب بمقام مسجد بلال پارک لاہور)

امابعد: اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین و آسمان میں بنایا ہے اُس میں سب وقتی رکھا ہے وقتی پیٹ بھرنا، وقتی پیاس بجھانا، وقتی عزت، وقتی ذلت، وقتی موت، وقتی حیات، تھوڑی سی دیر کے لیے تندرستی ہے پھر بیماری ہے، تھوڑی دیر لذت پھر تکلیف آتی ہے۔ وقتی پرورشوں اور وقتی حاجتوں کا پورا ہونا دُنیا کی چیزوں میں رکھا ہے اور انسان میں جو کچھ رکھا ہے وُہ وقتی بھی ہے اور ابدی بھی ہے، وقتی عزت اور ابدی عزت، ایسی ہی راحت و سکون اور چین و صحت وقتی و ابدی، انسان میں جو دولتیں رکھی ہیں وُہ ایک طرف دُنیا میں کامیاب بنانے والی ہیں اور دوسری طرف مرنے کے بعد ابدی کامیابی دلوانے والی ہیں اس لیے ایک انسان کی دولت کی قیمت ساتوں زمین آسمان بن سکتے۔ اگر انسان کے اندر کی دَولت بگڑ جائے تو ساتوں آسمانوں اور زمین سے نہ بن سکے اور اگر انسان کی دولت بن جائے اور اس کے اندر کی مایہ اُبھرے تو ساتوں آسمانوں اور زمین کی کامیابی سے زیادہ کامیابی ملتی ہے۔ دولت تو بہت بڑی چیز ہے اس دولت کا حرفِ اوّل اور خشتِ اوّل "اللہ" کہنا ہے' آدمی خالی "اللہ" کہے اس میں بولنے کی دولت رکھی ہے۔ یہ اللہ کہنا بھی بہت بڑی دولت ہے۔ کیونکہ لفظ اللہ کہنے والا ایک بھی دُنیا میں باقی رہے گا تو زمین و آسمان اسی طرح کھڑے رہیں گے اگر ایک بھی "اللہ" کہنے والا نہ رہا تو اللہ تعالیٰ سارے زمین آسمان کو توڑ پھوڑ دیں گے۔ اگر آدمی کے اندر میں کوئی اور دولت بھی نہ ہو صرف ایک دولت ظاہر ہو رہی کہ زبان سے اللہ کہہ رہا ہے یہ دولت اِتنی بڑی ہے کہ ساتوں آسمان و زمین اس پر کھڑے ہیں، نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کچھ بھی نہ رہا صرف اللہ کو مانے اور کہے "اللہ" بس اتنی سی دولت اتنی بڑی ہے کہ اس سے ساتوں آسمان و زمین کھڑے ہیں، اگر اتنی دولت بھی نہ رہے تو پانچ ارب انسان بھی ہوں تو مریں گے، دریا، خشکی اور ہوا کے سارے جانور جمادات'

نباتات سب ختم ہوں گے۔ اگر انسان کے پاس وُہ اللہ والی دولت نہ رہے تو سب ختم کر دیئے جائیں گے ایک اللہ کہنا اتنی بڑی دولت ہے کہ آسمان و زمین اسی پر قائم ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ (حٰمٓ السجدہ ع ۴)

ترجمہ:۔ "جن لوگوں نے دل سے) اقرار کر لیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر (اُس پر) مستقیم رہے، ان پر فرشتے اُتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو نہ رنج کرو اور تم جنّت (کے ملنے) پر خوش رہو جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جایا کرتا تھا"

اللہ رب ہیں، یہ لفظ نہیں بلکہ ایک محنت ہے، اگر کہے کہ میں دوکان سے پلتا ہوں یا کسی کھیتی یا ملازمت یا سیاست یا حکومت سے پلتا ہوں تو یہ کہنا لفظ نہیں ہے بلکہ ایک محنت ہے اتنا کہنے کے بعد محنت شروع ہو جاتی ہے کہ زمین خریدتا ہے، ہل چلاتا ہے، غلّہ لا کر بیچتا ہے جانور اور مکان خریدتا ہے، نکاح کرتا ہے غرض اس لفظ کے پیچھے لمبی چوڑی محنت کی زندگی ہے۔ ایسے ہی جب کہا کہ "ہمارے رب اللہ ہیں" تو بات ختم نہ ہوتی بلکہ یہاں سے شروع ہوئی کہ جب اللہ پالنے والے ہیں تو غیروں سے پلنے کا یقین نکالو، یہ پہلی محنت ہوئی کہ میں زمین و آسمان اور اس کے اندر کی چیزوں سے نہیں پلتا بلکہ اللہ سے پلتا ہوں، اس کو محنت کر کے دل کا یقین بناؤ اس یقین کو رگ و ریشہ میں اتارنے کے واسطے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

"اللہ سے پلتا ہوں" اس بول کی حقیقت دل میں اتارنے کے لیے ملک و مال تجارت زراعت کی محنت نہیں ہے بلکہ وُہ تو دل سے نکل کر زبان پر آئے گی۔ یعنی اللہ کی ربوبیت کے یقین والی محنت چھوڑ کر ملک و مال والی محنت پر لگے گا تو اللہ کی ربوبیت دل سے نکل کر زبان پر رہ جائے گی، نبیوں والی محنت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم والی محنت اس لفظ پر کرنی ہو گی یعنی کر کے اس حقیقت تک پہنچو کہ ہمیں براہ راست اللہ سے پلنا ہے خُدا کو پالنے میں کھیتی اور دوکان کی ضرورت نہیں ہے۔ وُہ اپنے حکموں سے پالتا ہے۔ اگر اس کی حقیقت پیدا ہو جائے تو امریکہ اور روس بھی

تمہاری جوتیوں میں ہونگے شرط اتنی ہے کہ صرف زبان کا بول نہ ہو، دل کے اندر کی حقیقت ہو تو دنیا میں کامیابی ملے گی۔ اور عذابِ قبر سے بچوگے، حوریں، باغات اور سونا چاندی کے مکانات، ہمیشہ کی جوانی، حسن و جمال اسی پر ملے گا۔ اس کو دل میں فٹ کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ہے۔ کائنات میں جو کچھ ہے وہ تابع، محدود اور فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس لامحدود غیر فانی ہے۔ پرورش اس لامحدود کی طرف سے ہے اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر محنت کرو، اللہ تعالیٰ تربیت کرنے والے ہیں، خدا تعالیٰ کو معبود بنا کر خدا تعالیٰ کی عبادت کرکے پلنا ہے۔ اگر عبادت سے پلنے پر محنت کروگے تب دل میں اُترے گا۔ عبادت نماز ہے۔ نماز ہمارا اپنا طریقہ استعمال ہے۔ زمین یا موٹر یا جانوروں کے طریقۂ استعمال کا نام نماز نہیں، بلکہ اپنے آنکھ، کان، ناک وغیرہ کو اس طرح استعمال کرنا سیکھو جیسے آپؐ نے استعمال کیا، سونا چاندی اور کائنات سے پلنے میں کیا ہے؟ زمیندارہ یعنی زمین سے غلہ لینے کے اعتبار سے ہمارا طریقۂ استعمال، تجارت یعنی دوکان سے فائدہ لینے کے اعتبار سے ہمارا طریقۂ استعمال نماز کیا ہے؟ کائنات سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دونوں جہان میں لینے کے واسطے ہمارا طریقۂ استعمال یہ نماز ہے، ہم کو صرف اللہ پالے گا اس میں ہمارا استعمال آپؐ کے طریقہ پر ہوگا۔ آپؐ کی کس طرح غارِ ثور میں حفاظت ہوئی، بدر میں فتح کہاں سے ملی؟ خندق میں یورش سے کیسے بچے؟ اس سب کے واسطے جواب ملے گا کہ نماز پڑھ کر خدا سے مانگا تو خدا نے کیا۔ آپؐ کے جتنے مسئلے ہیں اگر کوئی پوچھے تو یہی جواب ملے گا کہ نماز سے ہوا اُن کی جتنی عبادت آپؐ نے کی ہے کسی ولی نے بھی نہیں کی۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اتنی لمبی نماز پڑھی کہ نماز پڑھتے پڑھتے سوکھی مشک کی طرح ہو گئے تھے اور رانوں تک ورم آگیا تھا، اچھے بہادر بھی اگر نفلوں میں آپؐ کے پیچھے کھڑے ہوتے تو سارے دن بدن میں درد ہوتا چار، پانچ، چھ پاروں کی رکعت ہوتی۔ ایک مرتبہ جتنا بڑا قیام اتنا ہی بڑا رکوع، قومہ، سجدہ اور جلسہ کیا، آپؐ نے ایسی چار رکعتیں پڑھیں جو صحابی آپؐ کے پیچھے کھڑے تھے اُن کا بُرا حال ہوا، آپؐ نے صبح کو فرمایا اگر مجھے پتہ ہوتا تو میں مختصر کر دیتا، آپؐ نے عبادت کرکے اللہ کو راضی کیا۔ اللہ نے کہا مانگو۔ آپؐ نے قیامت تک اُمت کا

پلٹا مانگا کہ کوئی دشمن اُسے صفحہ ہستی سے نہ مٹا سکے اور اس اُمّت کو بخشش کا اور آخرت کی نجات کا فیصلہ کرا دیا۔ اب چاہے کتنے ہی گناہ کرے۔ آپؐ کا معافی چاہنا قبول ہُوا۔

آپؐ نے کہا کہ آپس میں لڑائی نہ ہو یہ دُعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو ہوگا دُنیا میں بدعملی کی سزا ہوگی، جو کچھ اللہ سے منوایا اُس کے لیے آپؐ نے کیا راستہ اختیار کیا؛ خدا جانے کتنی لمبی اُمّت ہے۔ قیامت تک کا بقاطے کرا دیا، اور آخرت کی مغفرت کرا دی، یہ کس بات پر ہوا؛ ایسی نماز پڑھی کہ اللہ کو ترس آیا، جب آپؐ نماز پڑھ کر اس اُمّت کے لیے رونے تھے تو زمین تر ہو جاتی تھی حضرت جبرئیلؑ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا کہ جا کر پوچھو اتنے کیوں رو رہے ہو؛ فرمایا کہ اُمّت کے لیے رو رہا ہوں جواب دیا کہ رو ؤ مت، ہم اس اُمّت کے بارے میں آپ کو خوش کر دیں گے، یہ عبادت اور نماز پر لیا۔ ایک دن اتنا لمبا سجدہ کیا کہ صحابہ کرامؓ کو گمان ہُوا کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا، آپؐ نے فرمایا کہ کام ہو گیا اُمّت کی مغفرت کی بشارت مل چکی، یہ اُس کے شکریہ میں اتنا لمبا سجدہ کیا تھا۔ ایک مرتبہ تین دن کا فاقہ تھا لیکن کسی عاشق زار سے بھی نہ کہا بلکہ مسجد میں جا کر نماز پڑھی اور خدا سے مانگا کہ اے اللہ روٹی دے واپس آکر حضرت عائشہؓ سے پوچھا، جواب دیا کہ ابھی کچھ نہیں ہے۔ پھر مسجد تشریف لے گئے تین چار مرتبہ یوں ہی کیا، تیسری یا چوتھی مرتبہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اللہ نے دیا یعنی حضرت عثمانؓ نے آکر دیا اور اُنھوں نے رو کر کہا گھر سے منگوا لیا کرو، آپؐ نے کہا کہ جُوتے کا تسمہ بھی ٹوٹے تو اللہ سے مانگو" اللہ ہمارے رب ہیں"۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ نماز کے ذریعے مسئلے کو حل کراؤ ورنہ زبان پر رہے گا" اللہ رب ہیں"۔ لیکن جب نماز پر محنت کر کے روٹی، اولاد، مکان، صحت، عزت اور امن کے مسائل حل کرائے جائیں تو نماز سے ہوگا۔ شخصی مسائل کا حل شخصی نماز سے ہوگا اور ملک کے مسائل ملکی نماز سے حل ہوں گے انفرادی شہری دیہاتی مسائل کو نماز پر محنت کر کے اللہ سے حل کراؤ۔ یہ رب ہونے کی محنت ہے ،

آپؐ نے سب صحابہ کرامؓ کو محنت پر ڈالا، کسریٰ و قیصر، امریکہ و روس کی طرح تھے، دونوں بلاکوں کے خزانے اللہ تعالیٰ نے قدموں پر ڈالے اور دیہاتی لوگ گورنر بنے، یہ سب کچھ نماز سے ہُوا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فتوحات ہوئیں۔ پھر بعد میں بڑا بھاری زبردست قحط پڑا۔ چاروں طرف سے لوگ مدینہ

آتے۔ حضرت عمرؓ نے انتظام شروع کیا اور دُعا کی کہ یہ لوگ مرنے نہ پائیں، بھاری انتظام تھا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کو مصر میں خط لکھا کہ جلدی سے غلہ بھیجو، جواب دیا کہ کھانے پینے کا سامان لاد کر اونٹوں کا اتنا بڑا قافلہ بھیجوں گا جس کا پہلا اونٹ مدینہ میں اور آخری مصر میں ہوگا، چنانچہ غلہ آیا اس وقت چالیس پچاس ہزار آدمی تو حضرت عمرؓ کے دسترخوان پر روزانہ کھانا کھاتے تھے، دیہات میں اگر ایک گھر بھی ہوتا تو کھانا وہاں بھی بھیجا جاتا، بہت لمبا چوڑا انتظام کیا مگر قحط بڑھ رہا تھا۔ اسی زمانہ میں ایک صاحب نے ایک بکری ذبح کی تو اس میں سوائے ہڈی، خون اور کھال کے کچھ نہ نکلا۔ اس کے بعد اس آدمی کی چیخ نکلی اور کہا "وا محمداہ!" ہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم" آنکھوں میں سے آنسو نکلے، پڑ کر سو گئے، خواب میں حضورؐ کی زیارت ہوئی، فرمایا کہ عمر کو میرا سلام کہہ کر کہو کہ تُو تو عقل مند تھا کیا ہوا؟ آنکھ کھلی تو حضرت عمرؓ کے دروازے پر جا کر کہا یا امیرالمومنین اجب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام لانے والے کو جواب دو، حضرت عمرؓ بھول میں آپؐ کا زمانہ جان کر دوڑے، دروازے پر یاد آیا کہ یہ حضورؐ کا زمانہ نہیں ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ لرز گئے اور کہا کہ میری زندگی میں فرق آگیا، سارے مدینہ کے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا میں آپؐ کی زندگی سے بدلا تو نہیں، فرمایا کہ یہ شخص کیا کہتا ہے؟ خواب سنا تو سب نے جانا، صرف حضرت عمرؓ نے نہ سمجھا، مطلب یہ ہے کہ جب تمہاری نماز اور دُعا قبول ہے تو انتظام کے چکر میں کیوں پھنسے دُعا کیوں نہیں مانگتے؟ حضرت عمرؓ نے وہیں بارش کی دعا مانگی، قحط دُور ہونے کی دُعا مانگی، مختصر سی دُعا تھی اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَسْقِيْكَ منہ پر ہاتھ پھیرنے سے پہلے بارش شروع ہوئی، جانوروں میں جان پڑنی شروع ہوئی، دیہاتیوں نے کہا کہ چاروں طرف سے بادلوں میں سے یہ آواز آرہی ہے اَتَاكَ الْغَيْثُ اَبَا حَفْصٍ! "اے عمر! تو نے بارش مانگی، آگئی" ایسی نماز اللہ کے رب ہونے کی بنیاد پر پڑھی تھی، اللہ پالنے والے ہیں تو نماز پر محنت کر کے حضورؐ والی نماز بنانی پڑے گی۔ فضائل اور مسائل پر بھی محنت کرنی پڑے گی، وضو، امامت، اقتدار کے مسائل پر بھی محنت کرنی پڑے گی، جو نہ آئیں اُن کے لانے کے لیے بھی محنت کرنی پڑے گی، صورت بنا کر سیرت بناؤ، نہ آنے والوں کو مسجد میں لاؤ اور سکھاؤ، صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں زبردست محنت

کے میدان قائم کئے گئے تھے، اللہ کے رب ہونے کی بنیاد پر نماز کا قیام تھا، شریف انسانوں کا اوپر آنا اور انسانی زندگی کا بنانا یہ سب جب ہوگا کہ آپؐ کے طریقہ کی نماز کو دنیا میں قائم کرنے کی محنت کرو، تم خود نہ کروگے بلکہ خدا کرے گا، دوکان کھیت سے پلنے کے منصوبہ کی بجائے ________

اللہ سے پلنے کے لیے نماز پر محنت کرنی ہوگی، یہ زبردست محنت ہے پہلے تو لَا رَبَّ اِلَّا اللّٰہ میدانِ محنت ہے، پھر ایسی نماز کرلو کہ "اَللّٰہُ رَبُّنَا" کی ترتیب قائم ہو ایسی نماز بناؤ کہ ایمان پر خاتمہ ہو، اور عذابِ قبر سے حفاظت ہو اور قیامت میں روشنی ملے۔ نماز کو تربیت کے لیے چالو کرو، اپنی کمائی میں سے وقت نکالو اور کھیتی سے پلنے کے یقین کو ختم کرو، اللہ سے پلنے کے یقین کو پیدا کرو، اسی کی دعوت دو، ذات الٰہی کے خزانوں کی عظمت اور بڑائی کو سنو اور اتنا سنو کہ وُہ ذات تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے، اِنْ تَعْبُدُ و االلّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ الخ یعنی اللہ کی عبادت اِس طرح کرُ کہ گویا خُدا کو دیکھتا ہے" یہ اُس وقت ہوگا کہ ذات وصفات کو دیکھئے کلمہ، نماز کے فائدوں کا علم اندر کر لینا ہوگا، ذکر و اخلاص سے لینا ہوگا، اپنے اندر پیدا کرنا اور دوسروں کے اندر پیدا کرنے کی محنت کرنا، یہ مسجد کا کام ہوا، دوکان، کھیت کا یقین ہٹانا ہے اور مسجد والے اعمال کا یقین لانا ہے، عداوت اغوا، چوری، ڈکیتی سب رکیں گی اگر آپؐ والی ساری چیزیں محنت کرکے مسجد میں چلادی جائیں۔

اللہ کو اللہ اور رب کہنے کی بنیاد پر یہ محنت ہوگی۔ اس کے لیے مسجد کی چیزیں چلاؤ۔ آپؐ نے مسجد کی چیزیں بھُوکے اور پیاسے رہ کر چلائی تھیں، سردی سے بدن کپکپا رہے ہیں اور مسجد میں تعلیم چل رہی ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، آپؐ آکر کھڑے ہوئے ان میں سے مجھے پہچانا اور آپؐ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اے گروہ فقراء مہاجرین! اغنیاء سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جاؤگے اس کے لیے امامت، اقتداء، خشوع، خضوع، صف سیدھی کرنا، ان سب باتوں پر محنت ہے وُہ نماز بنے جس نماز سے خدا دنیا کی ترتیب بدلیں، زانیوں کو زنا کرتے ہوئے سزا دیں۔ اس کے لیے نماز کا ماحول بنے پھر طاقت کا مظاہرہ ہوگا۔ اگر اللہ کو رب مانتے ہو تو یہ محنت کرو کہ اللہ رب ہیں وُہ نماز پر اور نماز کی تعلیم پر پالیں گے، صحت دیں گے، قرض دُور کریں گے۔ اسے بیٹھ کر سُنو

فضائل کی تعلیم ہوگی تو معلوم ہوگا کہ باہر والوں کا بچاؤ مسجد کے اندر کی آبادی سے ہے ورنہ بیڑہ غرق ہوگا یہ حدیث ہے۔ یہ باتیں مخبر صادق کی باتیں معلوم ہوں گی۔ ہم عزت، حفاظت اور غنا کہاں ڈھونڈھ رہے ہیں؟ اور یہ عزت، حفاظت، اور غنا کہاں ہیں؟ تمہیں سب چیزیں نمازمیں ملیں گی، دعوت، تلاوتِ قرآن، ذکر وغیرہ پر یقین ہو، نماز کے باہر اور اندر بھی یقین بھرا ہو، اللہ اکبر کہہ کر سُبحَانَکَ اللّٰھُمَّ پھر اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ کہے یعنی تربیت کرنے والے اللہ ہیں سارے عالم کی تربیت کرنے والے اللہ ہیں۔ اِیَّاکَ نَعبُدُ یعنی عبادت پر تربیت کریں گے اور قیام ورکوع عبادت ہے اس پر خدا پالیں گے اگر میرا رکوع اور قرآن پڑھنا اور استقبالِ قبلہ آپؐ کے طریقہ پر آگیا تو اللہ مجھے پالے گا۔ پالنے والا عبادت پر پالے گا، قیام آپؐ کے والے طریقہ پر ہوگا تو پالے گا۔ سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیمِ میں بھی وہی بات ہے کہ تربیت کرنے والے اللہ ہیں، عبادت پر تربیت کریں گے، رکوع عبادت ہے۔ سر، کمر، کولھے، آپؐ کے طریقہ پر ہوں گے تو اللہ پالیں گے۔ ہر ہر جزو پر خدا سے پرورش کا یقین جماؤ۔ جلسہ میں رَبِّ اغفِر لِی کہا یعنی اللہ پالنے والا ہے۔

نماز کس بات سے ٹھیک ہوگی؟ ایمان، ذکر وغیرہ ٹھیک کیا جائے۔ یقین، نیت، شکل شوق اور دھیان بناؤ، اپنے میں بناؤ، دوسرے میں محنت کرو، اپنے محلہ میں اور دوسرے محلہ میں گشت کرو۔ شہر اور گاؤں میں کوئی بے نمازی نہ رہے۔ ساری دنیا میں کوشش کرو۔ نبوت ملنے کے بعد آپؐ نے انسانوں سے لینے کا کوئی راستہ اختیار نہیں فرمایا۔ آپؐ نے طائف، تبوک، یمن، حضرموت اور نجد والوں کی نماز بنائی، جو کلمہ پڑھے نماز بنانے کی محنت کرے جب یقین بنے کہ اللہ رب ہے اور راستہ نماز ہے یہ دنیا میں چلے تو دنیا کی تربیت بدلے گی۔ نماز کو اندر سے بناؤ، مسئلہ کا اندر سے تعلق ہے، جب یہ بنالو تو نماز کی بنیاد پر زمین لائن ٹھیک کرو۔ گھر، کاروبار اور معاشرت۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ طریقے لاؤ جو اللہ کی ذات سے پلنے کے لیے دیئے ہیں آپؐ کے راستہ میں بھی کمائی اور گھر ہے اور انسانوں کے راستے میں بھی کمائی اور گھر کے نقشے ہیں سب کی بنیاد پر نماز اور نماز کی بنیاد پر لائی یعنی جب کمائی سے پرورش نہیں، بلکہ اللہ سے پرورش ہے تو اللہ

کا حکم مان کریں گے، جب یہ بات ہے تو پھر کیوں کار رہا ہے؟ پہلے نماز سے پرورش لی، لیکن نماز کے بعد دو راستے ہیں کمانا اور نہ کمانا۔ اگر نہ کمایا اور صرف نماز پڑھ کر اللہ سے لے تو ٹھیک ہے اس میں شرط یہ شرط ہے کہ اگر نہ کماؤ تو کسی مخلوق کا مال نہ دبانا اور اظہارِ حال نہ کرنا، سوال نہ کرنا، اسراف نہ کرنا، تکلیف پہنچے تو جزع فزع نہ کرنا، اللہ سے راضی رہنا۔ اگر اتنی بات آجائے تو کمائی کی ضرورت نہیں، اس کی مثال کے لیے چاروں سلسلے کے اولیاء اللہ ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور اصحابِ صُفّہ ہیں اور لاکھوں مثالیں کہ صرف نماز سے کام چلایا۔

اگر کمانا ہے تو اس پر بھی پابندی ہے اگر نہ کمانا ہو تو غصب، اشراف، سوال، جزع، فزع اور گھبراہٹ نہ ہو، اگر کماتے ہو تو یہ بنیاد ہے کہ کمائی سے نہ ملے گا اللہ سے نماز پر ملے گا، اور آپؐ کے طریقہ سے کمائی پر ملے گا، پھر خدا دے گا۔ میں پیسہ کے لیے نہیں کماؤں گا بلکہ آپؐ کے طریقے کمائی میں چلانے ہیں، کمانا حکم پورا کرنے لیے ہے۔ ہم یقین کرتے ہوں کہ صرف اللہ پالے گا۔

ہم تصویر اور بد معاشی کے ناول نہیں بیچیں گے، حرام نہیں کمانا ہے جو چیزیں حلال ہیں اُن سے کمانے کے دو طریقے ہیں اس میں ایک طریقہ حلال ہے اور دوسرا حرام ہے۔ سوّر، کُتّا، بلی، ان کا کھانا حرام ہے۔ بکری، گائے، مرغی، ہرن حلال ہے۔ ان میں بھی حرام و حلال بنے گا، اگر بِسمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اکبر کہہ کر ذبح کیا تو حلال، ورنہ حرام ہوگا۔ بکری کو بیچ سے مار کر بِسمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اکبر کہا تو بھی حرام بنے گا کیونکہ طریقہ غلط تھا۔ پہلے تو کمائی کی قسم ہے کہ حلال پر ہے یا حرام پر ہے۔ پھر حلال میں بھی طریقہ حلال ہے یا حرام ہے؟ اگر اللہ کے رب ہونے کا یقین ہے تو آپؐ کا طریقہ چالو کرنے کے لیے آویں خدا کی رضا کے لیے کمایئے۔ فضائل کے شوق اور مسائل کی پابندی کے ساتھ کمایئے، جو بات نماز میں کہی وہی بات کمائی میں کہی اب کمائی، تجارت، زراعت میں رابطہ خدا کی ذات سے ہو تو دُنیا میں چمکنا اور پھلنا پھُولنا ہوگا، زلزلہ، سیلاب، بیماری میں گھر کا مال بیگانہ ہوگا۔ کیونکہ محبوبؐ کا طریقہ نہ چاہے دوکان مٹی کی ہے آپؐ کا طریقہ ... ایٹم سے زیادہ طاقتور ہے، پھر کمائی کی بنیاد پر گھر چلا دیں گے

کچھ لباس حرام اور کچھ حلال ہیں، کھانا او رطرز کچھ حرام کچھ حلال ہیں۔ اس یقین کو لو کہ اللہ رب

ہیں۔ آپؐ کے طریقہ پر پیسہ خرچ کریں گے۔ لباس اور غذا کی ترتیب آپؐ کے طریقہ پر ہوگی تو اللہ پالے گا آپؐ کے طریقہ کا جھونپڑا کسریٰ کے قلعہ سے بہتر ہے۔ مشرکین، ملحدین، فساق و فجار کی ڈھائی لاکھ کی کوٹھی سے بہتر ہے۔ پانچ روپیہ کی جھونپڑی میں وُہ خیر ہے جو پچاس لاکھ کی کوٹھی میں نہیں ہے۔ اس کا نام ایمان ہے۔

آپؐ کے طریقہ کا سوا روپیہ کا کرتا مزیدار ہوگا، یہود و انصاری کی ترتیب والے پچاس لاکھ کے کپڑے سے اُس میں وُہ مزہ نہیں ہے، آپؐ کے طریقہ پر اللہ پالیں گے اور یہود و انصاری کے طریقہ پر بگاڑیں گے، آپؐ کے طریقے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور اولیاء اللہ کے طریقہ پہ گھر کا نقشہ آیا تو خدا پالے گا، ورنہ بگاڑے گا۔ شادی کے طریقے، دوا دارو، ولادت و موت کے طریقے میں بھی آپؐ کے طریقے آویں گے، اپنے طریقے بدل کر آپؐ کے طریقے لو، اگر تم نے ان گھروں کو یہود و نصاریٰ کے طریقہ پر رکھا تو پانی کی بوچھار اور زمین کا جھٹکا اُسے توڑ دے گا، اگر آپؐ کا طریقہ ہے تو ایٹم بم بھی نہیں توڑ سکے گا۔

لوہا، پتھر مسجد میں لگایا، بے قیمت ہے، قیمتی تو آپؐ کے طریقے ہیں، آپؐ کے بدن سے جو طریقے چلے وُہ قیمتی ہیں، حکم خُدا کا ہو اور طریقے آپ کے ہوں تو اگر ساری دُنیا کی کوٹھی ہیرے جواہرات ہوں تو آپؐ کے پاخانہ پھرنے کی سنت اس سے قیمتی ہے، آگے معاشرت ہے۔

جب کمائی اور خرچ آپؐ کے طریقہ پہ لاؤ تو غنی بنو گے۔ امریکہ اور روس اور ساری دُنیا فجر کی دو رکعت کے برابر بھی نہیں۔ ایک آدمی پانچ ہزار روپیہ لے کر افریقہ گیا۔ وہاں بہت نمازی بنے، انگلستان اور فرانس میں مسجدیں بنیں اس لیے مال یہاں خرچ کرو، زندگی سادہ بناؤ تو کمائی کی ہوس نہ رہے گی۔ کمائی کی ہوس حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر وعمر وغیرہ رضی اللہ عنہم کے نقشے پر آنے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ قارون، فرعون شداد اور شرابیوں اور زانیوں کے طریقے پر آنے کے لیے ہے۔ خوب پیسہ اور وقت بچے گا، جبکہ آپؐ کی تربیت کے طریقوں پہ آؤ۔ امیر و غریب کو جوڑا تو ساری دُنیا کی انسانیت پہ احسانِ عظیم ہوگا۔ خدا خود بدلہ دے گا ایک ایک نماز پہ ساتوں زمین و آسمان سے بڑی جنت ملے گی، پھر معاشرت ہے، دُنیا میں انصاف چلانا ہے، ہم لاکھوں کی بلڈنگ میں رہیں اور

لوگوں کو جھونپڑا بھی نہ ملے یہ ظلم ہے، انصاف نہیں۔

یہ یہود و انصاری دوسروں کا خون پیتے ہیں اُن کی نقل اتارنے میں مزہ آتا ہے اور جس ذات گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقے برداشت کئے اور اپنا خون بہایا ان کے طریقے پسند نہیں آتے آپؐ کے خون کے کتنے قطرے بہے، ایک وقت کا فاقہ اور خون کا ایک قطرہ ساری دنیا سے افضل ہے، عثمانؓ مال دیتے تھے اور آپؐ امت کی ضرورت پر مال لگاکر فاقہ کرتے تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار تھیں، حضرت رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔ آپؐ نے ممبر پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں حلال کو حرام نہیں کہتا لیکن اس نکاح سے فاطمہ کو تکلیف ہوگی اور اس کی تکلیف سے مجھے تکلیف ہوگی۔ اتنی محبوب بیٹی کی شادی میں پچیس روپیہ بھی نہ لگائے حضرت فاطمہؓ خود چکی پیستی تھیں۔ حضرت علیؓ مزدوری کرتے ہیں، مشک ڈھوتے ہیں۔ چھ بچے پرورش پاتے ہیں حضورؐ کے پاس غلام باندی آتے، حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو بھیجا کہ غلام باندی مانگو، ہاتھ بٹائیں گے، حضرت علیؓ نے ہاتھ اور کوکھ دکھائی اور حضرت فاطمہؓ نے بھی کوکھ اور ہاتھ دکھائے اور غلام اور باندی مانگے، آپؐ کو غصّہ آیا، فرمایا تمہیں غلام اور باندی دوں اور میری اُمّت بھوکی رہے آپؐ نے اپنے آپؐ کو اور اپنوں کو قربان کرکے اُمت بنائی ہے، تم اپنے عیش کو قربان کرکے اُمّت کو بچاؤ۔ قوم، وطن، قبیلہ کے بن کر نہ چلو، اللہ کے بن کر چلو، پردیسیوں اور مقامیوں کا مسئلہ ہو تو اُسے ظلم کا نعرہ نہ بناؤ، سندھی اور پٹھان کہا تو یہ ظلم کا نعرہ ہے۔ جب آدمی ظلم کرے، جاہلیّت اور عصبیّت پر مدد کرے تو نماز روزہ منہ پر پھینک کر مار دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ مسلم اور غیر مسلم مسئلہ بھی نہیں ہے۔ مسلم نے ہندو کو مارا اور مُسلم کی مدد کی تو تم ظالم بنے۔ ہر مسئلہ میں تم واقعہ کی تحقیق کرو۔ سندھی نے پنجابی کو پیٹا پنجابی نے پٹھان کا مال دبایا اب کہو کہ ظلم اور انصاف کا مسئلہ ہے۔ مسلمان سے انصاف دلانا ہے انصاف والے سروں پر آتے ہیں اور ظلم والے پیروں پر گرتے ہیں، انصاف پر خُدا اوپر لائے گا۔ قومیّت، اُبوّت، نُبوّت کی بنیاد پر مدد نہ ہوگی، کون مظلوم ہے؟ کون ظالم ہے یہ دیکھا جائے گا۔ ان تینوں لائنوں میں اللہ کو رب مان کر آپؐ کے طریقے پر آؤ تو راکٹ اور ایٹم بم سے خُدا

محفوظ کرے گا۔ آپؐ کے طریقہ پر کرے گا۔ آپؐ کے طریقے ٹوٹنے پر نہ ماننے والوں کو پیروں پر ڈالتا ہے اور ماننے والوں کو سروں پر لاتا ہے۔ پہلے عبادت کو طاقتور بناؤ پھر تینوں لائنوں کو اللہ کے رب ہونے پر آپؐ کے طریقہ پر اٹھاؤ تو خدا مدد کرے گا۔ اس لیے آپؐ نے کمائی اور گھر کی ترتیب بنائی۔ اس پر آنا آسان ہوگا۔ اللہ آسان کرے گا۔

یورپ والے خون لینے والے ہیں اور آپؐ اپنا خون دینے والے ہیں۔ تو اب بتاؤ کہ سال کے مشرکین، ملحدین اور یہود و النصاریٰ نے جو خون کیا ہے اُسے دیکھو گے تو آپ کا طریقہ محبوب بنے گا۔ جب اللہ کے رب ہونے کا یقین ہو۔ اس لیے آپؐ نے اوقات کی ترتیب قائم کی، سال بھر میں چار مہینے مدنی صحابہ رضی اللہ عنہم اپنا مال لے کر خدا کے راستے میں نکلے تاکہ عبادت کا ماحول دنیا میں قائم ہو اور آٹھ ماہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے آدھا دن مسجد میں اور آدھا دن کاروبار میں، آدھی رات مسجد میں اور آدھی رات گھر میں۔ اس کے اعتبار سے چار مہینے مقامی عبادت کا ماحول بنانے کے لیے دو مہینے کاروبار اور دو مہینے گھر کے لیے اور چار مہینے بیرونی نقل و حرکت کرتے ہوئے عبادت کا ماحول بنانے کے لیے۔

جب ایک طبقہ مدنی صحابہؓ کی ترتیب پر پڑ جائے تو دنیا میں دین پھیلے اور یہ تو اعلیٰ ترتیب اور دوسری ادنیٰ ترتیب ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ چار مہینے دے اور ہر سال چالیس دن اور ہر مہینے تین دن اور ہر ہفتے میں دو گشت اور روزانہ کی تعلیم اور تسبیحات کی پابندی اور ہفتہ واری اجتماع، یہ ترتیب ایسی ہے جیسے انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوانا۔ ہر ہفتہ میں بلال پارک کے اجتماع میں رات گذارے۔ عبادت کی یہ ترتیب قائم کرو، کسی دن نماز طاقتور بن جائے گی۔ اور خُدا تمہیں اس راستہ پر چپکا کر رہیں گے۔ اب بولو کون کس ترتیب پر آتا ہے؟

اس بیان کے بعد لوگوں سے چلہ تین چلہ کے اوقات کی تشکیل کی گئی۔ اس کے بعد ایک صاحب نکاح پڑھانے کی درخواست کی گئی۔ حضرت جیؒ نے نکاح پڑھایا۔ طبیعت چونکہ پہلے سے مضمحل چل رہی تھی اس لیے کہ مشرقی و مغربی پاکستان کا تقریباً ڈیڑھ ماہ سے زائد کا مستقل سفر رہا جس میں شب و روز

انتہائی محنت و جانفشانی کے باعث راحت و آرام کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کے لیے اپنی ہمیشہ کی عادت کے خلاف صرف ایک منٹ کی دعا فرماکر قریب کی قیام گاہ کی طرف تشریف لے جا ہی رہے تھے کہ سعد بن حافظ محمد صدیق نوجی کو بلا کر فرمایا کہ مجھے چکر آرہے ہیں اور اس کا ہاتھ پکڑ کر چلتے رہے، یہاں تک کہ اچانک زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔ گرتے ہی پسینوں میں تر بتر ہو گئے، بمشکل چارپائی پر لاکر لٹایا گیا، بیہوشی طاری ہوگئی، حکیم صاحب نے دوا کھلائی چند منٹ کے بعد ہوش آیا۔ عشاء کی نماز دو آدمیوں کے ساتھ مل کر رات کو ساڑھے تین بجے ادا کی۔ پھر صبح کے وقت نمازِ صبح ادا فرمائی، مولانا انعام الحسن صاحب کو اپنی کتابوں کی زکوٰۃ نکال دینے کی وصیت کی، ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کر کے کہا کہ اب خطرے سے باہر ہیں مگر شدید احتیاط کی جائے جب سب لوگ جمعہ کی نماز کیلئے مسجد چلے گئے تو پھر حالت متغیر ہوگئی، دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز اشارہ سے ادا فرمائی لیکن سانس اکھڑ چکی تھی بار بار رَبِّیَ اللّٰہُ رَبِّیَ اللّٰہُ پڑھ رہے تھے۔ احباب جمعہ کے فرض ادا کر کے آئے آپ نے فرمایا شاید وقتِ آخر ہے۔ سب لوگ قرآن پڑھیں اور ذکر کریں اور خود حزب الاعظم کی دعائیں پڑھنے میں مشغول ہوگئے، بالخصوص وُہ دعا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ وقت پڑھ رہے تھے یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ وردِ زبان تھی اور اَنْجَزَ وَعْدَہٗ پڑھتے ہوئے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف بار بار اٹھاتے تھے، اتنے میں ڈاکٹر آگئے اسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔ حضرت جی نے اسپتال کی بات سنی تو فرمایا "وہاں عورتیں ہوں گی میں نہ جاؤں گا۔" ڈاکٹر اور با اثر حضرات نے عرض کیا کہ حضرت ایک عورت بھی پاس نہ آئے گی، فرمایا "پھر کوئی مضائقہ نہیں، آخر ایک بڑی کار میں لٹایا گیا۔ فرمایا کہ میرے ساتھ کون چل رہا ہے۔ مولانا انعام الحسن صاحب اور حافظ محمد صدیق صاحب وغیرہ نے کہا ہم سب ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا میرے ساتھ کوئی نہیں چل رہا ہے۔ بس اللہ ساتھ ہے۔

راستے بھر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد زبان پر جاری رہا۔ ایک بار دریافت فرمایا کہ اب اسپتال کتنی دُور ہے۔ کہا گیا بس پہنچ رہے ہیں۔ اب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی

آواز ذرا دھیمی پڑ چکی تھی۔ پھر ہونٹ کلمہ طیبہ کی تکرار سے ہلتے رہے یہاں تک کہ اسپتال کے دروازے ہی پر رحمتِ حق نے بے چین روح کو بڑھ کر اپنی آغوش میں لے لیا اور برسوں کے تھکے مسافر نے رفیق اعلیٰ کے پاس جا کر آرام پالیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

راہِ خدا میں نکلنے والوں کے لئے

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی ہدایات

مرتب ـــــــ مولانا محمد منظور نعمانی

[تبلیغی اجتماعات کا پروگرام عموماً یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک دو دن پورے زور و قوت کے ساتھ حاضرین کو اس کی دعوت اور ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ ایمان و یقین اور ایمان والے اعمال اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے کچھ مدت کے لئے اپنے ماحول اور روزمرہ کے مشاغل سے نکلیں اور دوسرے بندگانِ خدا کو بھی ان کی دعوت دینے کے لئے ایک خاص پروگرام کے مطابق وہ محنت و مجاہدہ کریں ـــــــ اللہ کے جو بندے اس دعوت کو قبول کر لیتے ہیں ان کی جماعتیں ترتیب دے دی جاتی ہیں اور اجتماع کے اختتام پر ان کو ہدایات دے کر اور دعا کر کے رخصت کر دیا جاتا ہے ـــــــ اپریل ۶۲ء میں کلکتہ کے قریب نگراہاٹ میں ایک اجتماع ہوا تھا، راقم سطور بھی اس میں شریک تھا، پہلے دو دن کی دعوت و ترغیب کے نتیجہ میں ایک ہزار سے کچھ اوپر بندگانِ خدا نے اپنے نام لکھائے جن کو قریباً سو جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا، آخری دن حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے جماعتوں کو رخصت کرتے وقت جو تقریر فرمائی تھی وہ اس عاجز نے اشارات میں قلمبند کر لی تھی ـــــــ وہی ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ مضمون کی حد تک حضرت مولانا مرحوم کا ہے، لیکن الفاظ کے بارہ میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔]

خطبۂ مسنونہ کے بعد مولانا نے فرمایا۔

آفتاب نورانی ہے۔ اس کے اندر نور ہے۔ وہ اپنے نور کے ساتھ چکر لگاتا ہے۔ تو دنیا میں نور پھیلاتا ہے۔ اگر بجائے نورانی کے وہ خود ظلماتی ہوتا اور اس نور کے بجائے ظلمت ہوتی تو وہ دنیا میں ظلمت پھیلنے کا ذریعہ بنتا ــــــ آپ لوگ اپنے گھر چھوڑ کر نکل رہے ہیں اور دور قریب کی دنیا میں پھریں گے۔ اگر آپ میں نور ہوگا تو آپ کے ذریعہ نور پھیلے گا۔ اور اگر آپ کے اندر ظلمت ہوگی تو وہی ظلمت پھیلے گی، اس لئے آپ کو کوشش کرنی ہے کہ آپ کے اندر نور ہو اور آپ خود نورانی بنیں ــــــ کسی انسان کی ذات میں نور نہیں ہے، نور والے اعمال سے انسان میں نور آتا ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو نور والے اعمال کرنے ہیں تاکہ آپ کے اندر نور آئے اور آپ کے ذریعہ نور پھیلے، اور ظلمت والے اعمال سے اپنے آپ کو بچانا ہے تاکہ آپ ظلمت پھیلنے کا ذریعہ نہ بنیں۔

نور والے اعمال وہ محمدی اعمال ہیں جو اللہ کی رضا کے لئے کئے جائیں۔ ان اعمال کو اتنی کثرت سے اور تسلسل اور یکسوئی کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے کہ آپ اُن کے نورانی رنگ میں رنگ جائیں ــــــ وہ نُورانی اعمال یہ ہیں:۔

(۱) اخلاص کے ساتھ، ایمان ویقین حاصل کرنے کی دعوت جو انبیاء علیہم السلام کی خاص میراث اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ سب سے بڑی خیر خواہی ہے۔

(۲) نماز اور جملہ عبادات جس میں ذکر و تلاوت، دعا و استغفار سب شامل ہیں۔

(۳) علم میں مشغولیت۔ خاص کردہ وہ علم جس میں انسانوں کے اعمال و افعال کے آخرت میں ظاہر ہونے والے نتائج کا بیان ہو۔ یعنی ترغیب و ترہیب۔

(۴) اچھے اخلاق جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے اور جن کی آپ نے تعلیم دی۔ جس کا خلاصہ اور حاصل ہے اللہ کی رضا کے لیے اس کی مخلوق کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ۔

یہ ہیں وہ نورانی اعمال جن کے مسلسل اور کثرت سے کرنے سے نور پیدا ہوتا ہے اور زندگی نورانی بنتی ہے، آپ کو انہی اعمال میں مشغول رہتے ہوئے پھرنا ہے۔

یاد رکھیے آپ صرف اپنے گھر، اپنے گھر والوں، اور اپنے خاص ماحول کو چھوڑ کر جا رہے ہیں، نفس اور شیطان کو چھوڑ کر نہیں جا رہے ہیں۔ یہ دونوں دشمن ہر قدم پر اور دن رات آپ کے ساتھ رہیں گے، آپ کی بُری عادتیں بھی آپ کے ساتھ جا رہی ہیں، یہ سب چیزیں آپ کو ان اعمال کی طرف کھینچیں گی جن سے آپ میں ظلمت آئے اور آپ خدا سے دُور اور اس کی رضا سے محروم ہوں، آپ ان دشمنوں کے شر سے صرف اس طرح بچ سکتے ہیں کہ اس بات کا پورا اہتمام کریں کہ سونے کے چھ سات گھنٹوں کے علاوہ دن رات کے تمام اوقات میں اپنے کو نورانی اعمال میں مشغول رکھیں —— یا آپ ایمان کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت دیتے ہوں، یا نماز اور ذکر و تلاوت وغیرہ کسی عبادت میں مشغول ہوں، یا تعلیم اور تعلّم میں لگے ہوں، یا کوئی خدمت والا کام انجام دے رہے ہوں۔

نفس اور شیطان کے شر سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ کا وقت ان کاموں سے فارغ اور خالی نہ ہو۔ "خانہ خالی را دیو می گیرد"

پھر یہ اعمال بھی نور حاصل ہونے کا ذریعہ اسی صورت میں بنیں گے جب کہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کے ثواب پر نگاہ رکھتے ہوئے کئے جائیں۔ اگر خدانخواستہ نیت خالص نہ رہی تو یہی اعمال جہنّم میں کھینچ لے جائیں گے —— حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ کی مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت میں سب سے پہلے تین آدمیوں کے بارہ میں جہنّم کا فیصلہ کر لیا جائے گا۔ اور جہنّم میں سب سے پہلے انہی کو پھونکا جائے گا۔ ان میں ایک وہ عالمِ دین اور عالمِ قرآن ہوگا جو عمر بھر قرآن سیکھنے سکھلانے میں مشغول رہا۔ دوسرا ایک دولت مند سخی ہوگا جس کو دنیا میں اللہ نے خوب دولت سے نوازا تھا، اور وہ اللہ کی دی ہوئی دولت نیکی کے کاموں میں خوب کشادہ دستی سے خرچ کرتا تھا اور تیسرا شخص ایک شہید ہوگا

جو جہاد کے میدان میں دشمن کی تلواروں سے شہید ہوا ہوگا ـــــ لیکن ان تینوں آدمیوں نے یہ اعمال خالصاً لوجہ اللہ نہیں کئے تھے، بلکہ دنیا میں ناموری اور شہرت وعزت حاصل کرنے کے لئے کئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب یہ تینوں قسم کے آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہم دلوں اور نیتوں کا حال جانتے ہیں۔ تم لوگوں نے یہ اچھے اور نورانی اعمال ہماری رضا کے لئے نہیں کئے تھے اور یہ چیز تمہیں دنیا میں مل چکی، اب تمہارے لئے یہاں کچھ نہیں۔ اس کے بعد ان کو ان کے انہی اعمال کی وجہ سے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ بلکہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ پہلے وہ جہنمی ہوں گے جن کے لئے سب سے پہلے جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ (العیاذ باللہ)

سوچئے تو کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو روایت فرماتے تو کبھی کبھی مارے خوف کے ان کی چیخیں نکل جاتیں اور ان پر بیہوشی کا دورہ پڑ جاتا تھا۔ اور ایک دفعہ جب ایک تابعی نے یہی حدیث حضرت ابوہریرۃؓ سے سن کر حضرت معاویہ کے سامنے نقل کی تو حضرت معاویہ اتنے روئے کہ لوگوں کو ان کی جان کا خطرہ ہو گیا، بہت دیر کے بعد ان کی حالت ٹھیک ہوئی اور انھوں نے فرمایا:۔

صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مَنْ
كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ
فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا
صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سچ فرمایا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف سے بالکل سچ پہونچایا ہے کہ جو کوئی اپنے اعمال سے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت چاہے گا۔ اسکو اسکے اعمال کا پورا نتیجہ دنیا میں ہم دے دینگے اور ان کیلئے اس میں بالکل کمی نہیں کی جائیگی۔ ان لوگوں کیلئے آخرت میں سوائے دوزخ کی آگ کے اور کچھ ہوگا اور جو عمل انہوں نے کئے تھے وہ ضائع جائیں گے اور بیکار و لاحاصل ہونگے انکے اعمال۔

بہرحال نورانی اعمال نور پیدا کرتے کا ذریعہ اسی صورت میں ہو سکتے ہیں جب کہ وہ خالصاً اللہ کی رضا کے لئے اور آخرت کے لئے جائیں۔ اس لئے آپ کو ایک طرف تو اپنے تمام اوقات انہی اعمال میں مشغول رکھنے ہیں اور دوسری طرف اس کا بھی اہتمام کرنا ہے کہ نیت صحیح رہے۔ شیطان جب کسی بندہ کو اچھے عمل سے ہٹا نہیں سکتا تو اس کی نیت میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتا ہے ـــــ اللہ والے عمل اگر غیر اللہ کے لئے کئے جائیں تو ان میں اللہ والی نسبت نہیں رہتی۔ اور اگر اللہ کی رضا کے لئے وہ اعمال کئے جائیں جو درحقیقت رضا والے اعمال نہیں ہیں۔ تو ان میں اللہ کی نسبت نہیں آتی اور وہ رضائے الٰہی کا وسیلہ نہیں بنتے۔ اس لئے دونوں کوششیں ضروری ہیں۔ ایک اللہ کی رضا والے اعمال میں مشغولیت، ہمہ دم ایسی مشغولیت کہ ان کا رنگ چڑھ جائے اور نیت کی صحت کا اہتمام، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر عمل سے مقصد اللہ کی رضا ہو۔ ساری کامیابی بس اللہ کی رضا میں ہے، اور اس کی ناراضی میں تمام ناکامی اور نامرادی ہے۔

میں بتا چکا ہوں کہ اس نکلنے کے زمانہ میں بس چار کاموں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا ہے۔ سب سے پہلی چیز ہے ایمان ویقین کی اور ایمان والے اعمال کی دعوت۔ اس دعوت کے لئے عمومی گشت ہوں گے، خصوصی گشت ہوں گے۔ جن کے اصول وآداب گشت کے لئے نکلنے وقت بتلائے جائیں گے۔ ان کو دھیان سے سنا جائے۔ پھر جب آپ دعوت کے لئے گلیوں اور بازاروں میں نکلیں گے تو شیطان آپ کو وہاں کے نقشوں کی طرف متوجہ کرے گا اس لئے سب سے پہلے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ شیطان ونفس کے شر سے بچائے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی توفیق دے۔ پورے گشت میں اس کا اہتمام رہے کہ بس اللہ کے جلال اور جمال پر اور اس کی صفات عالیہ پر نظر رہے۔ نگاہیں نیچی رہیں اور اپنا مقصد نگاہ کے سامنے رہے۔ جس طرح جب کسی مریض کو اسپتال لے کر جاتے ہیں تو خود مریض اور اس کے ساتھی اسپتال کی عالی شان عمارتوں کو اور وہاں کے نقشوں کو دلچسپی سے نہیں دیکھتے بلکہ ان کے سامنے بس مریض کا علاج ہوتا ہے۔

خصوصی گشت میں اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب جن سے آپ ملنے گئے ہیں اس وقت توجہ سے بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو مناسب طریقہ سے جلدی بات ختم کرکے ان کے پاس سے اٹھ آنا چاہیے، اور ان کے لئے دعا کرنی چاہیے اور اگر دیکھا جائے کہ وہ صاحب متوجہ ہیں تو پھر پوری بات ان کے سامنے رکھنی چاہیے اور وقت فارغ کرنے کے لئے بھی کہنا چاہیئے۔

خصوصی گشت میں جب دینی اکابر کی خدمت میں حاضری ہو تو ان سے صرف دعا کی درخواست کی جائے۔ اور ان کی توجہ دیکھی جائے تو کام کا کچھ ذکر کر دیا جائے۔ عمومی گشت کرکے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا جائے۔ اور ان کے سامنے ایمان ویقین، نماز، ذکراللہ، علم دین اخلاق اور دینی جدوجہد کی بات رکھی جائے اور تشکیل کی کوشش کی جائے۔ پھر تشکیل کرکے مطمئن نہ ہو جائیں بلکہ جن لوگوں نے وعدے کئے ہیں اور نام لکھائے ہیں ان کو اللہ کے راستہ میں نکال دینے کی اور وعدوں کو عمل میں لے آنے کی پوری کوشش کریں اور اپنے امکان بھر اس کا انتظام کریں کہ ان کا وقت اچھی طرح گذرے ـــــ جو لوگ اس وقت نکلنے کا فیصلہ نہ کر سکیں ان کو مقامی گشت، مقامی اجتماع، تعلیم، نماز، ذکر کی پابندی پر آمادہ کیا جائے۔ اور ان کاموں کا نظام بنا دیا جائے۔

جب دعوت کے سلسلہ کی یہ ساری محنت کر چکیں تو اس کسان کی طرح جو زمین میں بیج بکھیر دیتا ہے اور پھر اللہ سے لو لگاتا ہے پورے الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں وہی مقلب القلوب ہے وہی جس کو چاہے ایمان اور ایمان والے اعمال دیتا ہے۔ اور جس کے لئے نہیں چاہتا اس کو محروم رکھتا ہے۔

دعوت کے بعد دوسرا کام تعلیم کا ہے۔ جب تعلیم کے لئے بیٹھیں تو ادب سے بیٹھیں، دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم کی عظمت سے دبا ہوا ہو، فضائل کا مذاکرہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی دعائیں یاد کی جائیں۔

جو وقت دعوت اور تعلیم سے خالی ہو اور کوئی دوسرا ضروری کام بھی اس وقت نہ ہو اس میں نوافل پڑھے جائیں، یا قرآن مجید کی تلاوت کی جائے یا ذکر و تسبیح میں مشغول کیا جائے یا اللہ کے کسی بندہ کی خدمت کی جائے۔

جس طرح نماز میں یا قیام میں ہوتا ہے، یا رکوع میں یا سجدہ میں یا قعدہ میں، اسی طرح اللہ کے راستہ میں نکلنے کے بعد آدمی یا دعوت میں لگا ہو، یا تعلیم اور تعلم میں، یا ذکر عبادت میں، یا اللہ کی کسی مخلوق کی خدمت میں ــــ یہ چار کام اس پورے زمانے میں بطور اصل مقصد کے کئے جائیں گے اور اتنے کئے جائیں گے کہ یہی عادات و مزاج بن جائے۔ یہ اجتماعی بھی کئے جائیں گے اور انفرادی بھی۔ اجتماعی سے مطلب وہ ہے جو جماعتی نظام کے تحت ہو جیسے خصوصی گشت اور عمومی گشت میں دعوت اور جماعت کی تعلیم کے وقت میں تعلیم اور جماعت کے ساتھ فرض نمازیں اور ان کے آگے پیچھے کی سنتیں اور جماعتی تقسیم کار کے مطابق کھانے وغیرہ کے انتظامات کی دھوڑ دھوپ، یہ سب اعمال اجتماعی ہیں۔ انفرادی دعوت انفرادی تعلیم، انفرادی عبادت، انفرادی خدمت وہ ہو گی جو جماعتی پروگرام کے علاوہ کوئی شخص اپنے اس خالی وقت میں کرے جس میں کوئی اجتماعی کام نہیں ہے۔ مثلاً دوپہر کے کھانے کے بعد ظہر تک کوئی جماعتی کام دعوت یا تعلیم وغیرہ کا نہیں ہے۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ وہ اس میں آرام کرے۔ اب اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے اس وقت میں آرام کرنے کے بجائے کسی شخص کے پاس جاکر دعوت ایمان کی باتیں کرے یا کسی اللہ کے بندہ کو کوئی دعا یاد کرائے یا اس کی نماز صحیح کرائے یا مسجد کے کسی کونہ میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگے یا کسی ساتھی کی کوئی خدمت کرنے لگے تو یہ سب صورتیں انفرادی عمل کی ہوں گی۔

بہرحال اللہ کے راستے میں نکلنے کے زمانہ میں یہ چار کام اصل مقصد کے طور پر کئے جائیں۔ اور حاجات بشری کے علاوہ اپنے کل اوقات ان ہی کاموں میں مشغول رکھے جائیں تب ان کے ذریعہ زندگی میں نور آئے گا اور پھر انشاء اللہ وہ نور متعدی ہوگا اور پھیلے گا۔

ان چار کاموں کے علاوہ چار ہی کام ناگزیر ضرورت کے طور پر کئے جائیں گے اور صرف بقدر ضرورت ہی کئے جائیں گے۔ وہ چار یہ ہیں۔

۱۔ کھانا پینا ۲۔ قضاء حاجت ۳۔ سونا ۴۔ باہم بات چیت کرنا۔

یہ ناگزیر ضرورتیں ہیں ان کو بس اتنا ہی وقت دیا جائے جتنا ضروری اور ناگزیر ہو۔ سونے کے لئے دن رات میں بس چھ گھنٹے کافی ہیں۔

چار باتیں وہ ہیں جن سے پورے اہتمام کے ساتھ بچا جائے۔

۱۔ کسی سے سوال نہ کیا جائے بلکہ کسی کے سامنے اپنی کوئی ضرورت ظاہر بھی نہ کی جائے۔ یہ بھی ایک طرح کا سوال ہی ہے۔ ۲۔ اشراف سے بھی بچا جائے۔ اشراف یہ ہے کہ زبان سے تو سوال نہ کرے لیکن دل میں کسی بندہ سے کچھ حاصل کرنے کی طمع ہو، گویا بجائے زبان کے دل میں سوال ہو۔ ۳۔ اسراف سے بچا جائے۔ اسراف یعنی فضول خرچی ہر حال میں معیوب اور مضر ہے، لیکن اللہ کے راستے میں نکلنے کے زمانہ میں اس کے نتیجے اپنے حق میں بھی بہت بُرے ہوتے ہیں اور دوسرے ساتھیوں کے حق میں بھی۔ ۴۔ بغیر اجازت کسی ساتھی کی بھی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے۔ بعض اوقات دوسرے آدمی کو اس سے بڑی ایذا پہونچتی ہے۔ اور شرعاً یہ قطعاً حرام ہے۔ ہاں اجازت لے کر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بس یہ ہیں ضروری ضروری باتیں، جن کی پابندی اس راستہ میں نکلنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ آپ لوگوں کے ۲۴ گھنٹے ان پابندیوں کے ساتھ گذرنے چاہئیں۔ ان اعمال کی پوری پابندی کرتے ہوئے آپ اللہ کی زمین میں اور اللہ کی مخلوق میں پھریں اور اپنے لئے اور پوری امت مسلمہ کے لئے اور عام انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیں۔ بس یہی آپ کا عمل اور آپ کا وظیفہ ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ جو ارحم الراحمین ہے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔

مکتوبات

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے اہم دعوتی مکاتیب اور ہدایت نامے جو مختلف اوقات میں دینی کام کرنے والی جماعتوں کو اور اس کام کے ذمہ دار افراد کو لکھے گئے۔

مکتوبات کے آئینہ میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمین ومکرمین بندہ زادنا اللہ وایاکم جھداً وسعیاً فی سبیلہ والھمنا وایاکم مراشد امورنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خداوندکریم سے امید ہے کہ آپ حضرات بعافیت ہوں گے۔ آپ حضرات کی دینی مساعی کی اطلاعات باعثِ مسرّت اور باعث تقویت ہوتی ہیں۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرمادیں، بارآور فرمادیں، ترقیات عطا فرمادیں۔ آمین۔

اللہ رب العزّت جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے انسانوں کی تمام کامیابیوں کا دارومدار انسان کے اندرونی مایہ پر رکھا ہے۔ کامیابی اور ناکامی انسان کے اندر کے حال کا نام ہے۔ باہر کی چیزوں کے نقشے کا نام کامیابی وناکامی نہیں۔ عزت و ذلت، آرام وتکلیف، سکون و وپریشانی، صحت وبیماری، انسان کے اندر کے حالات کا نام ہے۔ ان حالات کے بننے اور بگڑنے کا باہر کے نقشوں سے تعلق بھی نہیں۔ اللہ جل شانہٗ ملک ومال کے ساتھ انسان کو ذلیل کرکے دکھادیں۔ اور فقر کے نقشے میں عزت دے کر دکھادیں۔ انسان کے اندر کی مایہ اس کا یقین اور اس کے اعمال ہیں۔ انسان کے اندر کا یقین اور اندر سے نکلنے والے عمل اگر ٹھیک

ہوں گے تو اللہ جل شانہٗ اندر کامیابی کی حالت پیدا فرما دیں گے۔ خواہ چیزوں کا نقشہ کتنا ہی پست ہو۔ اللہ جل شانہٗ تمام کائنات کے ہر ذرے کے اور ہر فرد کے مالک و خالق ہیں ہر چیز کو اپنی قدرت سے بنایا ہے۔ سب کچھ ان کے بنانے سے بنا ہے وہ بنانے والے ہیں خود بنے نہیں اور جو بنا ہوا ہے اس سے کچھ بنتا نہیں۔ جو کچھ قدرت سے بنا ہے وہ قدرت کے ماتحت ہے۔ ہر چیز پر ان کا قبضہ ہے۔ وہ ہی ہر چیز کو استعمال فرماتے ہیں۔ وہ اپنی قدرت سے ان چیزوں کی شکلوں کو بھی بدل سکتے ہیں اور اژدھے کو لکڑی بنا سکتے ہیں۔ اسی طرح ہر شکل پر خواہ ملک کی ہو یا مال، برق کی ہو یا بھاپ کی ان ہی کا قبضہ ہے اور وہی تصرف فرماتے ہیں۔ جہاں سے انسان کو تعمیر نظر آتی ہے وہاں سے تخریب لاکر دکھا دیں اور جہاں سے تخریب نظر آتی ہے وہاں سے تعمیر لاکر دکھا دیں۔ تربیت کا نظام وہی چلاتے ہیں ساری چیزوں کے بغیر ربیت پر ڈال کر پال دیں اور سارے ساز و سامان میں پرورش بگاڑ دیں۔

اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے تعلق پیدا ہو جائے اور ان کی قدرت سے براہ راست استفادہ ہو اس کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے طریقے لے کر آئے ہیں۔ جب ان کے طریقے زندگیوں میں آئیں گے تو اللہ جل شانہٗ ہر نقشے میں کامیابی دے کر دکھائیں گے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں اپنے یقین اور اپنے جذبے اور اپنے طریقے بدلنے کا مطالبہ ہے۔ صرف یقین کی تبدیلی پر ہی اللہ پاک اس زمین و آسمان سے کئی گنا زیادہ بڑی جنت عطا فرمائیں گے۔ جن چیزوں میں سے یقین نکل کر اللہ کی ذات میں آئے گا ان ساری چیزوں کو اللہ پاک مسخر فرما دیں گے۔ اس یقین کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے ایک تو اس یقین کی دعوت دینی ہے۔ اللہ کی بڑائی سمجھانی ہے، ان کی ربوبیت سمجھانی ہے، ان کی قدرت سمجھانی ہے۔ انبیاء اور صحابہ کے واقعات سنانے ہیں۔ خود تنہائیوں میں بیٹھ کر سوچنا ہے دل میں اسی یقین کو اتارنا ہے جس کی مجمع میں دعوت دی ہے یہی حق ہے اور پھر رو رو کر دعا مانگنی ہے کہ اے اللہ اس یقین کی حقیقت سے نواز دے۔

اللہ جل شانہ کی قدرت سے براہ راست فائدے حاصل کرنے کے لئے نماز کا عمل دیا گیا ہے۔ سر سے لے کر پاؤں تک اللہ کی رضا والے مخصوص طریقے پر پابندیوں کے ساتھ اپنے کو استعمال کرو۔ آنکھوں کا، کانوں کا، ہاتھوں کا، زبان کا، پیروں کا استعمال ٹھیک ہو۔ دل میں اللہ کا دھیان ہو، اللہ کا خوف ہو۔ یقین ہو کہ نماز میں اللہ کے حکم کے مطابق میرا ہر استعمال تکبیر و تسبیح، رکوع و سجدہ ساری کائنات سے زیادہ انعامات دلانے والا ہے۔ اسی یقین کے ساتھ نماز پڑھ کر ہاتھ پھیلا کر مانگا جائے تو اللہ جل شانہٗ اپنی قدرت سے ہر ضرورت پوری کریں گے۔ ایسی نماز پر اللہ پاک گناہوں کو معاف بھی فرما دیں گے رزق میں برکت بھی دیں گے۔ طاعت کی توفیق بھی ملے گی۔ ایسی نماز سیکھنے کے لئے دوسروں کو خضوع و خشوع والی نماز کی ترغیب و دعوت دی جائے۔ اس پر آخرت اور دنیا کے نفعے سمجھائے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کی نماز کو سنانا، خود اپنی نماز کو اچھا کرنے کی مشق کرنا، اہتمام سے وضو کرنا، دھیان جمانا، قیام میں، قعدہ میں، رکوع میں، سجدے میں بھی دھیان کم از کم تین مرتبہ جمایا جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں، نماز کے بعد سوچا جائے کہ اللہ کی شان کے مطابق نماز نہ ہوئی۔ اس پر رونا اور کہنا کہ اے اللہ ہماری نماز میں حقیقت پیدا فرما۔

علم سے مراد یہ ہے کہ ہم میں تحقیق کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ میرے اللہ مجھ سے اس حال میں کیا چاہتے ہیں اور پھر اللہ کے دھیان کے ساتھ اپنے آپ کو اس عمل میں لگا دینا یہ ذکر ہے، جو آدمی دین سیکھنے کے لئے سفر کرتا ہے اس کا یہ سفر عبادت میں لکھا جاتا ہے اس مقصد کے لئے چلنے والوں کے پیروں کے نیچے ستر ہزار فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں زمین و آسمان کی ساری مخلوق ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ شیطان پر ایک عالم ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ دوسروں میں علم کا شوق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے فضائل سنائے جائیں۔ خود تعلیم کے حلقوں میں بیٹھا جائے۔ علماء کی خدمت میں حاضری

دی جائے۔ اس کو بھی عبادت یقین کیا جائے۔ اور رو رو کر مانگا جائے کہ اللہ جل شانہٗ علم کی حقیقت عطا فرمادیں۔ ہر عمل میں اللہ جل شانہٗ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے اللہ کا ذکر ہے۔ جو آدمی اللہ جل شانہٗ کو یاد کرتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کو یاد فرماتے ہیں۔ جب تک آدمی کے ہونٹ اللہ کے ذکر میں ہلتے رہتے ہیں اللہ جل شانہٗ اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ پاک اپنی محبت و معرفت عطا فرماتے ہیں۔ اللہ کا ذکر شیطان سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ خود اللہ جل شانہٗ کا دھیان پیدا کرنے کے لئے دوسروں کو اللہ کے ذکر پر آمادہ کرنا، ترغیب دینا، خود دھیان جما کر کہ میرے اللہ مجھے دیکھ رہے ہیں ذکر کرنا اور رو رو کر دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھے ذکر کی حقیقت عطا فرما۔

ہر مسلمان کا بحیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمتی ہونے کے اکرام بھی کرنا ہے ہر امتی کے آگے بچھ جانا۔ ہر شخص کے حقوق کو ادا کرنا اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرنا۔ جو آدمی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ جل شانہٗ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ جب تک آدمی اپنے مسلمان بھائی کے کام میں لگا رہتا ہے اللہ جل شانہٗ اس کے کام میں لگے رہتے ہیں۔ جو اپنے حق کو معاف کر دے گا اللہ جل شانہٗ اس کو جنت کے بیچ میں محل عطا فرمائیں گے۔ جو اللہ کے لئے دوسروں کے آگے تذلل اختیار کرے گا اللہ جل شانہٗ اس کو رفعت و بلندی عطا فرمائیں گے۔ اس کے لئے دوسروں میں ترغیب کے ذریعہ اکرام مسلم کا شوق پیدا کرنا ہے۔ مسلمان کی قیمت بتانی ہے۔ حضور اکرم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اخلاق، ہمدردی اور ایثار کے واقعات سنانے ہیں۔ خود اس کی مشق کرنی ہے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی توفیق مانگنی ہے۔

ہر عمل میں اللہ جل شانہٗ کی رضا کا جذبہ ہو، کسی عمل سے دنیا کی طلب یا اپنی حیثیت بنانا مقصود نہ ہو۔ اللہ کی رضا کے جذبے سے تھوڑا سا عمل بھی بہت انعامات دلوائے گا اور اس کے بغیر بہت بڑے بڑے عمل بھی گرفت کا سبب بنیں گے۔ اپنی نیت کو درست

کرنے کے لئے دوسروں میں دعوت کے ذریعہ تصحیح نیت کا فکر و شوق پیدا کیا جائے، اپنے آپ پر عمل سے پہلے اور ہر عمل کے دوران نیت کو درست کرنے کی مشق کی جائے کہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کر رہا ہوں، اور عمل کی تکمیل پر اپنی نیت کو ناقص قرار دے کر توبہ و استغفار کی جائے اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے اخلاص مانگا جائے۔

آج امت میں کسی حد تک انفرادی اعمال کا رواج ہے۔ گو ان کی حقیقت نکلی ہوئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل پوری امت کو دعوت والی محنت ملی تھی۔ اس کے بندوں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے قائم ہو جائے۔ اس کے لئے انبیاء علیہم السلام والے طرز پر اپنی جان و مال کو جھونک دینا اور جن میں محنت کر رہے ہیں ان سے کسی چیز کا طالب نہ بننا، اس کے لئے ہجرت بھی کرنا اور نصرت بھی کرنا جو زمین والوں پر رحم کرتا ہے آسمان والا ان پر رحم کرتا ہے۔ جو دوسرں کا تعلق اللہ جل شانہٗ سے جوڑنے کے لئے ایمان و عمل صالح کی محنت کریں گے اللہ جل شانہ ان کو سب سے پہلے ایمان و عمل صالح کی حقیقتوں سے نواز کر اپنا تعلق عطا فرمائیں گے، اس راستے میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا پوری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے (باعتبار اعمال کے بھی اور باعتبار چیزوں کے بھی) اس سب سے بہتر ہے۔ اس راستے میں ہر مال کے خرچ اور ہر اللہ کے ذکر و تسبیح اور ہر نماز کا ثواب، لاکھ گنا ہو جاتا ہے۔ اس راستے میں محنت کرنے والوں کی دعائیں بنی اسرائیل کے انبیاء علیہ السلام کی دعاؤں کی طرح قبول ہوتی ہیں یعنی جس طرح ان کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ نے ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کو استعمال فرما کر ان کو کامیاب فرمایا اور باطل خاکوں کو توڑ دیا اسی طرح اس محنت کے کرنے والوں کی دعاؤں پر اللہ جل شانہٗ ظواہر کے خلاف اپنی قدرت کے مظاہرے فرمائیں گے اور اگر عالمی بنیاد پر محنت کی گئی تو تمام اہل عالم کے قلوب میں ان کی محنت کے اثر سے تبدیلیاں لائیں گے دین کے دوسرے اعمال کی طرح ہمیں یہ محنت بھی کرنی نہیں آتی۔ دوسروں کو اس محنت کے

لئے آمادہ کرنا ہے۔ اس کی اہمیت اور قیمت بتانی ہے، انبیاء اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے واقعات سنانے ہیں، اور خود اپنے آپ کو قربانی کی شکلوں اور ہجرت و نصرت والے اعمال میں لگانا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہر حال میں اللہ کی راہ میں نکلے ہیں نکاح کے وقت اور رخصتی کے وقت، گھر میں ولادت کے موقع پر اور وفات کے موقعہ پر، سردی میں، گرمی میں، بھوک میں، فاقے میں، صحت میں، بیماری میں، قوت میں ضعف میں، جوانی میں، بڑھاپے میں بھی نکلے ہیں اور رو رو کر اللہ جل شانہٗ سے مانگنا ہے کہ ہمیں اس عالی محنت کے لئے قبول فرمالے۔

ان چیزوں سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ہر شخص سے خواہ کسی شعبہ سے متعلق ہو، چار ماہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اپنے مشاغل ساز و سامان اور گھر بار سے نکل کر ان چیزوں کی دعوت دیتے ہوئے اور خود مشق کرتے ہوئے ملک بہ ملک، اقلیم بہ اقلیم قوم بہ قوم، قریہ بہ قریہ پھریں گے۔ حضور اقدس صلعم نے ہر امتی کو مسجد والا بنایا تھا۔ مسجد کے کچھ مخصوص اعمال دیئے تھے۔ ان اعمال سے مسلمانوں کا زندگی میں امتیاز تھا۔ مسجد میں اللہ کی بڑائی کی، ایمان کی اور آخرت کی باتیں ہوتی تھیں۔ عملوں کے ٹھیک کرنے کے لئے تعلیمیں ہوتی تھیں۔ ایمان و عمل صالح کی دعوت کے لئے ملکوں اور علاقوں میں جانے کی تشکیلیں بھی مسجد سے ہی ہوتی تھیں۔ اللہ کے ذکر کی مجلسیں مسجدوں میں ہوتی تھیں۔ یہاں تعاون، ایثار، ہمدردیوں کے اعمال ہوتے تھے۔ ہر شخص حاکم، محکوم، مالدار، غریب تاجر، زارع، مزدور مسجد میں آکر زندگی سیکھتا تھا اور باہر جا کر اپنے اپنے شعبہ میں مسجد والے تاثر سے چلتا تھا۔ آج ہم دھوکے میں پڑ گئے کہ ہمارے پیسے سے مسجد چلتی ہے مسجدیں اعمال سے خالی ہو گئیں اور چیزوں سے بھر گئیں۔ حضور صلعم نے مسجد کو بازار والوں کے تابع نہیں کیا۔ حضور صلعم کی مسجد میں نہ بجلی تھی نہ پانی تھا۔ نہ غسل خانے تھے۔ خرچ کی کوئی شکل نہ تھی۔ مسجد میں آکر داعی بنتا تھا معلم اور متعلم بنتا تھا۔ ذاکر بنتا تھا۔ نمازی بنتا

تھا۔ مطیع بنتا تھا۔ متقی زاہد بنتا تھا۔ خلیق بنتا تھا۔ باہر جاکر ٹھیک زندگی گذارتا تھا۔ مسجد بازار والوں کو چلاتی تھی۔ ان چار ماہ میں ہر جگہ جاکر مسجدوں میں ہر امتی کو لانے کی مشق کریں مسجد والے اعمال کو سیکھتے ہوئے دوسروں کو یہ محنت سیکھنے کے لئے تین چلوں کے واسطے آمادہ کریں

واپس اپنے مقام پر آکر اپنی بستی کی مسجد میں ان اعمال کو زندہ کرنا ہے۔ ہفتہ میں دو مرتبہ گشت کے ذریعہ بستی والوں کو جمع کرکے انہی چیزوں کی طرف متوجہ کرنا، اور مشق کے لئے فی گھر ایک نفر تین چلوں کے لئے باہر نکلتا ہے۔ ایک گشت اپنی مسجد کے ماحول میں اور دوسرا گشت دوسری مسجد کے ماحول میں کریں۔ ہر مسجد میں مقامی جماعت بھی بنائیں۔ ہر مسجد کے احباب روزانہ فضائل کی تعلیم کریں۔ اپنے شہر اور بستی کے قریب دیہات میں کام کی فضا بنے اس کے لئے ہر مسجد سے تین یوم کے لئے جماعتیں پانچ کوس کے علاقے میں جائیں، ہر دوست مہینے میں تین یوم پابندی سے لگائے۔ "اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا" کے مصداق تین یوم پر حکماً تیس دن کا ثواب ملے گا۔ پورے سال ہر مہینے تین دن لگائے تو سارا سال اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔ اندرون ملک کے تقاضے پورے ہوتے رہیں اور اپنی مشق قائم رہے اور جاری رہے۔ اس کے لئے ہر سال اہتمام سے چلہ لگایا جائے۔ عمر میں کم از کم تین چلے، سال میں چلہ، مہینے میں تین یوم، ہفتہ میں دو گشت روزانہ تعلیم، تسبیحات، تلاوت یہ کم سے کم نصاب ہے کہ ہماری زندگی دین والی بنتی ہے، اگر ہم یوں چاہیں کہ ہم سبب بنیں اجتماعی طور پر پوری انسانیت کی زندگی کے صحیح رُخ پر آنے اور باطل کے ٹوٹنے کا، تو اس کے لئے اس نصاب سے بھی آگے بڑھنا ہوگا۔ ہمارے وقت اور ہماری آمدنی کا نصف اللہ کی راہ میں لگے اور نصف کاروبار اور گھر کے مسائل میں یا کم از کم یہ کہ ایک تہائی وقت و آمدنی اللہ کی راہ میں اور دو تہائی اپنے مشاغل میں۔ یعنی ہر سال چار ماہ کی ترتیب بنائی جائے۔

آپ حضرات عمر میں کم از کم تین چلوں کی دعوت خوب جم کر دیں، اسس میں بالکل

نہ گھبرائیں۔ اس کے بغیر زندگیوں کے رخ نہ بدلیں گے۔ جن احباب نے خود ابھی تین چلے نہ دیئے ہوں وہ بھی اس نیت سے خوب جم کر دعوت دیں کہ اللہ جل شانہٗ اس کے لئے ہمیں قبول فرمالے۔

گشت کا عمل اس کام میں ریڑھ کی ہڈی کی سی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر یہ عمل صحیح ہوگا قبول ہوگا، دعوت قبول ہوگی۔ دعوت قبول ہوگی، دعا قبول ہوگی۔ دعا قبول ہوگی ہدایت آئے گی۔ اور گشت قبول نہ ہوا تو دعوت قبول نہ ہوگی۔ دعوت قبول نہ ہوئی، دعا قبول نہ ہوگی۔ دعا قبول نہ ہوئی ہدایت نہیں آئے گی۔

گشت کا موضوع یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے ہماری دنیا اور آخرت کے مسائل کا حل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر زندگی گذارنے میں رکھا ہے۔ ان کے طریقے ہماری زندگیوں میں آجائیں، اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اس محنت پر بستی والوں کو آمادہ کرنے کے لئے گشت کے لئے مسجد میں جمع کرنا ہے۔ نماز کے بعد اعلان کرکے لوگوں کو روکا جائے، اعلان کوئی بستی کا با اثر آدمی کرے یا امام صاحب کریں تو زیادہ مناسب ہے۔ وہ ہم کو کہیں تو ہمارے ساتھی کر دیں۔ پھر گشت کی اہمیت، ضرورت اور قیمت بتائی جائے، اس کے لئے آمادہ کیا جائے، جو تیار ہوں ان کو اچھی طرح آداب سمجھائیں۔ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلنا ہے۔ نگاہیں نیچی ہوں۔ ہمارے تمام مسائل کا تعلق اللہ جل شانہٗ کی ذات سے ہے۔ ان بازاروں میں پھیلی ہوئی چیزوں سے کسی مسئلے کا تعلق نہیں۔ چیزوں پر نگاہ نہ پڑے، دھیان نہ جائے۔ اگر نگاہ پڑ جائے تو مٹی کے ڈلے معلوم ہوں۔ ہمارا دل اگر ان چیزوں کی طرف پھر گیا تو پھر ہم جن کے پاس جا رہے ہیں اُن کا دل ان چیزوں سے کیسے پھیرے گا۔ قبر کا داخلہ سامنے ہو۔ اسی زمین کے نیچے جانا ہے۔ مل جل کر چلیں۔ ایک آدمی بات کرے۔ کامیاب ہے وہ آدمی جو مختصر بات کرکے آدمی کو مسجد میں بھیج دے۔ "بھائی ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ؐ پڑھا ہے۔ ہمارا یقین ہے

اللہ پالنے والے ہیں۔ نفع و نقصان، عزت و دولت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم اللہ کے حکم پر حضرت محمد ﷺ کے طریقے پر زندگی گذاریں گے۔ اللہ راضی ہو کر ہماری زندگی بنا دیں گے ہم سب کی زندگی اللہ جل شانہ کے حکم کے مطابق حضرت محمد ﷺ کے طریقے پر آ جائے۔ اس کے لئے بھائی مسجد میں کچھ کی بات ہو رہی ہے۔

نماز پڑھ چکے ہوں تو بھی اٹھا کر مسجد میں بھیج دیں۔ ضرورت ہو تو آگے نماز کو بھی مسجد میں فوری جانے کا عنوان بنا لیں۔ "اللہ کا سب سے بڑا حکم نماز ہے نماز پڑھیں گے اللہ روزی میں برکت دیں گے، گناہوں کو معاف کر دیں گے دعاؤں کو قبول فرمالیں گے۔ بشارتیں سنائی جائیں وعیدیں نہیں۔ نماز کا وقت جا رہا ہے مسجد میں چلیئے۔"

امیر کی اطاعت کرتی ہے۔ واپسی میں استغفار کرتے ہوئے آنا ہے۔ اب آداب کا مذاکرہ کرنے کے بعد دعا مانگ کر چل دیں۔ گشت میں دس آدمی جائیں۔ مسجد کے قریب مکانات پر گشت کر لیں، مکانات نہ ہوں تو بازار میں کر لیں۔ جماعت میں زیادہ آدمی ایسے ہوں جو گشت میں اصولوں کی پابندی کر لیں۔ مسجد میں دو تین آدمی چھوڑ دیں۔ نئے آدمی زیادہ تیار ہو جائیں تو ان کو بھی سمجھا کر مسجد میں مشغول کر دیں۔ نئے آدمی تین چار ساتھ ہوں مسجد میں ایک ساتھی اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر و دعا میں مشغول رہے۔ ایک آنے والوں کا استقبال کرے۔ ضرورت ہو تو وضو کروا کر نماز پڑھوا دے اور ایک ساتھی آنے والوں کو نماز تک مشغول رکھے۔ اپنی زندگی کا مقصد سمجھائے۔ پونے گھنٹے گشت ہو۔ نماز سے سات آٹھ منٹ پہلے گشت ختم کر دیں۔ سب تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز میں شریک ہوں۔ جس ساتھی کے بارے میں مشورہ ہو جائے وہ دعوت دے۔ یہ سمجھائے کہ اللہ جل شانہ کی ذات عالی سے تعلق قائم ہوا، تو دنیا اور آخرت میں کیا نفع ہوگا۔ اور اگر اللہ جل شانہ سے تعلق قائم نہ ہوا تو دنیا اور آخرت میں کیا نقصان ہوگا۔ جیسے

اس خط کے شروع میں چھ نمبروں کا تذکرہ کیا ہے اس طرز پر ہر نمبر کا مقصد اس کا نفع اور قیمت اور حاصل کرنے کا طریقہ بتایا جائے۔ سادے انداز میں بیان ہو۔ اس سے انشاء اللہ مجمع کی سمجھ میں کام آئے گا اور اس کی ضرورت بھی محسوس کرے گا اور سمجھے گا کہ ہم بھی سیکھ سکتے ہیں۔ ہمارے ساتھی بھی دعوت میں اہتمام سے جم کر بیٹھیں۔ متوجہ ہو کر محتاج بن کر سنیں۔ جو بات کہہ رہا ہے ہم اپنے دل میں کہیں کہ حق ہے اس سے دل میں ایمان کی لہریں اٹھیں گی اور عمل کا جذبہ بنے گا۔ تین چلوں کی بات جم کر رکھی جائے۔ نقد نام لئے جائیں۔ اس کے بعد چلوں کے لئے وقت لکھوائے جائیں اور پھر جو جس وقت کے لئے تیار ہو اس کو قبول کر لیا جائے۔ مطالبہ اور تشکیل کے وقت محنت ساری دعوت کا مغز بنتا ہے۔ اگر مطالبوں پر جم کر محنت نہ ہوئی تو پھر کام کی باتیں رہ جائیں گی۔ اور قربانی وجود میں نہ آئے گی تو کام کی جان نکل جائے گی۔ دعوت دینے والا ہی مطالبہ کرے ایک آدمی کھڑے ہو کر نام لکھے۔ نام لکھنے والا مستقل تقریر شروع نہ کرے، ایک دو جملے ترغیبی کہہ سکتا ہے۔ پھر آپس میں ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کو کہا جائے۔ فکر کے ساتھ اپنے قریب بیٹھنے والوں کو تیار کریں۔ اعذار کا دل جوئی اور ترغیب کے ساتھ حل بتائیں نبیوں اور صحابہ کی قربانیوں کے قصوں کی طرف اشارہ کریں اور پھر آمادہ کریں۔ آخر میں مقامی جماعت بنا کر ان کے ہفتے کے دو گشت روزانہ تعلیم، تسبیحات، مہینے کے تین یوم وغیرہ کا نظم طے کرائیں۔

دعوت میں انبیاءؑ اور صحابہؓ کے ساتھ اللہ جل شانہ نے جو مددیں فرمائی ہیں وہ تو بیان کی جائیں اور ہمارے ساتھ جو مددیں ہوئیں ان کو بیان نہ کیا جائے۔ دعوت میں فضائے حاضرہ کی باتیں نہ کی جائیں۔ امت میں جو ایمانی، عملی، اخلاقی کمزوریاں آچکیں، ان کے تذکرے سے بہتر ہے کہ اصلی خوبیوں کی طرف یعنی جو بات پیدا ہونی چاہیئے اس کی طرف متوجہ کریں۔

تعلیم میں دھیان، عظمت، محبت، ادب اور توجہ کے ساتھ بیٹھنے کی مشق کی جائے سہارا نہ لگایا جائے۔ باوضو بیٹھنے کی کوشش ہو۔ طبیعت کے بہانوں کی وجہ سے تعلیم کے دوران نہ اٹھایا جائے۔ باتیں نہ کی جائیں۔ اگر اس طرح بیٹھیں گے تو فرشتے اس مجلس کو ڈھانک لیں گے۔ اہل مجلس میں طاعت کا مادہ پیدا ہو گا۔ عظمت کی مشق سے حدیث پاک کا وہ نور دل میں آئے گا جس پر عمل کی ہدایت ملتی ہے۔ بیٹھتے ہی آداب اور مقصد کی طرف متوجہ کیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ ہمارے اندر دین کی طلب پیدا ہو جائے۔ فضائل قرآن مجید پڑھ کر تھوڑی دیر کلام پاک کی ان سورتوں کی تجوید کی مشق کی جائے جو عموماً نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ التحیات، دعائے قنوت وغیرہ کا مذاکرہ و تصحیح اجتماعی تعلیم میں نہ ہو۔ انفرادی سیکھنے سکھانے میں اس کی تصحیح کریں۔ اللہ پاک توفیق دیں تو ہر کتاب میں سے تین چار صفحے پڑھے جائیں۔ تعلیم میں اپنی طرف سے تقریر نہ ہو۔ حدیث شریف پڑھنے کے بعد دو تین جملے ایسے کہہ دیئے جائیں کہ اس عمل کا جذبہ و شوق ابھر آئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی تالیف فرمودہ فضائل قرآن مجید، فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائل صدقات حصہ اوّل دوم، فضائل رمضان فضائل حج (ایام حج و رمضان میں) اور مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی دام مجدہ کی (مسلمانوں کی موجودہ پستی کا واحد علاج) صرف یہ کتابیں ہیں۔ جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے۔ اور تنہائیوں میں بیٹھ کر بھی ان کو پڑھنا ہے۔ کتابوں کے بعد چھ نمبروں کا مذاکرہ ہو۔ ساتھیوں سے نمبر بیان کرائے جائیں۔ جب تعلیم شروع کی جائے تو اپنے میں سے دو ساتھیوں کو تعلیم کے گشت کے لئے بھیج دیا جائے۔ ۱۵، ۲۰ منٹ بعد وہ آجائیں، تو دوسرے دو ساتھی چلے جائیں۔ اس طرح بستی والوں کو تعلیم میں شامل کرنے کی کوشش ہوتی رہے۔ باہر نکلنے کے زمانے میں روزانہ صبح اور بعد ظہر دونوں وقت تعلیم دو تین گھنٹے کی جائے اور اپنے مقام پر روزانہ اسی ترتیب سے ایک گھنٹے تعلیم ہو یا ابتداً جتنی

دیر احباب جُڑ سکیں۔ کام کے تقاضوں کو سوچنے، ان کی ترتیب قائم کرنے، ان تقاضوں کو پورا کرنے کی شکلیں بنانے میں اور جو احباب اوقات فارغ کریں ان کی مناسب تشکیل میں جو اور مسائل ہوں احباب کو مشورہ میں جوڑا جائے۔ اللہ جل شانہٗ کے دھیان اور اور فکر کے ساتھ دعائیں مانگ کر مشورہ میں بیٹھیں۔ مشورہ میں اپنی رائے پر اصرار اور عمل کرانے کا جذبہ نہ ہو اس سے اللہ کی مددیں ہٹ جاتی ہیں۔ جب رائے طلب کی جائے امانت سمجھ کر اپنے دل میں جو بات ہو کہہ دی جائے۔ رائے رکھنے میں نرمی ہو۔ کسی ساتھی کی رائے سے تقابل کا طرز نہ ہو۔ میری رائے میں میرے دل کے شر درشامل ہیں۔ یہ دل کے اندر خیال ہو۔ اگر فیصلہ کسی دوسری رائے پر ہو گیا تو اس کی خوشی ہو کہ میرے شرور سے حفاظت ہو گئی اور اگر اپنی رائے پر فیصلہ ہو جائے تو خوف ہو اور زیادہ دعائیں مانگی جائیں۔ ہمارے ہاں فیصلے کی بنیاد کثرت رائے نہیں ہے۔ اور ہر معاملہ میں ہر ایک سے رائے لینا بھی ضروری نہیں ہے۔ دلجوئی سب کی ضروری ہے۔ امیر کو اس بات کا یقین ہو کہ ان احباب کے فکر اور مل کر بیٹھنے کی برکت سے اللہ جل شانہٗ صحیح بات کھول دیں گے۔ امیر اپنے آپ کو مشورہ کا محتاج سمجھے۔ رائے لینے کے بعد غور و فکر سے جو مناسب سمجھ میں آتا ہو وہ کہہ دے۔ بات اس طرح رکھے کہ کسی کی رائے کا استخفاف نہ ہو۔ اگر طبیعتیں مختلف ہوں تو اس بات پر شوق و رغبت کے ساتھ آمادہ کرلے اور ساتھی امیر کی بات پر ایسے شوق سے چلیں جیسے کہ ان کی ہی رائے طے پائی ہے۔ اسی میں نسبت ہے۔ اگر اس کے بعد عملاً ایسی شکل نظر آئے کہ ہماری رائے زیادہ مناسب تھی۔ پھر بھی ہرگز طعنہ نہ دیا جائے یا اشارہ کنایہ بھی نہ کیا جائے۔ اسی میں خیر کا یقین کیا جائے، جو امیروں کو طعنہ دے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

جب محلوں کی مساجد میں ہفتوں کی دو گشتوں کے ذریعہ فی گھر ایک آدمی تین چلّے کے لئے نکلنے کی آواز لگ رہی ہوگی۔ تعلیموں اور تسبیحات پر احباب جڑ رہے

ہوں گے۔ ہر مسجد سے تین دن کے لئے جماعتیں نکالنے کی کوششیں ہو رہی ہوں گی۔ تو شب جمعہ کا اجتماع صحیح نہج پر ہوگا اور کام کے بڑھنے کی صورتیں بنیں گی۔ جمعرات کو عصر کے وقت سے محلوں کی مساجد کے احباب اپنی اپنی جماعتوں کی صورت میں بستر اور کھانا ساتھ لے کر اجتماع کی جگہ پر پہنچیں۔ مشورے سے ایسے احباب سے عموماً دعوت دلوائی جائے جو محنت کے میدان میں ہوں اور جن کی طبیعت پر کام کے تقاضے غالب ہوں۔ بہت ہی فکر و اہتمام سے تشکیلیں کی جائیں۔ اگر اوقات وصول نہ ہوں تو رات کو بھی محنت کی جائے رد رد کر مانگا جائے۔ صبح کو جماعتوں کی تشکیل کر کے ہدایات دے کر روانہ کیا جائے۔ تین دن کی محلوں سے تیار ہو کر آئی ہوئی جماعتیں عموماً سات آٹھ میل تک بھیجی جائیں۔ ہر شب جمعہ سے تین چلوں اور چلوں کی جماعتوں کے نکلنے کا رُخ پڑنا چاہیئے۔ اگر شب جمعہ میں خدانخواستہ سب تقاضے پورے نہ ہو سکے۔ تو سارے ہفتے اپنے محلوں میں پھر اس کے لئے کوشش کی جائے اور آئندہ شب جمعہ میں محلوں میں تقاضوں کے لئے لوگوں کو تیار کر کے لایا جائے۔

بھائی دوستو یہ کام بہت نازک ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محنت فرمائی۔ اس محنت سے سارے انسانوں کی ساری زندگی کے کمانے، کھانے، بیاہ شادی، میل ملاپ، عبادات، معاملات وغیرہ کے طریقوں میں مکمل تبدیلیاں آئیں تو آپ نے خود اس محنت کے کتنے طریقے بتلائے ہوں گے۔ ہمیں ابھی یہ کام کرنا نہیں آتا اور نہ ابھی حقیقی کام شروع ہوا ہے۔ کام اس دن شروع ہوگا جب ایمان و یقین اللہ کی محبت، اللہ کے دھیان، آخرت کی فکر، اللہ کے خوف و خشیت، زہد و تقویٰ سے بھرے ہوئے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی اخلاق سے مزین ہو کر اللہ کی رضا کے جذبے سے مخمور ہو کر اللہ کی راہ میں جان دینے کے شوق سے کھینچے کھینچے پھریں گے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "اللہ رحم کرے خالدؓ پر، اس کے دل کی تمنا صرف یہ

تھی کہ حق اور حق والے چمک جائیں اور باطل اور باطل والے مٹ جائیں اور کوئی تمنا ہی نہ تھی" ابھی جو ہم کو کام کی برکتیں نظر آرہی ہیں وہ کام شروع ہونے سے پہلے کی برکتیں ہیں۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت سے ہی برکتوں کا ظہور شروع ہوا تھا لیکن اصل کام اور اصل برکتیں چالیس سال بعد شروع ہوئیں۔ ابھی تو اس کے لئے محنت ہو رہی ہے کہ کام کرنے والے تیار ہو جائیں۔ اللہ جل شانہٗ کام ان سے لیں گے اور ہدایت پھیلنے کا ذریعہ اس کو بنائیں گے جن کی زندگی اپنی دعوت کے مطابق بدلے گی۔ جن کی زندگیوں میں تبدیلی نہ آئے گی اللہ جل شانہٗ ان سے اپنے دین کا کام نہ لیں گے۔ یہ نبیوں والا کام ہے۔

اس کام میں اگر اپنے آپ کو اصول سیکھنے کا محتاج نہ سمجھا گیا اور اصولوں کے مطابق کام نہ ہوا تو سخت فتنوں کا خطرہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب باہر ملکوں میں کام کرنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے تمام صحابہ کو تین دن تک ترغیب دی۔ اور پھر فرمایا کہ جس طرز پر یہاں کام ہوا ہے بالکل اسی طرز پر باہر جا کر بھی کرنا ہے اس کام کی نوعیت یہی ہے۔ مقام، زبان، معاشرت، موسم وغیرہ کے اعتبار سے اس کام کے اصول نہیں بدلتے۔ اس کام کی نہج اور اصولوں کو سیکھنے اور ان پر قائم رہنے کے لئے اس فضا میں آنا اور بار بار آتے رہنا انتہائی ضروری ہے جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جان کھپائی تھی اور ان کے ساتھ اختلاط بھی بہت ضروری ہے جو اس جدوجہد میں حضرتؒ کے ساتھ تھے اور جب سے اب تک اس فضا میں اور کام میں مسلسل لگے ہوئے ہیں اس کے بغیر کام کا اپنے نہج اور اصولوں پر قائم رہنا بظاہر ممکن نہیں اس لئے اپنے کام کرنے والے احباب کو ایسی فضا میں اہتمام سے نوبت بہ نوبت بھیجتے رہیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانے میں کسی نہ کسی نقشے کے مقابلہ پر آئے

اور بتایا کہ کامیابی کا اس نقشے سے بالکل تعلق نہیں ہے۔ کامیابی کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہٗ کی ذات عالی سے ہے۔ اگر عمل ٹھیک ہوں گے اللہ جل شانہٗ چھوٹے نقشے میں بھی کامیاب کر دیں گے۔ اور عمل خراب ہوں گے اللہ جل شانہٗ بڑے سے بڑے نقشے کو توڑ کر ناکام کرکے دکھائیں گے۔ کامیاب ہونے کے لئے اس نقشے میں ٹھیک عمل کرو۔ ہر نبی نے اپنے رائج الوقت نقشے کے مقابلے پر محنت کی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام اکثریت، حکومت، مال، زراعت اور صنعت کے نقشوں کے مقابلہ پر تشریف لائے۔ آپ کی محنت ان نقشوں سے نہیں چلی۔ آپ کی محنت مجاہدوں اور قربانیوں سے چلی ہے۔ باطل تعیش کے نقشے سے پھیلتا ہے تو حق تکلیفیں اٹھانے سے پھیلتا ہے۔ باطل ملک و مال سے چمکتا ہے تو حق فقر و غربت کی مشقتوں میں چمکتا ہے۔ جتنے فتنے ملک و مال اور تعیش کی بنیاد پر لائے جا رہے ہیں ان کا توڑ حق کے لئے فقر و غربت اور تکالیف برداشت کرنے میں ہے۔ اب اس کام کے ذریعہ امت میں مجاہدہ اور قربانی کی استعداد پیدا کرنی ہے۔ اس کام کے لئے بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس کو نقشوں پر منحصر کر دیا جائے۔ اس سے کام کی جان نکل جائے گی۔ اس کام کی حفاظت اس میں ہے کہ کام کرنے والے اس کام کے لئے تمام میسر نقشوں کو بھی قربان کرتے ہوئے مجاہدے والی شکلوں کو قائم رکھیں اور کسی صورت میں مجاہدے والی شکلوں کو ختم نہ ہونے دیں۔ غریبوں میں اپنی محنت کو بڑھایا جائے۔ پیدل جماعتیں چلائی جائیں لوگ آئیں گے کہ .... یہ ہمارا پیسہ دین کے کام میں خرچ کر لیجئے۔ پھر نقشہ کی قربانی دینی ہوگی۔ کہہ دیجئے کہ جناب یہاں اس کام میں خرچ کرنے کا صحیح اور پاک طریقہ و جذبہ سکھایا جاتا ہے۔ پھر محل تلاش کر کے خود خرچ کر دیجئے گا۔ یہاں تو طریقہ سیکھ لیجئے۔

...... اس کام کی تعمیم کے لئے رواجی طریقوں، اخبار، اشتہار، پریس وغیرہ

اور رواجی الفاظ سے بھی پورے پرہیز کی ضرورت ہے۔ یہ کام سارا غیر رواجی ہے۔ رواجی طریقوں سے رواج کو تقویت پہنچے گی، اس کام کو نہیں۔

اصل کام کی شکلیں دعوت، گشت، تعلیم، تشکیل وغیرہ ہیں۔ مشوروں کی ضرورت ہو، مناسب دوستوں کو الگ کر کے مشورہ کر لیا جائے ایسا نہ ہو کہ مشورہ کرنے والوں کا کسی موقعہ پر عمومی اعمال سے جوڑ نہ رہے۔

کالجوں کے طلبا میں اس کام کو اٹھایا جائے۔ ہاسٹلوں میں مقام کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ ایک گشت ہوسٹل والے اپنے ہوسٹل میں کریں اور ہفتہ کا دوسرا گشت باہر کسی محلہ میں یا دوسرے ہوسٹل میں کریں۔ قریب کے محلوں کی جماعتیں بھی ہوسٹلوں میں جاکر گشت کریں۔ ہاسٹل والے احباب اپنی روزانہ تعلیم اور مہینہ میں تین یوم کی بھی ترتیب اٹھائیں۔

مستورات میں کام کی نزاکتیں اور بھی زیادہ ہیں۔ جب کہ بے پردگی کا احتمال ہو۔ عام اجتماعات میں مستورات کو بالکل نہ لایا جائے۔ اپنے اپنے محلہ میں کسی پردہ دار مکان میں قریب قریب کے مکانات سے عورتیں کسی روز جمع ہو کر تعلیم کر لیا کریں۔ اس کی ابتدا، اس طرح کریں کہ مرد جو بات اجتماعات، دعوت، تعلیم وغیرہ سے سُن کر جائیں اپنے گھر والوں کو سنائیں۔ اس سے انشاءاللہ تھوڑے عرصہ میں ذہن بننا شروع ہو جائے گا پھر محلوں میں تعلیم شروع ہونے کے بعد ایسا ہو سکتا ہے کہ سارے شہر کی مستورات کا ہفتہ میں ایک ایسی جگہ اجتماع ہو جہاں پردہ کا اہتمام ہو۔ وہاں تعلیم کے بعد پھر کوئی آدمی پردے کے ساتھ بیان کرے۔ کبھی کبھی ایک یوم یا تین یوم کے لئے قرب وجوار کے لئے جماعتیں بنائی جائیں۔ مستورات کی جماعت کے ساتھ جائیں۔ پردہ دار مکان میں ٹھہریں۔ مرد مسجد میں ٹھہر کر کام کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مقامات سے محنت اٹھائی تھی انہی مقامات کے لوگوں کو اس محنت پر اٹھانے اور انہی راستوں سے اللہ کی راہ کی ملکوں والی نقل و حرکت کے زندہ ہونے کا ذریعہ یہ عمرے کا سفر بن سکتا ہے۔ ہر جگہ کے پرانوں سے اختلاط اور اس کام میں یکجہتی پیدا ہونے اور اصولوں کے تفصیل سے سامنے آنے کا بہترین موقعہ ہے۔ محترمی حاجی حنیفہ صاحب اور بھائی محمد ادریس صاحب کی عمرے کے سفر کی تیاری کا حال معلوم کرکے بہت زیادہ مسرت ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ قبول فرمادے۔ دیگر پرانے احباب کو بھی ہمراہ لانے کی سعی فرمادیں۔

یہ خط کچھ اصول لکھنے کی کوشش میں طویل ہوگیا۔ آپ حضرات اس کے ہر جز اور ہر لفظ کو غور سے پڑھنے کی کوشش فرمائیں گے تو انشاء اللہ بہت زیادہ نفع کی توقع ہے۔ آپ حضرات اپنے یہاں کے حالات سے پندرھویں روز مطلع فرمادیا کریں تو ہمیں تقویت ہوتی رہے۔ تمام احباب کو سلام مسنون۔

فقط والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۲)

(ایمان کی جد وجہد کے لئے دن کے اوقات میں ٹھوکریں کھانا اور رات کی اندھیریوں میں رونا عالم کے احوال کی درستی کا وسیلہ ہے)

ذیل کا مکتوب تبلیغی کام کے ایک ذمہ دار کو ں مسجد کراچی کے پتہ پر لکھا گیا تھا۔

مکرم و محترم بندہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

خط کے ذریعہ احوال خیر و مساعی مبارکہ کی خبروں سے مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ مساعی کو قبول اور بار آور فرمادیں۔

میرے عزیز! اس عالم کے احوال کی سرسبزی و فروغ کا تعلق براہ راست رب

العزت کے احکامات سے ہے اور تمام احکامات الٰہیہ کی سرسبزی و فروغ کا تعلق ایمان کے لئے جانیں کھپانے اور عالم میں ٹھوکریں کھانے کے ساتھ ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے احباب کو ان عالی احکامات کی صورت مرحمت فرمائی جس میں ایک طرف اللہ رب العزت کے تمام احکامات کی سرسبزی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو عامۂ مخلوق کی بے انتہا پریشانیوں اور مصائب و بلایا کے وقت اپنی زندگیوں کے جذبات کو قربان کرکے اللہ رب العزت کی رضا کے جذبہ پر اپنے کو نثار کردیں اور خوشنودیٔ باریٔ تعالیٰ کے حصول کے ذریعہ اس عالم کے احوال کی درستگی کا ذریعہ بنیں۔

میرے عزیز! دین جیسی عظیم امانت کی سرسبزی کے لئے چلّوں جیسے حقیر وقت کے فارغ کرنے کا رواج ایک معمولی سی بات ہے اور اس کا وجود جب کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے قبضہ میں ہے اور ان سے وجود چاہنے کا طریق انبیاء کرام کے ذریعہ ہمیں بتا دیا گیا ہے تو پھر یہ بھی مشکل نہیں۔ البتہ عمل کے صحیح رُخ کے ساتھ انہماک کو بڑھاتے ہوئے ان سے اس کا وجود حاصل کرنے کے لئے راتوں کی بے قراری والی دعائیں اور دِنوں کو راتوں کو رُلا دینے والے مساعی کا انہماک مطلوب ہے۔ آپ احباب کو اس طرف پوری طرح متوجہ فرمادیں۔

بندہ محمد یوسف غفرلہ

۴ ربیع الاول ۸۲ھ

(۳)

ایک جماعت جو مرکز سے گئی ہوئی تھی اور ایک علاقہ میں کام کر رہی تھی اور اس کے ذمہ داروں کے ایک خط کے جواب میں ذیل کا اہم مکتوب لکھا گیا۔ جو بہت اہم ہدایات اور انتباہات پر مشتمل ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خط کے ذریعہ احوال معلوم ہوئے اور آنے والوں کی زبانی بھی تفصیل معلوم ہوئی حق تعالیٰ شانہٗ آپ کی مساعی کو مقبول اور بارآور فرماویں۔ میرے عزیز دوستو! شیطان کی طاقت حق ہے اور اللہ رب العزت نے اس کو بنایا ہے اور صرف اس لئے بنایا ہے ان کی طرف بڑھنے والوں کے راستہ میں ابتلاء و امتحان و آزمائش کی گھاٹیں کھڑی کرکے کچے اور پکوں کا امتحان لیا جائے اور جو لوگ ان گھاٹیوں کو پار کر جائیں اور ان میں نہ الجھیں ان کو اپنی ذات کے تقرب و رضا سے عالی عالی انعامات و درجات سے ہمیشہ کے لئے نوازیں۔

شیطان کی بھرپور کوشش یہ ہے کہ اس راہ پر چلنے سے بچلایا جائے اور اگر اس رُخ پر پڑ ہی جائے تو پھر اس کی پوری کوشش ان اصولوں سے بچلانے کی ہے جس سے رحمت و نصرت ہائے خداوندیہ متوجہ ہو کر ترقیات پر پہونچنے کی بجائے خذلان و محرومی کی شکلیں قائم ہوں۔ میرے دوستو! آپ کے لئے بڑی زبردست گھاٹیں ہیں اور شیطان ان میں بچلانے کے لئے تجربہ کار و پرانا گھاگ مستعدی کے ساتھ اپنی تدابیر میں مشغول ہے اس کے مکر سے تحفظ اس کے سوا ممکن ہی نہیں کہ جتنی بھی عالی صورتیں اللہ رب العزت اپنے فضل سے پیدا فرماویں۔ اپنے انکسار و تواضع کی مشق کو بڑھایا جائے۔ ایک دوسرے کی قدردانی و اکرام و اعزاز کی پوری پابندی کی جائے۔ اپنے کو خادم اور دوسروں کو اصل کرنے والا الیقین کرکے ہر عزت کے موقع پر دوسرے کو اور ذلت کے موقع پر اپنے کو بڑھایا جائے، اور آپس میں مشوروں کا اہتمام اور ایک دوسرے کو مشورہ کی دعوت دی جائے اور ایک دوسرے کی دلجوئی کی پوری پوری سعی کی جائے۔ اس راہ کی تکالیف کو بالذات محبوب یقین کیا جائے۔ غربا کے اختلاط اور ان میں کام کی شکل کو قوتِ عمل یقین کیا جائے ذکر و تعلیم و دعوات کا پورا اہتمام کیا جائے۔ بڑوں سے چھوٹا بننے کی مشق کے لئے ملا جائے اپنے عیوب پر ہر وقت نگاہیں ڈالی جائیں۔ اگر آپ احباب نے ہمتیں کرکے اللہ رب

العزت کے لئے اپنے کو جوڑ کر جما لیا تو دوسروں کے لئے بھی انشاء اللہ العزیز اٹھنے کی راہیں کھلتی چلی جائیں گی۔ مولانا ضیاء الدین بیس نفر کی جماعت کے ساتھ آج ہی آئے ہیں۔ مولوی عبدالعزیز ابھی مقیم ہیں۔ دوآبہ کے دوسرے شہروں اور قصبات میں پھیر کی ضرورت ہے۔

بندہ محمد یوسف عفرلہ یکشنبہ ۱۲ محرم ۷۲ھ

(۴)

۱۹۴۵ء میں ایک جماعت مراد آباد سے مرکز نظام الدین ہو کر پنجاب اور اس وقت کے صوبہ سرحد کی طرف گئی تھی۔ اس کے ذمہ دار نے لدھیانہ سے کارگزاری کا خط حضرت مولانا کو لکھا جس میں دعا کی بھی درخواست کی گئی تھی۔ حضرت مولانا نے اس کے جواب میں ذیل کا مکتوب لکھوایا۔

.........السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

کل ۱۰ مارچ شنبہ کو کارگزاری لدھیانہ سے مطلع فرما کر مسرور فرمایا، آپ ایسے کام کے لئے نکلے ہوئے ہیں جس کے اندر اسلام کی سرسبزی ہے اور بڑے خیر کی توقعات ہیں۔ اس لئے آپ کے لئے ہر چیز دعا گو ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ خانقاہوں اور علمی مراکز میں اپنے کام کی بہت مختصر سی کیفیت کے بعد دعا کی درخواست خط کے ذریعہ کرتے رہیئے اس کا ضرور اہتمام کیا جائے۔ آپ کی جماعت میں جو افراد مراد آبادی یا غیر مراد آبادی اپنا وقت ختم کر کے واپس جائیں۔ ان سے ترغیب کے بعد یہ ضرور کہا جائے کہ باہر نکل کر جن چیزوں کی تم سے مشق کرائی گئی ہے اور جو ایک طرز کی زندگی تم نے دیکھی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اب اسی زندگی کو اپنے گھر رہتے ہوئے اختیار اور پیدا کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ گھر جا کر اپنے مشاغل میں پہلے ہی کی طرح الجھ کر رہ جاؤ اور مقامی کام اور اس زندگی کو بالکل بھول جاؤ اور جو تاثرات ان میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان سے فائدہ اس طرح اٹھایا جائے کہ جانے والے کے ذہن میں یہ خوب بٹھا دیا جائے کہ اس

نے جو وقت دیا وہ بہت کم ہے۔ اب اس کے بدل میں اور تاثر کو باقی رکھنے کے لئے زیادہ سے زیادہ افراد کو تیار کرکے بھیجئے۔

.... والسلام بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۵)

رمضان سنہ ۱۳۸۳ھ میں ایک جماعت حجاج میں دینی کام کرنے کے لئے بمبئی گئی ہوئی تھی۔ اس کے ذمہ داروں کو حضرت مولاناؒ نے ایک خط لکھا تھا۔ ذیل میں اس کا ایک اقتباس درج کیا جارہا ہے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ .... آپ حضرات کے خطوط موصول ہوئے۔ آج کل طبیعت پر بہت زیادہ فکر اس بات کی غالب ہے کہ یہ ہزاروں عازمینِ حج جو اپنی بنیادی اور ابتدائی زندگی سے بھی خالی ہیں اگر ان کے اندر دینی جذبات کی پیداوار نہ کی گئی تو بلاشبہ سفر تو ہو جائے گا۔ لیکن یہ ایک نادر موقعہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف عاشقانہ طور پر جانے کی صورت پیدا ہوتی۔ مگر وہ ہماری کم ہمتی اور بے بضاعتی کی وجہ سے نہ ہوگی۔ اس کے لئے آپ جتنے بھی اس مقام پر پہنچ گئے ہیں اپنی انتہائی کوششوں میں کمی نہ کریں۔ قلوب تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہیں نہ جانے کون سی ساعت کی محنت اللہ رب العزت کو پسند آجائے اور وہ اپنے الطاف سے کوئی رُخ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے زندہ ہونے کا پیدا فرمادیں ....

بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۶)

بمبئی میں مقیم حجاج میں کام کرنے والی ایک جماعت کی طرف سے حضرت مولاناؒ کو صورت حال اور کارگذاری کی اطلاع دی گئی۔ جس میں یہ بھی تھا کہ کچھ حجاج الحمدللہ اس پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ حجاز مقدس میں دین سیکھنے کے لئے اور دین کی فکر لے کر پیدل سفر کریں گے۔ حضرت مولانا نے اس کے جواب میں ذیل کا مکتوب لکھوایا۔

.. .. وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خطوط کے ذریعہ مساعی خیر وصلاح کی خبریں موصول ہو کر باعث مسرت ہوئیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ محض اپنے لطف وکرم سے ان حقیر کوششوں کو اس اجتماعی طرز کے ایمان کے لئے جد وجہد اور نقل وحرکت کے منہاج محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پورے عالم میں سرسبز ہو جانے کا ذریعہ فرمائیں۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑا تھا۔ سابقہ عمل کو اس کے مقابلہ میں ایک گناہ تصور کرتے ہوئے اس پر توبہ استغفار کی مقدار کا حق ادا کر کے آئندہ کے لئے اس سے زیادہ اونچی شکلوں کو سامنے رکھ کر اپنی بساط کے مطابق جہد ومحنت بڑھانے کی کوشش کی جائے۔ جن حجاج کرام کو دین کی شکلوں کے سیکھنے پر اور صحابہ کرام کے طرز پر پیدل پھرنے پر آمادہ کر کے آپ حضرات نے بھیجا ہے سبب کے طور پر اگر ان سے خط وکتابت کے ذریعہ تحریص وترغیب وتاکید کا اجراء ہو سکے تو اس کو اختیار کرتے ہوئے ورنہ بغیر اس کے پوری طرح حق تعالیٰ شانہٗ سے گڑگڑا کر اور بلبلا کر ان کی راہ کے جو وعدے ہو چکے ہیں ان کے وجود میں آنے کے لئے حد سے زیادہ دعائیں کی جائیں اور مخصوص اکابر کی خدمات میں اس کی دعاؤں کے لئے لکھا جائے ....

ہمارے کام کرنے والوں کی اتنی زیادہ غیبوبت مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ مسکین صاحب کو بمبئی گئے بہت دن ہو گئے۔ کچھ دن کے واسطے ضرور بالضرور انہیں یہاں بھیج دیا جائے۔

فقط والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہ

۲۵ شوال ۶۹ھ

بقلم بشیر احمد عفی عنہ

(۷)

مندرجہ ذیل مکتوب پاکستان کے تبلیغی احباب و رفقار کے نام چند سال پہلے ماہ رمضان میں لکھا گیا تھا۔ یہ ہم کو جناب مولانا عبدالعزیز صاحب کھلنوی سے حاصل ہوا۔ جس کے لئے ہم مولانا موصوف کے بہت ممنون ہیں۔

مکرمین و محترمین بندہ ادام اللہ مجدکم و وفقنا اللہ ایاکم لما یحب و یرضیٰ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

حق تعالیٰ کا بہت ہی لطف و کرم ہے اپنے احباب پر کہ اس دور انحطاط میں جب کہ رب العزت کے اعمال کے ذریعہ ان کی ذات عالی سے استفادہ کی راہیں بند ہوتی جا رہی ہیں اور اس حقیر و فانی دنیا پر جانیں کھپا کر اس کے ذریعہ وقتی زندگی بنانے پر قناعت کا رواج پڑ چکا ہے۔ ایسے عالی و افضل طریق گشت و مجاہدہ کی طرف رہبری فرمائی جس کی قدر دانی کر لینے پر اور جان و مال کی حقیر سی پونجی جھونک دینے پر صرف محنت و مجاہدہ کرنے والوں کے لئے ہی نہیں بلکہ عام امت مسلمہ محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ اور عام انسانوں تک کے لئے ہدایت کے دروازے کھل جانے کی پوری توقعات اور امیدیں ہیں۔ میرے عزیز دوستو! دونوں جہان کی ساری نعمتوں اور کامل کامیابیوں کے حاصل کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ جل جلالہٗ عم نوالہٗ نے پورا دین عطا فرمایا ہے۔ جس کا تعلق ہماری پوری زندگی کے سارے اعمال سے ہے۔ اب اگر حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے ہدایت سے نواز دیں اور یہ بات جی میں پیوست ہو جائے کہ پرورش کرنے والے، حالات میں تغیر و تبدل کرنے والے صرف رب العزت ہیں اور اس دنیا میں پھیلا ہوا سارا نقشہ اور چیزوں کی دنیا بھر میں پھیلی ہوئی شکلیں ان کے استعمال کرنے سے استعمال ہوتی ہیں، وہ ان سب سے جو چاہے کر کے دکھلا دیں اور ان سب کے بغیر بھی جو وہ چاہیں اپنی قدرت سے کر کے دکھلا دیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کو سیکھ

کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی گذارنے پر اللہ رب العزت اپنی قدرت سے جس طرح
چاہیں گے زندگی کے حالات کو درست فرمادیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
طریقوں کے خلاف زندگی گذارنے پر جو بھی چاہے حاصل کرلیا جائے اللہ رب العزت
زندگی کے حالات کو بگاڑ دیں گے۔ سو اگر یہ ہدایت نصیب ہو جائے تو پورا دین بہت ہی
آسان اور محبوب بن جاتا ہے اور تھوڑی سی محنت سے زندگی میں چالو ہو جاتا ہے اور اگر
خدانخواستہ اس ہدایت سے انسان کا دل خالی ہو جائے اور اپنی محنت اور مساعی اور
اس دنیا کے دھوکے کے نقشوں اور شکل وصورت سے زندگی کے حالات کے سدھر جانے کا
غلط اور بے بنیاد تصور دل میں بیٹھ جائے تو پھر دین پر چلنا اور اس کا سیکھنا مشکل ترین بن
جاتا ہے اب حق تعالیٰ شانہ نے اس عالی دولت کے حاصل کرنے کے لئے محنت بھی عطا
فرمائی اور دعائیں بھی عطا فرمائیں اور ان اعمال کی محنت کے لئے جن کی حیات پر دعائیں
قبول ہو کر ہدایت کی دولت نصیب ہو اور سارا دین آسان بنے۔ مساجد بنائی گئیں اور
بازاری نقشوں کے اختیار کرنے کو وہاں کے تذکروں کو، وہاں کے تصورات کو یہاں ممنوع
قرار دیا گیا اور مساجد کی آبادی وتعمیر بازاری نقش ونگار اور ساز وسامان میں قرار نہیں
دی گئی۔ بلکہ گھنٹوں ایمان بالغیب والی مجالس میں بیٹھنا اور علم الٰہی کے حلقوں کا پابند
بننا اور ذکر ودعا کی فضائیں قائم کرنا، نماز وعبادت کی فضا قائم کرنا اور امور اخرویہ پر
رونا پیٹنا اور ایک دوسرے کی زندگی بنانے میں ہاتھ بٹانا وغیرہ امور کے مساجد میں وجود
میں آجانے کو ان کی تعمیر قرار دیا گیا اور مساجد کو ان اعمال سے آباد کرنے والوں کے مومن
ہونے کی خوش خبریاں سنائی گئیں اور ان ہی کی دعاؤں کے قبول کرنے کے وعدے کئے گئے
اور انہی مبارک انسانوں کے لئے ہدایت دینے کے فیصلے کئے گئے۔ اب جو مبارک انسان
اپنی جان ومال لے کر اٹھیں اور ان اعمال کے امت مرحومہ محمدیہ میں رواج پا جانے کے
لئے ملک بملک اقلیم بہ اقلیم مارے مارے پھریں۔ اپنی کمائی اور پرورش کے ظاہری

نظام میں تغیر و تبدل گوارا کریں اور ہر طرح کی تکالیف اپنی جان پر برداشت کریں۔ سو ایسے مبارک انسان اس راہ کے خواص میں ہیں ان کی دعائیں اپنے حق میں، اپنے متعلقین کے حق میں، عام امت محمدیہ کے حق میں اور سارے انسانوں کے حق میں اس طرح قبول ہوتی ہیں جس طرح انبیاء علیہم السلام کی، عالم کے حالات میں اس طرح تغیر و تبدل آتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں۔ اس مبارک راستہ کی ہر زمانہ میں بہت زیادہ قیمت ہے مگر بعض حالات اور زمانے ایسے ہوتے ہیں کہ اس راہ کی قیمت مالک الملک کی طرف سے بہت زیادہ بڑھا دی جاتی ہے اور کام کرنے والوں کے لئے ترقیات کے بہت زیادہ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جن حالات انحطاطِ دین سے ہم گذر رہے ہیں۔ اس میں محنت کی قیمت دین کے استقبال کے زمانہ کی محنت سے لاکھوں گنی زیادہ ہے خصوصاً رمضان المبارک کے زمانہ میں، جس زمانہ میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہدایت کی تقسیم کا غیبی نظام قائم کیا جاتا ہے، شیاطین بند کر دیئے جاتے ہیں، جو ہدایت سے ہٹانے والی غیبی طاقتیں ہیں۔ فرشتے پھیلا دیئے جاتے ہیں جو ہدایت کی طرف بلانے والی غیبی طاقتیں ہیں۔ وہ مبارک روحانیت و نور والی وحی لانے والا فرشتہ جبرئیل علیہ السلام جس کے گھوڑے کی ٹاپ تک کی روحانیت سے ریت پر سبزہ پیدا ہو جائے۔ جن کی اس عالم میں آمد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بند ہو گئی اور ان کی والی برکت سے اہل عالم محروم ہو گئے۔ اس مبارک مہینے میں اُن کی آمد بھی اس زمین پر کی جاتی ہے۔ گویا ان کی نسبت والی برکات کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور حوروں کو سجایا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ خیر کی طرف پکار اور شر سے روکنے کی آوازیں ہر طرف بلند کرائی جاتی ہیں اور تھوڑا سا بھی متوجہ ہونے والوں کو بھی ہدایت سے نوازا جاتا ہے۔ اب اگر اس محنت کے میدان کو جس پہ ہدایت کا فیضان ہادی کی ذات عالی سے اپنی مخلوق کیلئے عمومی طور پہ ہوتا ہے۔ ایسے

مبارک مہینے میں قائم کیا جائے جس میں ساری امت محمدیہ مرحومہ کے لئے ہدایت کی تقسیم کا عام نظام قائم کیا جاتا ہے اور امت میں دین کی طرف رجوع کی عمومی شکلیں قائم کی جاتی ہیں تو معلوم نہیں کہ ہدایت والے اعمال کے ہدایت والے مکانات یعنی مساجد میں زندہ کرنے کے لئے ہدایت والی نقل وحرکت وریاضت ومجاہدہ پر ہدایت والے مہینے میں کتنی ہدایت کا فیضان کتنی دین کی سرسبزی اور حالات دارین کی سرسبزی وفلاح کتنی مخلوق خدا کے لئے قائم ہو جائے اور یہ محنت کرنے والے کتنی خصوصیت کے حامل اور کتنے نہ تصور میں آنے والے درجات واجور وانعامات کے حاصل کرنے والے بن جائیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیارے صحابہ کرام کی مساعی مبارکہ پر قدسی وغیبی طاقتوں کا نزول اسی مہینہ کی مبارک مساعی پر شروع ہوا یعنی غزوۂ بدر والی ریاضت و مجاہدہ والا سفر اور اس پر اللہ رب العزت کی مددیں اس مہینہ میں ہوئیں اور آپ کی مساعی والے اسفار کی انتہا یعنی سارے عرب کے سارے قبائل کا اسلام میں داخلہ کرنے والا سفر یعنی فتح مکہ اسی مبارک مہینہ میں ہوا۔ اس مبارک ماہ میں اللہ رب العزت کی راہ کی نقل وحرکت اور صحیح اصول کے اتباع تام کے ساتھ محنت ومجاہدہ، راتوں کی درد بھری دعائیں عام قلوب کے حق وہدایت کی طرف پلٹ جانے اور دین متین کے سرسبز ہو جانے کا اعلیٰ ترین سبب اور اکمل ترین ذریعہ ہے۔ آپ حضرات ہمت فرما کر اللہ رب العزت کے راستہ میں شوق وحوصلہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت کے لئے زیادہ سے زیادہ خرچ کے ساتھ دور سے دور کے لئے اپنی ذاتوں سے نکل کھڑے ہوں، دوسروں کو تیار کریں اور ہر طرف قریب وبعید میں چلوں اور تین چلوں کے لئے جماعتوں کو نکالیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس مبارک زمانہ میں تین تین چلوں کے لئے تشکیلیں کر کے جماعتیں روانہ کی جائیں۔ تاکہ ارکان اسلام کی حیات والی محنت کا حساب اس ماہ میں قائم ہو اور اس ماہ میں چلہ کے لئے نکلنے کی برکت سے زیادہ وقت کے لئے اللہ رب العزت کے راستہ میں رواج پڑ جائے

کیونکہ جو خیر کا عمل اس مبارک ماہ میں شروع کیا جاتا ہے وہ اس ماہ کی برکت سے چل پڑتا ہے۔ مقامی گشتوں کو بڑھائیں..... روزانہ کی تعلیم کے حلقوں کو بڑھائیں اور ذکر و دعا کی مقدار بڑھائیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہم کو، آپ کو، سب احباب کو اس راہ کی ترتیبات حاصل کرنے کے لئے قبول فرما وے اور اپنے دین کو اپنی قدرت اور فضل و کرم سے چمکائیں اور اس کی برکات سے دارین میں ہمیں نوازیں آمین یا رب العالمین آمین۔

بندہ محمد یوسف غفرلہ

(۸)

حج کو جانے والوں میں دینی محنت کی ضرورت و اہمیت اور اس کا نظام۔

۱۰ ارشوال ۱۳۸۰ھ

مکرمین و محترمین بندہ ادام اللہ سعیکم وزادکم اللہ جداً فی سبیلہٖ وتقبل عنا وعنکم وتجاوز عن سیئاتنا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ انسانی زندگی کی دارین کی کامیابی یہاں حاصل کرنے کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے طریقۂ زندگی عطا فرمایا۔ جس کا تعلق انسان کی ۲۴ گھنٹہ کی زندگی سے ہے۔ اس کے لئے یقین بھی خاص تجویز فرمایا، علم بھی خاص عطا فرمایا، نیت بھی خاص عطا فرمائی، تاثرات بھی خاص تجویز کئے، جان خرچ کرنے کے لئے خاص طریقے بتلائے اور مال خرچ کرنے کے لئے بھی تفصیل تجویز کی۔ ان خصوصیات کو اپنی زندگی کے طریقوں میں حاصل کرنے کے لئے نماز عطا فرمائی اور مساجد میں حاضری کا حکم دیا تاکہ مساجد میں مجالسِ ایمانیہ کے ذریعہ یقین کی خصوصیت حاصل کریں، اور مجالسِ علمیہ کے ذریعہ جان و مال کے خرچ کرنے کے طریقوں کو اپنی زندگی کے شعبوں میں داخل کریں، اور ذکر کی مجالس کے ذریعہ اپنے تاثرات اور توجہات کو کائنات سے خالقِ کائنات کی طرف اور بازاری یقینوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اعمال کی طرف جوڑلیں انہی خصوصیات کے

حاصل کرنے کے لئے رمضان المبارک کا مہینہ عطا فرما کر رات دن اُسی محنت کا مطالبہ فرمایا اسی کی محنت کے لئے زکوٰۃ کا فریضہ عطا فرمایا۔ اور ان خصوصیات کی تکمیل کے لئے حج کا مبارک ترین عمل عطا فرمایا۔ اب جو انسان اعمال کے انہماک کے ذریعہ اپنی زندگی گذارتے ہیں۔ ان خصوصیات کو حاصل کرلیں تو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ عالی کے لامحدود، بے نہایت خزانوں کے ہمیشہ کے لئے عطایات اور انعامات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بازاروں کے نقشوں سے اساس زندگی ہٹ کر دعاؤں پر آجاتی ہے اور بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل مرحلہ خداوند قدوس کی قدرتِ کاملہ سے آسان سے آسان بن جاتا ہے اور دونوں جہاں کی کامیابیوں سے نواز دیا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خاص طرح کی عبادات عطا فرمائیں وہاں اِن خصوصیات کے زندگیوں میں پیدا ہونے کے لئے محنت کے بھی خاص طریقے عطا فرمائے۔ جن کے اختیار کرنے پر اعمال کی خصوصیات زندہ ہو کر دعاؤں کی قبولیت کے لئے عام دروازے کھل جاتے ہیں اور ان خاص محنت کرنے والوں کو دارین کی اعلیٰ نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا جاتا ہے اور ان کی دعاؤں کی قبولیت میں انبیاء علیہم السلام کی دعوات کی قبولیت کی جھلک حق تعالیٰ شانہٗ نصیب فرما دیتے ہیں۔

اے عزیز دوستو! فرائضِ خداوندیہ میں جو سا بھی فریضہ اُمّت کی طرف متوجہ ہوتا ہے دو لائن کی محنت امت پر عائد ہوتی ہے۔ ایک اس فریضہ کو اپنی خصوصیات کے ساتھ اپنی ذات سے ادا کرنا۔ دوسرے اس فریضہ کے صحیح نوعیت کے ساتھ قائم ہونے کے لئے محنت کے میدان قائم کرنا، فریضہ کی صحیح نوعیت کے ساتھ ادائیگی ثمرہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اور وہ محنت و مجاہدہ جس سے فریضہ کی صحیح نوعیت قائم ہو۔ جڑ اور بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر جڑ وجود میں نہیں آئے گی ثمرہ کا ترتب نہیں ہوگا۔ اور بقدر جڑ کے وجود میں آنے کے ثمرات کا ترتب ہوگا...... حج کا فریضہ اور اس کی صحیح نوعیت

قائم کرنے کے لئے محنت کا فریضہ امت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اب اگر ہمت کرکے جانے والے حجاج میں ان خصوصیاتِ اعمال کے زندہ ہونے کی محنت کرلی جائے جو حج کے ثمرات مرتب ہونے کے لئے شرائط کا درجہ رکھتی ہیں تو جانے والے حجاج کی اور ان محنت کرنے والوں کی دعائیں اپنے اپنے درجہ کے مطابق قبول ہوکر رحمتہائے خداوندیہ اور نصرتہائے الٰہیہ کے دروازے کھلنے کی صورتیں پیدا ہوں..... حج کے کے فریضہ کا تعلق صرف حج کرنے والوں سے نہیں، بلکہ پوری امت کے دین اور محنت کا جائزہ خداوند قدوس اپنے اس گھر پر لیتے ہیں جس کے اثرات پورے نظامِ عالم پر پڑتے ہیں۔ وہاں کی زندگی میں پاک طریقوں کے اختیار کرنے پر سارے عالم پر رحمت وانعامات کے اثرات پڑتے ہیں۔ اور وہاں کی زندگیوں کی خرابیں سارے عالم پر پریشانیوں کے اثرات ڈلواتی ہیں۔ آپ حضرات ہمت فرماکر جانے والے حجاج کا تفقد کرکے ان کو نمازوں کا عادی بنائیں۔ مساجد میں ایمان کی مجلسوں میں بیٹھنے کی عادت ڈلوائیں۔ علم کے حلقوں میں کتابوں کے سننے اور سیکھنے سکھانے کا مزاج پیدا کریں گشتوں کی اور دعوت دینے کی مشق کرائیں، اللہ رب العزت کے راستہ میں نکلنے اور دین کے لئے محنت کرنے پر آمادہ کریں اور اس کی عملی مشق جتنی کراسکیں ضرور کرائیں۔ خدمت گذاری کی، تواضع کی، اکرامِ مسلم کی، ذکر و دعوت کے اہتمام کی پابندی پر خوب ابھاریں اور عملی مشق بھی جتنی کراسکیں ضرور کرائیں۔ اپنے مقام پر بھی اس کی محنت کریں ماحول میں بھی اس کے لئے جماعتیں بھیجیں، بندرگاہوں پر جماعتیں روانہ کرنے کی سعی کریں اور جہاں جہاں حجاج جمع ہوکر روانہ ہوتے ہیں ان سب جگہوں کے لئے جماعتیں روانہ کریں تاکہ حجاج میں عمومی محنت کے ذریعہ حرمین مبارکین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیائے امت رحمہم اللہ کے پھیرے ہوئے علاقوں کے فیوض و برکات امت میں عام ہوں، مساجد

والے اعمال سرمبز ہوں اور اُمت کی رُوحانی و نورانی، ایمانی و اخلاقی ترقیات زندہ ہوں۔ اور بازاری پھسلنوں اور دھوکوں سے اُمت کی حفاظت ہو۔ اور آپ حضرات کے لئے اس کے صلہ میں قربِ خداوندی کے وہ درجات حاصل ہوں جو تصوّر میں نہ آسکیں۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ من القول والعمل والجھد والنیۃ والھدیٰ آمین یارب العالمین۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۹)

حرمین پاک میں حجاج کو دین کی محنت پر لگانے کی اہمیت وترغیب اور اس کا نظام۔

۷۸۶

مکرّم ومحترم بندہ !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ــــــ آپ حضرات کے خطوط موصول ہوکر کاشفِ حال ہوئے ــــــ حجاج میں دینی زندگی کے زندہ ہو جانے کی جدوجہد کی شکلوں سے بہت مسرت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کو پورے عالم میں دین کی سرسبزی کے لئے جان کھپاتے ہوئے آنے اور جانے کے زندہ ہو جانے کا ذریعہ فرمائیں تاکہ آتے ہوئے دین کے لئے جان کھپانے کے ذریعہ حرمین کے فیوض سے استفادہ کی استعداد پیدا ہو۔ اور واپسی کی جدوجہد میں حرمین کے افادہ کی شکلیں زندہ اور سرسبز ہوں۔

میرے عزیزو ! اس عالی مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے جتنے بھی اس عمل کے جذبات پیدا کرکے اس کی اجتماعی شکلوں پر قابو پالیا جائے اتنا ہی آنے والے دور میں حج کا معیار بلند ہوکر نہ معلوم اس وقت کے جان کھپانے والوں کے لئے کتنے بے نہایت اجور و درجات کے حصول کا ذریعہ ہوگا۔ جانے والے حجاج خصوصاً میوات کے حجاج

میں اس بات کی پوری سعی ہو کہ مروجہ طریقہ پر جانے کے انتشار سے اپنی پوری طرح حفاظت کرتے ہوئے اس طریق سے حجاز میں سفر اختیار کیا جائے جس سے وہاں کے علاقہ میں دین کا شیوع و فروغ ہو اور جانے والوں کو وہاں کی ترقیات ایمانیہ و روحانیہ میں سے پورا حصہ نصیب ہو۔ پیدل اسفار کی عملی شکلیں قائم ہونے پر ابھی سے قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ اپنے احباب پیدل کے لئے متعین کر کے ان کے رفقائ کے بڑھانے کی ابھی سے سعی ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی تشریف لے گئے ان سب جگہوں کے لیئے جماعتوں کے جانے کی تشکیلوں پر قابو پایا جائے۔ اور صحابہ کرام رضؓ نے جہاں دین کی حیات کے لئے ٹھوکریں کھائیں وہاں کے لئے بھی پوری طرح جماعتوں کے روانہ کرنے کی سعی کی جائے۔ تعلیم و تعلم و اذکار کے اہتمام پر پوری طرح آمادہ کیا جائے حجاج کرام و اہل عرب کے حقوق کی ادائیگی کی طرف پوری طرح متوجہ کیا جائے۔ ایک گروہ اللہ رب العزت کا مہمان ہے اور مہمان کے ساتھ کی ذراسی بھی بے عنوانی ناگواری کا باعث بن جاتی ہے۔ اور دوسرا گروہ حرمین کا پڑوسی ہے۔ ان کے ساتھ کی بے عنوانی بھی غضب الٰہی کی داعی ہے ــــــ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی تخریب و بربادی و موت کا منظر سارے عالم میں بکھرا ہوا ہے مگر حج کے موقعہ پر ساری اُمّتِ محمدیہ کی زندگیوں کا طریقہ سمٹ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ حیات کی موت کا (عالمی) منظر سب کے سامنے آجاتا ہے۔ اب دردمند اور اللہ اور ان کے محبوب رسول کے ساتھ ذرا سا بھی تعلق رکھنے والوں کا اعلیٰ ترین تقرب و محبوبیت اور اطاعت و عبدیت کا عمل یہ ہے کہ اس منظر کی تبدیلی کے لئے اپنی جانوں کو پوری طرح جھونک دیں۔ دین کے لئے جان کھپانے کے اعمال پر ان کے ڈالنے کے لئے پوری طرح سعی کی جائے ان کو اپنے ساتھ لے کر اس مبارک علاقہ میں ٹھوکریں کھانے کے ذریعہ اس کے اصولوں کے اخذ کی کوشش پوری طرح کی جائے۔ جزیرہ عرب کو دین کی حیات کے لئے جان کھپانے

کا مرکز قرار دے کر اس میں طریقہ جہد کے سیکھنے اور سکھانے کا رواج ڈال کر ہر طرف دین کی حیات کے لئے ٹھوکریں کھانے کے لئے مقامی احباب کے ساتھ مل کر روانہ کرنے کا رُخ ڈالا جائے۔ اگر میواتی حجاج میں سعی کے ذریعہ ان میں ان شکلوں پر عمل میں مسابقت پیدا کر لی جائے تو انشاء اللہ العزیز دوسرے علاقہ والے بھی ان شکلوں کو اختیار کرنے لگیں گے۔ اپنے احباب کو اس معاملہ میں پوری سعی کرنا انتہائی ضروری ہے۔ الحمد للہ یہاں تھوڑی سی عملی اجتماعی صورتیں پیدا کر لینے پر ان میں بہت ہی عالی جذبات پائے جارہے ہیں۔ خدا کرے آپ کی مساعی اس کے ازیاد و ترقی کا ذریعہ بنیں۔

میرے عزیز دوستو! اس وقت کے احوال کی درستگی کے لئے پوری طرح اس عمل کے لئے جانیں کھپاتے ہوئے گڑگڑا کر بلبلا کر مواقع اجابت میں دعاؤں کا پورا پورا اہتمام کیا جائے۔ حق تعالےٰ شانہٗ نے طبعی اعمال کی فضاؤں سے آپ حضرات کو وقت نکال کر عبدیت کے اعلیٰ ترین عمل کے لئے اعلیٰ ترین عمل کے موقع پر جمع فرما دیا۔ اب استعانت باللہ کی قوت کے بقدر ہی رحمت و انعامات و نصرت کے دروازے انشاء العزیز کھلیں گے جس کے سارے ہی اہل عالم خصوصاً امتِ محمدیہ مرحومہ اور اہلِ ہند آج پوری طرح محتاج ہیں۔ آپ حضرات خصوصیت کے ساتھ عمل کے پورے انہماک کے ساتھ انتہائی دعوات کا اہتمام فرمائیں۔ مولوی داؤد و حافظ نصیب خاں و حاجی حنیف بھی انشاء اللہ آرہے ہیں۔ دوسروں کے بارے میں بھی گفتگوئیں اور مشورے جاری ہیں۔ البتہ اپنی آمد کے بارہ میں موجودہ احوال کی بنا پر اشکال ہے اور بظاہر امسال ناممکن ہے۔

۱۱ر شوال ۷۵ھ　　　　بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۱۰)

اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل اور اصول کی پابندی کی تلقین

۱۸ر شوال ۷۵ھ　　　　۲۹ر مئی ۵۶ء

مکرمین و محترمین زادکم اللہ و ایانا جداً و سعیاً فی سبیلہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'۔۔۔ آپ حضرات کے خطوط مسرت کے باعث ہوئے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف و کرم سے آپ کی اپنی ترقیات کے ساتھ دین کی سرسبزی و فروغ کا آپ کی مساعی اور سفر کو ذریعہ فرماویں اور ہر طرح کی مدد یں اور نصرتیں دونوں جہان میں شامل حال فرماویں۔ اور ہر موقع و حال کی حوائج کا اپنے فضل و کرم سے بندوبست فرماویں۔

میرے عزیز! کرنے والے صرف اللہ رب العزت ہیں اور ان کے لئے کوئی سی بھی حالت سخت نہیں ہے جونسی حالت ضلالت کو، جونسی حالت ہدایت کے ساتھ جس وقت چاہیں، بدل دیں۔ بندوں کی محنت و مساعی صرف اختیارِ سبب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اب سبب میں جتنی صفات قبولیت ہوں گی۔ خداوند قدوس کی رحمت متوجہ ہو کر سخت سے سخت خراب احوال بہتر سے بہتر احوال سے منجانب اللہ تعالیٰ ان کے تصرفاتِ خاص سے مبدل ہو جائیں گے۔ لہٰذا اپنے کام کرنے والے احباب کو ان احوال سے نہ متاثر ہونا چاہیئے نہ نا امید ہونا چاہیئے۔ بلکہ اللہ رب العزت کی عظمت و قدرت و قوت کو سامنے رکھ کر ان سے مددیں حاصل کرنے کے لئے دین کی حیات و سرسبزی کے لئے جہد و نفر کے عالی اوامر کی تعمیل ان کی اعلیٰ شکلوں کے ساتھ کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہیہ میں گڑگڑا کر اور بلبلا کر دعاؤں کا اہتمام کرتے رہنے میں ہی ان سب احوال کی تبدیلی مضمر ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ محنت کی صحیح شکل اپنے کو اور اپنے سب احباب کو نصیب فرمائیں۔ جماعت کے لانے کی بہت سعی فرماویں۔ تین تین چلّہ کی جم کر دعوت دیں۔ تعلیم و تعلّم کے حلقوں کے قیام کا پورا پورا اہتمام فرمائیں، اگرچہ تھوڑی ہی مقدار میں ہوسکے۔ اللہ کے ذکر کی کثرت کریں، اصول کا مذاکرہ رکھیں، دنیا کے تعیش کی رغبت پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی کی اپنے میں رغبت پیدا کرنے کی سعی کریں

ایک دوسرے کی خدمت گذاری کی عادت ڈالیں۔ اخلاق کے سیکھنے کو بہت اہم سمجھیں اور دعاؤں کو اپنے لئے اور ہمارے لئے بہت اہتمام فرمائیں اور غرباو کس مپرس طبقات میں کام کا ضرور پھیر ڈالیں کہ ان میں کا کام بہت سے رذائل سے حفاظت کا اہم سبب ہے سب احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں۔

بندہ محمد یوسف عفی عنہ

(۱۱)

اصولوں کو مضبوطی سے پکڑنے اور رواجی طریقوں سے بچنے کی تاکید۔

مکرم و محترم بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ——— آپ صاحبان کے خطوط یکے بعد دیگرے تقریباً روزانہ ہی موصول ہوئے۔ وہاں کے کام سے جتنی خوشی حاصل ہوئی، اسی قدر بے انتہا فکر بھی ہوئی جس کا اندازہ آپ حضرات کے خطوط سے بھی ہوتا رہا کہ آپ حضرات کو بھی حق تعالیٰ شانہ نے فکر عطا فرمائی ہے۔ حقیقت میں یہ کام رواج کے بالکل خلاف ہونے کی بنا پر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تھوڑی سی محنت اور مجاہدہ کے بعد اس کے اس کے سارے اصولوں کی رعایت کرنے پر بہت ہی آسان ہے بلکہ رواجی طریقوں سے کرنے پر بے انتہا مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں اگرچہ بظاہر رواجی طریق میں سہولت نظر آتی ہے اس بنا پر اس بات کی اجتماعی طریق سے پوری کوشش فرمائی جائے کہ کام منہاج نبوت سے ہٹنے نہ پائے اور اپنی سادگی کے ساتھ دن کی محنتوں اور رات کی دعاؤں کی مقدار بڑھتی چلی جائے۔ اس کام میں اجتماعات نہ بنیاد ہیں نہ مقصود۔ بلکہ اپنے نہج سے ہونے کی بنا پر مضر ہیں۔ اس لئے ماہانہ اجتماعات بالکل نہ کئے جائیں۔ ہر جگہ مقامی اجتماعات، ہفتہ واری اجتماعات اپنی نوعیت کے ساتھ یعنی پوری شب گذارتے ہوئے اور اوقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کئے جائیں۔ اور جتنے آدمی اس وقت موجود

ہیں ہر کام کو اجتماعی کریں۔ حتیٰ کہ سفر میں بھی یک جا رہنے کی بھرپور کوشش کی جائے جو لوگ ادھر (دہلی) ہو کر جا چکے ہیں ان سب کو جوڑنے کی کوشش کی جائے۔ غرباء و مساکین میں کام کی مقدار بڑھائی جائے اگرچہ شروع میں مشکلات پیش آئیں اور محنتیں کرنی پڑیں۔ ڈینڈیگل میں زیادہ نہ ٹھہرا جائے۔ بلکہ پوری جماعت خود نمبروں کی پابندی کرتے ہوئے غرباء کی بستیوں کا سفر کرے۔

فقط بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

۲ ررجب ۱۳۷۱ھ

(۱۲)

مندرجہ ذیل مکتوب تبلیغی کام سے تعلق رکھنے والے علاقہ گجرات کے ایک مولوی صاحب کو ان کے خط کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے خط میں اپنے یہاں کے کام کے بارہ میں کچھ لکھا تھا۔ یہ ہم کو مکتوب الیہ نے خود بھیجا جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔

مکرّم بندہ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ خط سے حالات وکوائف معلوم ہوئے جس سے ازحد مسرّت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ قبول فرمائے۔

میرے بھائی یہ کام بہت اُونچا اور گہرا ہے۔ اس میں ہزاروں اصول وقواعد ہیں اور اس کا ایک خاص نہج اور خاص مزاج ہے۔ اگر ان کو اپنا کر اس کام کو کیا گیا تو بہت زیادہ خیروں کی امید ہے اور دوسری صورت میں شرور وفتن کا خطرہ ہے۔ اس لئے آپ جیسے کام کرنے والے حضرات کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے کہ وہ اپنے علاقوں سے جماعتیں لے کر یہاں آئیں۔ اور پرانوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول کے ذریعہ اس کام کو صحیح نہج کے ساتھ اپنائیں، اس سے آپ حضرات کے علاقہ میں صحیح اصولوں کے ساتھ کام چلے گا اور چمکے گا اور کام کرنے والے احباب خطرہ سے محفوظ امن میں رہیں گے

اور لوگوں میں عمومی طور پر تواضع، کسرنفسی، دوسروں کے محاسن دیکھنا، اپنے عیوب پر نظر ڈالنا پیدا ہوگا جس سے دل جڑیں گے اور محبت و اتفاق پیدا ہوگا۔ جب تک یہاں نہ آسکیں اپنے حالات سے تفصیلاً اطلاع دیتے رہیں ......

تمام احباب کو سلام مسنون، خدا تمام مدارس دینیہ کو ترقی نصیب فرمائے۔ والسلام

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

(۱۳)

شادیاں کس طرح کی جائیں اور زندگی کا یہ شعبہ دین کے فروغ کے لئے کس طرح استعمال ہو۔ ذیل کا مکتوب ایک صاحب کو لکھا گیا۔ جنھوں نے اللہ کی توفیق سے سنت کے مطابق شادی کی تھی۔

مکرم و محترم بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ...... آپ کے اس مبارک جذبہ کو معلوم کرکے حد سے زیادہ مسرت ہوئی کہ آپ کے ہاں شادی سنت کے مطابق وجود میں آئی ۔ حق تعالیٰ شانہٗ آپ کے اس مبارک عالی جذبہ کو پوری طرح قبول فرماتے ہوئے اپنے لطف و کرم و فضل سے اس میں برکتیں و رحمتیں پوری طرح شامل حال فرمائیں ـــــ میرے بزرگ! اس شعبہ کا سنت کے مطابق ہونا بس اسی پر موقوف ہے کہ اس فعل پر جو پیسوں کے خرچ اور کھانے پینے کی دلچسپیوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ ان آنے والوں کو دین پر جان و مال خرچ کرنے اور تبلیغ کے ذریعہ دین سیکھنے کے لئے نکل کھڑے ہونے پر آمادہ کیا جائے۔ اور اپنی جتنی رقم نکاح کی فضولیات پر آج خرچ کرنے کا رواج ہے۔ اتنی مقدار مال کو لے کر لڑکا لڑکی کے والد وغیرہ اللہ رب العزت کے راستہ میں دین کی سرسبزی کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ اور اپنے جذبہ و شوق کو جس کو وہ شادی پر خرچ کرتے اللہ کے دین کی سرسبزی کے لئے جد و جہد پر صرف کریں اور دوسرے شادی میں شریک ہونے والوں

کو بھی اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ مسلم کی جان و مال کا موضوع و مقصد خواہشات پر خرچ ہونا نہیں بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حیات و سرسبزی پر خرچ ہونا ہے۔ جتنا ہماری جان اور مال کا خرچ دین کی حیات کے درد و فکر و جہد و سعی پر آتا چلا آئے گا دین کے سارے شعبے سنت کی شکل پر زندہ ہوتے چلے جائیں گے۔

آپ کے اس اقدام کو حق تعالیٰ شانہٗ پوری طرح قبول فرمائیں اور اس شعبہ کی اصلاح کا اس شادی کو ذریعہ بنا کر اس شعبہ سے متعلق رحمت و نصرت، انعامات و برکات کے دروازے جمیع اہل عالم کے لئے پوری طرح کشادہ فرمائیں۔ بندہ اس شادی کے مقبول با برکت ہونے کے لئے پوری طرح دعاگو ہے۔

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

۱۸ رجب ۱۳۸۱ھ

۱۴

ایک جماعتی ساتھی کے فرزند کے انتقال پر تعزیتی مکتوب سے ایک اقتباس

محترم بندہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ...... حق تعالیٰ شانہٗ فاروق مرحوم کی اپنی راہ میں جان دینے کو پوری طرح قبول فرما کر بے انتہا اجور و درجات سے نوازیں اور پورے عالم میں دین کی سرسبزی کا ذریعہ بنائیں۔ اللھم آمین! یہ دنیا تو عارضی جگہ ہے۔ یہاں کی ہر حالت فانی ہے وصل بھی وقتی ہے اور فراق بھی وقتی۔ سو اگر وقتی فراق کو صبر و تحمل کے ساتھ اللہ رب العزت کے اجور و درجات کا یقین کر کے گذار دیا جائے تو اللہ رب العزت کی رضا و نجات و مغفرت و عطائے جنت کے ساتھ جانے والا بھی دوبارہ مل جائے۔ پھر اگر اس فراق میں نسبت ان کے راستے سی آجائے تو معلوم نہیں اس نسبت پر والدین کے لئے کتنی زیادہ ترقیات اور اجور و درجات کا ذریعہ بنے۔ حق تعالیٰ نے آپ کے گھرانہ کو بہت ہی بڑی دولت سے نوازا۔ کہ دین

کی اس غربت و کس مپرسی کے دور میں اس کی حیات و سرسبزی کے لئے جان کھپاتے ہوئے اور ملکوں میں پھرتے ہوئے جان دینے کی نسبت عطا فرما کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے ساتھ مشابہت کی ایک جھلک عطا فرما دی۔ جو آپ ہی کے لئے نہیں، بلکہ نہ معلوم کتنے انسانوں کے لئے ہدایت کے دروازے کھلنے، انعامات ابدی کا ذریعہ بنے۔ جانے والے نے رہنے والوں کو اس راہ میں مر مٹنے کا سبق دیا ہے اور انتہائی مسرتوں کے ساتھ، وقعت و رغبت و شوق کے ساتھ اپنی جان اللہ کے راستے میں دے دی۔ اور آخر وقت تک دین کی زندگی کے لئے جان کھپانے اور عالم میں پھرنے اور محنت کرنے کے لئے تاکید کی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ اس وصیت کی تعمیل میں آپ کا گھر اور متعلقین پیش پیش ہوں اور جانے والے کو اس کے اجور و درجات آپ کی طرف سے تحفہ پیش ہوتے رہیں۔"

بندہ محمد یوسف غفرلہٗ

۱۵

فاروق مرحوم کی والدہ نے خواب میں مرحوم کو رسول اکرمؐ کے ساتھ نہایت قریب دیکھا۔ نیز رسولؐ اکرم کو اپنے قریب کھڑے اچھے کلمات بیان فرماتے دیکھا۔ اس خواب کے متعلق حضرت مولاناؒ کو لکھا گیا تو حضرت جیؒ نے اس خواب کے متعلق ذیل کا مکتوب تحریر فرمایا۔

محترم بندہ! بشرنا اللہ ایاکم بما عندہ من النعم وحفظنا عما عندہ من النقم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اپنے بندوں کے دل تھامنے اور تسلی دینے کے لئے اللہ رب العزت گاہے گاہے بشارتوں کی صورت اختیار فرماتے ہیں۔ رویاء صالحہ مبشرات میں سے ہیں۔ فاروقؒ عزیز کی مغفرت اور درجات کی بشارت پر مشتمل ہیں۔ نیز ادھر بھی اشارہ ہے کہ یہ مبارک عمل جس میں عزیز فاروق کی جان قبول ہوئی، وہ نبیوں والا عمل ہے۔ اس میں آپ جیسوں کا انہماک اور بھرپور اشتغال عالمگیر تاثرات اور اقوام میں تغیر پیدا کر کے بے انتہا برکات کا موجب ہوگا۔ حضور پاک

صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف لائے اور اپنا سب کچھ اس کام پر لگا دیا۔ بیوی، بچہ مکان، وطن، قوم، برادری، معبد سب ہی کو حیات طیبہ، نجات آخرت، تشیوع راہِ حق کے لئے فدا فرمایا۔ اس کام میں انہماک اور اصحاب مشاغل کو اس طرف توجہ دلانے کی جتنی محنت بڑھے گی۔ نہ معلوم کتنی مبشرات، مذکرات و ترقیات نصیب ہوں گی۔ رجال میں رجال اور نساء میں نساء کی محنت و مشقت اٹھانے کی بے انتہا ضرورت ہے۔ لان یھدی اللہ بک رجلاً واحداً۔ الخ

بندہ محمد یوسف غفرلہ

ارشاداتؒ و ملفوظاتؒ

اسلامی اعمال کی ترتیب قائم کرنے میں آؤ گے تو چیزوں کی ترتیب بدل جائے گی اعمال کی ترتیب کو قائم کرنا چیزوں کی ترتیب قرآن مجید کے مطابق بدلنا، اسلام اسی کا نام ہے جو چیزوں کی ترتیب قائم کرتے ہیں اور عملوں کی ترتیب کو بگاڑتے ہیں خدا تعالےٰ ان کو ذلیل کرے گا۔ اور دلوں میں نورِ ہدایت پیدا نہیں ہوگا۔ جو اعمال محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب قائم کریں گے وہ محبوب و مرجع خلائق بنائے جائیں گے۔ نماز کی حقیقت پیدا کرنے کے لئے محنت کرو۔ اسلام دو حرکتوں پر چمکتا ہے۔ ایک نماز میں محنت، دوسری نماز والی حرکت میں محنت اور اس کو عام کرنا۔ اندر کا نور ان دو حرکتوں میں دیا جائے گا۔ دعا قبول ہوتی ہے، جب حرام کے کھانے سے بچو گے اور خوب قبول ہوگی جب مکروہ تک سے بچو گے۔ سوال کرنا حرام ہے۔ اشراف (یعنی اندر ہی اندر مخلوق سے مانگتے رہنا اور مخلوق سے ملنے کی توقع رکھنا) مکروہ ہے۔ منہ سے مانگ لیا تو سوال اندر ہی اندر غیر سے جزا مانگنے کا جذبہ باقی رہتا۔ یہ تو اشراف ہے۔ خدا کے جاننے کے اعتبار سے تو دونوں یکساں ہیں۔ مخلوق سے مانگ کر جو چیز کھاؤ گے وہ حرام ہے۔ اشراف کے ذریعہ جو آئے گی اس کا کھانا مکروہ ہے۔ مخلوق سے مانگ کر کھاؤ گے تو ذلیل ہو جاؤ گے۔ خواہ سنجیدگی سے مانگا خواہ ہنسی مذاق سے مانگا۔ یہ مانگنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ اصل ان کی سوال ہی ہے ان دونوں سے بچنا ضروری ہے اور دو چیزوں پر محنت کرنا ضروری ہے۔ اشراف سے بچنے پر محنت

دعا مانگنے پر محنت۔ مخلوق سے مانگنا سوال ہے خدا سے مانگنا خواہ دل سے ہو یا زبان سے۔ یہ دعا ہے۔ اصل دعا دل کی ہے۔ شیطان اشراف پر ڈالے گا۔ تم دعا میں لگ جاؤ۔ یہ اس کا علاج ہے دین و دنیا کا جہاں کوئی مسئلہ آدے تم دعا میں لگ جاؤ۔ تو اشراف سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ جب اشراف سے محفوظ ہو گئے تو سوال سے محفوظ ہو جاؤ گے۔ اگر اشراف سے جڑ نہ کٹی۔ تو ایک نہ ایک دن سوال کی لعنت میں پھنس جاؤ گے۔

کسی کی چیز بغیر اس کی اجازت کے استعمال کرنا حرام ہے۔ اس سے بہت بچو۔ خواہ چیز کتنی ہی معمولی اور عام استعمال میں آنے والی کیوں نہ ہو۔ ممکن ہے جس وقت تم اس کی چیز استعمال کرنے کو اکٹھا کر لے گئے اسی وقت اس کو بھی ضرورت ہو

غریبوں اور کس مپرسوں کی خدمت سے خدا ملتا ہے۔ تکبر ٹوٹتا ہے۔ تواضع پیدا ہوتی ہے۔ غرض والی خدمت سے خدا نہیں ملتا۔ حکام، امرار، مشائخ اور علمار کی خدمت مطلب برآری، وجاہت پرستی اور شہرت کی وجہ سے بھی کی جاتی ہے۔ اس سے خدا نہیں ملے گا۔ (مفہوم) جس سے گھن آتی ہو، نفرت آتی ہو۔ اُن کی خدمت سے قلوب کھینچتے ہیں جب کہ اس میں کوئی غرض شامل نہ ہو۔ مشائخ عظام کے خدام کی بابت ہم ہنستے ہیں۔ وہ صاحبِ کمال بنے۔ یہ وہ خدام تھے جو خانقاہ میں آنے والے مہمانوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ غرض والی خدمت کرنا بہت آسان ہے۔ لوگ پیروں کی خدمت کرتے ہیں کہ اُن کی دعاؤں سے ہمارا فلاں کام بن جائے گا۔ ہماری سفارش کر دیں گے۔ پھر ان حضرات کی خدمت سے نفس کو مفت کی شہرت ملنے کی وجہ سے لذت آتی ہے۔ یہ تمام اغراض ہیں۔ ان سے پاک ہو کر خدمت کرو۔

جتنا محنت کا میدان وسیع ہوگا اسی قدر نور زیادہ نصیب ہوگا۔ ہمارے اور تمہارے سب کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و محنت عالمی تھی۔ دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی محنت علاقائی اور مخصوص اقوام تک تھی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت کا میدان سارا عالم اور قیامت تک آنے والی تمام اقوام کو شامل ہے۔ زہد اور تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کو پلٹ دیتے ہیں۔ اس کے ذیل میں حضرت داؤد طائی نور اللہ مرقدہم کا قصہ سنایا۔ فرمایا یہ ایک بزرگ گذرے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کی کمائیوں کی آمدنی ٹھیک نہیں رہی تو لوگوں سے ہدیے لینے چھوڑ دیے اور باہر نکلنا چھوڑ دیا اندر ہی اندر اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر کرتے رہتے۔ جب ان کے والد مرحوم کا انتقال ہوا۔ تو بہت ہی قلیل رقم چھوڑ کر گئے تھے۔ جس پر انہوں نے تیس سال گذار دیئے۔ جب یہ بھی ختم ہو گئی تو مکان کے پتھر اور چھت کی کڑیوں کو بیچ کر گذارا کیا۔ مگر لوگوں سے نہیں لیا۔ جب ان کا انتقال ہوا۔ تو صبح سے شام تک جنازہ چلا۔ تب جا کر کہیں قبرستان پہنچا۔ لوگوں کے ہجوم کی کثرت کی وجہ سے چودہ چارپائیاں ٹوٹیں۔ اور اس دن ان کی برکت سے چھ لاکھ یہودی مسلمان ہوئے۔

ایک دفعہ حضرت جی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت شیخ المشائخ سیدنا شہاب الدین سہروردی نور اللہ مرقدہم کی برکت سے شاہان تیمور اور تاتاریوں کی بہت بڑی اور جنگجو قوم جس کا اس زمانے میں جھکانے والا کوئی نہ تھا۔ جن کی تلواروں کے سامنے سب کی تلواریں کند ہو گئی تھیں اور جس قوم نے ایک دفعہ ساری دنیا کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ جو مسلمان کے نام سے انتہائی نفرت رکھتے تھے۔ اسلام لانا ذکر فرمایا۔ فرمایا اگر مقصد اچھا ہے اور اس کی اجتماعی نوعیت اچھی ہو جائے۔ تو خداوند قدوس سے بے انتہا منافع کی امید کی جا سکتی ہے۔ ایک دفعہ اجتماع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ میرے بھائیو اور دوستو! ہم جو اپنے عیش و راحت

کو چھوڑ کر جمع ہوئے ہیں۔ سو وہ بہت اونچے مقصد کے لئے جمع ہوئے ہیں وہ مقصد اجتماعی ہے انفرادی نہیں۔ وہ مقصد مجمع کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔ انفرادی زندگی سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور مقصد جب حاصل ہوتا ہے جب کہ تمام مجمع متفکر ہے۔ مقصد اگر نیک ہوتا ہے تو خیر و فلاح کی امید ہوتی ہے۔ اور جب مقصد خراب ہوتا ہے بُرے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ جس طرح ہم تین دن کے لئے یہاں مختلف شہروں سے آکر جمع ہوئے ہیں اور یہ تین دن کا وقفہ مختصر سا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دنیوی زندگی بہت تھوڑی ہے جو جلد ختم ہو جانے والی ہے اور یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔

اس عالم کی تمام اشیاء فنا ہو جانے والی ہیں۔ اس عالم میں جب انسان ہوتا ہے تو وہ بھی یہاں فنا ہو جاتا ہے۔ اور جب بقا والے عالم میں چلا جاتا ہے تو بقا والا بن جاتا ہے خواہ جنت میں بقا والا بن کر رہے، خواہ دوزخ میں بقا کے لئے رہے۔ اس فنا والے عالم میں جس نے اچھی زندگی گذاری یعنی ایمان و اسلام والی زندگی گذاری۔ تو بقا والے عالم میں بھی اچھی زندگی گذارے گا۔ جس نے اس عالم میں بُری زندگی گذاری۔ اس کو بقا والے عالم میں بھی خراب زندگی گذارنی پڑے گی۔

فرمایا۔ حقیقت کے خلاف کو دھوکہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقائق بتلائے ہیں۔ یہ دیکھو کہ ہماری محنت اس کے مطابق ہے یا اس سے ہٹی ہوئی ہے؟ جو لوگ حقائق کو تلاش نہیں کرتے اور اس کے بغیر محنت اٹھاتے ہیں وہ دھوکہ پر محنت کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں حقیقت۔ یہی دھوکہ ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کامیاب اور اصل میں نکلتے ہیں ناکامیاب۔ جب حقیقت میں زندگی گذارنے کے

لئے اپنے آپ کو ریاضت و مجاہدہ کا عادی نہیں بنائیں گے، تو وہ دھوکہ میں پڑیں گے۔ ہمارے جمع ہونے کا مقصد ہی یہ ہے کہ آیا ہم حقیقت پر محنت کر رہے ہیں یا دھوکہ پر۔ اس پر غور کریں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے آپ کو تکالیف کے برداشت کرنے کے حقائق پر ڈالا تھا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی تکالیف برداشت کرنا محبوب ہو گیا تھا۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ موت حق ہے اور حیات دھوکہ ہے۔ حیات ختم ہوجانے والا ایک وقت ہے جس کے متعلق یوں معلوم نہیں کہ کب ختم ہو جائے گا۔ انسان موت کی طرف تو بیٹھ کرتا ہے اور زندگی کی طرف نہ کرتا۔ زندگی کی تو ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز دیکھے اور موت کے اتنے بڑے مسئلہ کو نہ دیکھے کہ جہاں ہزاروں برس رہنا پڑے گا یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ دھوکہ والے انسان ہیں جو موت سے پہلے کی زندگی کا تو اہتمام کرتے ہیں اور مرنے کے بعد والی زندگی کو بھولے بیٹھے ہیں۔ ایسے انسان دوزخ میں جائیں گے۔

فرمایا۔ انسان چیزوں کی لائن سے تو ایک ایک ذرہ کو یہاں ہی چھوڑ جائے گا۔ اور اعمال کی لائن سے چھوٹے چھوٹے عمل کو ساتھ لے کر جاتا ہے۔ اگر ہم چیزوں کا فکر تو کریں اور اعمال کا فکر نہ کریں تو یہ زبردست دھوکہ ہے۔ زمین سے جو چیزیں نکل رہی ہیں وہ تو فنا ہو جائیں گی اور وہ اعمال جو انسان کے بدن سے نکل رہے ہیں، وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں خواہ بد ہوں یا نیک۔ چیزوں میں سے تو ایک شخص بھی دنیا سے ایک چیز بھی ساتھ لے کر نہیں جائیگا یہاں تک کہ میدان حشر میں یہ شخص ننگا اٹھایا جائے گا۔ لیکن اعمال میں سے ایک ایک عمل اس کے ساتھ ہوگا۔ مجرمین میدان حشر میں خداوند قدوس کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ دیکھیں گے کہ اعمال کے رجسٹر موجود ہیں۔ اور ایک ایک عمل ان کا لکھا ہوا ہے۔ اگر شر کا ایک ذرہ برابر عمل ہوا ہوگا۔ اور ان سے اور پیٹ کر دنیا میں معاف نہ کرایا ہوگا۔ تو وہ بھی سامنے آجائے گا۔

فرمایا۔ محنت کی دو لائنیں ہیں۔ ایک حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام والی لائن جنہوں

نے انسانوں کی پاکیزگی کے لئے محنت کی۔ اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے جائیدادوں اور حکومتوں کے نقشے بنائے اور انسانوں کی بھیڑ کو جمع کیا۔ جو نقشے والے اور چیزوں والے ہیں اور اعمال اچھے نہیں تو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے ان کو دنیا ہی میں موت سے پہلے پہلے ذلیل کرکے دکھلا دیا۔ اصل جگہ تو موت کے بعد آئے گی۔ جہاں ہر شخص حقیقت کو معلوم کرلے گا لیکن مرنے سے پہلے بھی بعضوں کو نقشہ دکھلا دیا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے لائن قائم تو کردی۔ ایک تو اعمال کے اچھے کرنے کی محنت۔ انسان کے ہر عضو سے رات دن اعمال نکل رہے ہیں۔ عمل تو ضرور نکلیں گے۔ اگر ہم چاہیں کہ اچھے عمل نکلیں تو اس کے لئے محنت کی ضرورت ہے۔ اگر محنت کرنی چھوڑ دی تو پھر بُرے عمل خود بخود نکلیں گے جس طرح زمین پر محنت کرنے سے غلّے نکلتے ہیں سونا چاندی نکلتا ہے، پٹرول نکلتا ہے۔ اور اگر محنت نہ کی جائے تو نفع والی چیزیں تو نکلیں گی نہیں۔ ہاں کانٹے دار جھاڑیاں جو جلانے کے قابل ہوتی ہیں خود بخود نکل آئیں گی۔ جو اعمال خداوند قدوس کو راضی کرائیں۔ آسمان اور زمین کے فیصلے ہمارے موافق کرادیں تو اس کے لئے بہت بڑی محنت کرنی پڑے گی۔

سلسلہ وجود اللہ تعالیٰ کی ذات سے چل رہا ہے۔ وہ اپنے وجود میں اصل ہیں۔ اور سب اس کے تابع ہیں۔ وہ جس طرح چاہیں گے کرکے دکھلا دیں گے اور سارے وجود اس کے محتاج ہیں ذات کو پہچاننے کے لئے صفات آتی ہیں۔ اس کے لئے دیا گیا لا رب الا اللہ انسان کے سارے مسائل خدا کی ذات سے ہوتے ہیں۔ عزّت و ذلّت، فساد، امن، صحت، بیماری وغیرہ جتنے مسائل ان کا تعلق ایک خدا کی ذات سے ہے۔ رب کی ایسی صفت جو اپنے اندر تمام کو لئے ہوئے ہے۔ جب چاہیں گے فقیر کردیں گے۔ جب چاہیں گے غنی کردیں گے۔ جب چاہیں گے بیمار کر دیں گے جب چاہیں گے تندرست کردیں گے۔

حضرت جی نوراللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا۔ لوگ یوں کہتے ہیں کہ خالی نماز سے کیا ہوتا ہے۔

آخر کچھ اسباب بھی کرنے پڑتے ہیں۔ اور ہم بھی کہتے ہیں کہ خالی نماز سے کچھ نہیں ہوتا۔ ہاں کچھ محنت نماز سے پہلے کی ہیں اور کچھ نماز کے بعد کی۔ تین نماز سے پہلے اور تین نماز کے بعد۔ پھر دیکھو نماز سے کیا کچھ نہیں ہوتا۔ پہلی تین یہ ہیں

(۱) یقین ٹھیک کرنے کی محنت۔ ہر چیز جو مشاہدہ میں ہے اس کا نکالنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو سن کر دل میں یقین جمانا کہ اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مخلوق سے کچھ نہیں ہوتا۔ اور اللہ پاک نے جو اعمال بتائے ہیں۔ ان کے ذریعہ سے سب کچھ ہوتا ہے۔ اس بات کو دل میں بٹھانا

(۲) محنت علم والی چیز ہے۔ جن اعمال پر محنت کرنے سے اللہ پاک دنیا و آخرت میں عزت سے پالتے ہیں ان اعمال کو صحیح بنانے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقہ کے مطابق کرنے کے لئے علم پر محنت کرنا۔

(۳) محنت ذکر پر محنت کرنا۔ ذکر پر ہم ایسی محنت کریں کہ ہر عمل کو کرتے وقت خدا کا دھیان نصیب ہو جائے۔ خدا کے ذکر سے دل کی بوتل اس قدر پُر ہو جائے کہ غیر کا دھیان دل میں گھسنے نہ پائے۔ قلعہ کی طرح دل کی حفاظت کی جائے۔ یہ محنتیں تو نماز کے اندر ہیں۔

اور نماز کے بعد کی تین محنتیں یہ ہیں۔ اپنی کمائیوں کو ٹھیک کیا جائے۔ اب تک جو کسی کی زمین کو یا مکان کو دبا رکھا ہے ظلم و ستم کر کے، اس کو واپس کیا جائے اور آئندہ کے لئے توبہ کی جائے کہ پرورش خدا کے حکم پورا کرنے میں ہے۔ جتنا میں خدا کے حکموں کو اپنی کمائیوں کے طریقوں میں پورا کروں گا اتنا ہی اللہ پاک راضی ہو کر میری پرورش فرما دیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۲۔ دوسری محنت نماز کے بعد والی یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی ترتیب سے خرچ کرنا اور اپنی خواہشات پر، مکان پر، بنگلہ پر، موٹر پر، برادری پر، برادری کے کہنے پر، بیاہ شادی کے موقعہ پر، قوم پر، ناک پر، نام و نمود پر خرچ نہیں کروں گا۔ اور نہ بیوی کے کہنے پر زیور، کپڑے، کھانے وغیرہ پر خرچ کروں گا۔ بلکہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقہ سے خرچ کروں گا۔ اوّل جان ومال کا صحیح مصرف دیکھوں گا پھر خرچ کروں گا۔

۳۔ تیسری محنت نماز کے بعد والی یہ ہے کہ معاشرہ کو ٹھیک کرنا۔ ہر حال میں اللہ پاک کے حکم کو دیکھوں گا۔ قوم کو، برادری کو، اپنے کو، غیر کو نہیں دیکھوں گا۔ مسلمان کو، غیر مسلم کو نہیں دیکھوں گا بلکہ اللہ پاک کے حکم کی اتباع کروں گا۔ انصاف کی طرف داری کروں گا مظلوم کا ساتھ دوں گا۔ ظالم کا ساتھ نہیں دوں گا۔ اگر اپنا بیٹا کسی پر ظلم کر رہا ہے تو غیر مسلم کا ساتھ دو نگا چاہے عیسائی ہی کیوں نہ ہو۔ چاہے یہودی ہی کیوں نہ ہو۔ ان چھ محنتوں کے درمیان نماز ہے اب پڑھ کر اللہ تعالےٰ سے مانگو۔ نماز سے کیا کچھ نہیں ہوتا۔ ایسی نماز پڑھنے پر اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں۔

ہمارا علم دھوکا ہے۔ اور اللہ والا علم حقیقت ہے۔ مشاہدہ والا علم کہہ رہا ہے مال خدا کے راستہ میں خرچ کرنے سے کم ہوگا۔ مگر اللہ والا علم کہہ رہا ہے کہ نہیں ہوگا۔ بلکہ اللہ پاک اس کو بڑھائیں گے۔ مشاہدہ کہہ رہا ہے زکوٰۃ دینے سے مال کم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں ہمارا وعدہ سچا ہے کہ نہیں ہوگا وہ بڑھائیں گے۔

انسان اصل ہے اور کائنات اصل نہیں ہے۔ اگر اصل کو نہیں بنایا اور اصل کے اندر بگاڑ پیدا ہو گیا تو ساری کائنات کے اندر بگاڑ پیدا ہوگا۔ جن چیزوں میں نفع نظر آرہا ہے۔ اُن سے نقصان لیں گے۔ جس میں عزت نظر آرہی ہے اس میں سے ذلت آجائے گی۔ اور جس میں حفاظت دکھائی دے رہی ہے اس میں سے ہلاکت نکل آئے گی۔ غرضیکہ اگر انسان صحیح استعمال ہوگا تو کائنات ہی اپنی صحیح استعمال ہوگی۔ تیری محنت اصل ہے کائنات اصل تھوڑا ہی ہے۔ اگر ہم نے محنت کرکے اپنے اعمال کو ٹھیک کر لیا اور اچھے اعمال آسمان پر بھیجے تو وہاں سے خیر کے فیصلے ہوکر آئیں گے۔ اگر بگڑے ہوئے اعمال آسمان پر بھیجے تو فیصلہ

اچھا نہیں ہوگا۔ چاندی، لوہا، سونا، لکڑی یہ اصل نہیں ہیں۔ حالات کا تغیّر اعمال کے بننے اور بگڑنے پر ہے۔ اگر محنت کر کے حالات کو اچھا بنا لیا ہے تو ساری دنیا میں خیر آئے گی۔ برکت آئے گی۔ رحم آئے گا۔ عدل آئے گا۔

ایک دھوکا ہے ایک حقیقت ہے۔ دھوکہ یہ ہے کہ چیزوں سے حالات بنتے ہیں اور بگڑتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اعمال سے حالات بنتے اور بگڑتے ہیں۔ اچھے اعمال سے حالات بنتے ہیں اور بُرے اعمال سے حالات بگڑتے ہیں۔ اعمال کا تعلق دنیا کی کسی چیز سے نہیں۔ انسان کے اعضاء اور جوارح سے ہے اور اعضاء اور جوارح کا تعلق دنیا کی کسی چیز سے نہیں، ان کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ دل پہ کسی کا قبضہ نہیں۔ دل پہ خدا کا قبضہ ہے اب دنیا دار الاسباب ہے۔ اگر دنیا کی چیزوں پر محنت کروگے۔ تو اللہ پاک تمہارے دِلوں کو غیروں (غیر اللہ) کی طرف پلٹا دیں گے۔ اگر اعمال پر محنت کروگے تو اللہ پاک تمہارے دلوں کو اپنی طرف پلٹا دیں گے۔

آپس میں بے تکلفی سے بچو کہ اس سے بے اکرامی شروع ہو جاتی ہے اور بے اکرامی سے دل پھٹتے ہیں۔

اشیاء کو معبود نہ بناؤ، اشیاء پر اعتماد نہ کرو، صورتوں پر متوجہ نہ ہو، ان سے کچھ نہ ہوگا۔ وسائل کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ بھی ہونا ہے اعمال سے ہوتا ہے۔ صفات سے ہوتا ہے۔ اور جو کچھ ہوتا ہے رب الاشیاء اور رب الصور کرتے ہیں۔ اسی کو جانو۔ اسی کو پہچانو۔ اسی کو مانو۔ وہی جو نوحؑ کا رب تھا۔ اسی نے موسیٰ کو دریائے نیل سے محفوظ رکھا تھا۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں سے بچایا تھا۔ وہی رب تمہارا رب ہے۔ تم اس پر

اعتماد رکھو۔ اس پر توکل کرو اور اسی پر ایمان لاؤ۔

فرمایا۔ جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو جن چند افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ایمان کو قبول کیا۔ حضور نے اُن کے معاشی مسئلے کے بارے میں جو رویہ اختیار فرمایا تھا۔ وہ یہ تھا کہ سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی کہ تم جتنے اوقات معاش کے لئے وقف کئے ہوئے ہو، ان کا بیشتر حصہ اسلام کے لئے فارغ کردو۔ دوسرا ارشاد یہ ہوا۔ کہ تم فلاں طریقہ کو ترک کردو، یہ ناجائز ہے۔ فلاں معیشت سے دستکش ہو جاؤ، یہ تمہارے رب کو ناپسند ہے۔ معیشت پر ان دو حملوں کے بعد تیسرا وار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ جو کچھ تم کماتے ہو، یہ صرف تمہارا حق ہی نہیں ہے۔ اس میں تمہارے اُن بھائیوں کا بھی حق ہے جو وسائل معیشت سے تہی دامن ہیں۔ اور چوتھی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جو کچھ تم کماؤ، اس میں سے بہت سا دین کی خدمت، خدا کے لئے کلمۃ الحق کی سربلندی، اور بنی نوعِ انسان تک اپنی دعوت کو پہنچانے اور راہ خدا میں جہاد کرنے میں صرف کرو۔ گویا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یہ کہ صحابہؓ اسلام قبول کرنے سے پہلے جو کچھ کماتے تھے، اس کا دائرہ محدود کیا جتنے اوقات کمانے پر صرف کرتے تھے ان کی مقدار کم کرکے ان اوقات کو دین کے لئے وقف فرمانے کا حکم دیا، جو کچھ کماتے تھے اس میں دوسروں کا حصّہ مقرر فرمادیا۔ اور اس کے بعد بھی جو بچا۔ اس کے بارے میں بھی یہ حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اسلام پر خرچ کرو۔ یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اس زندگی کے مسائل و مشکلات حل کرنے کا۔

انسانیت اس قدر خطرناک موڑ پر آچکی اور نظام عالم اس قدر خراب ہو چکا کہ سمندر سے پانی نکل کر انہیں تباہ کردے، آسمان سے بجلی گر کر انہیں ختم کردے یا آگ انہیں جلادے تو کوئی بعید از قیاس نہیں۔ یہ عدالت کے فیصلے اور یہ نظام کتوں، سوروں اور بھیڑیوں سے

بڑھ کر نہیں۔ اس میں انسانوں کا خون چوسا جاتا ہے۔ یہ جو تم بڑی بڑی سڑکیں، محلات اور کوٹھیاں دیکھ رہے ہو۔ اس میں بے چارے بے کس انسانوں کے خون و پسینہ کو ظلم سے نکال کر ایسا کیا گیا ہے۔

بڑے بڑے اونچے حضرات دین کے کل نظام کے احیاء کے متعلق مایوس ہو چکے ہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی مشکل نہیں۔ ایک آن واحد میں تمام نظام عالم کو بدل سکتا ہے۔ اور دین کی طرف مائل فرما سکتا ہے۔ ہم اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کئے ہوئے محنت کے میدان کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو اس وقت تمام عالم کا دین کی طرف مائل ہونے کا بہترین موقعہ ہے۔ کیونکہ آج کل لوگ اور حاکم، کتوں اور بھیڑیوں سے کم نہیں ہیں۔ اہل یورپ کے لئے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت جلد ہدایت کی طرف پڑ جاویں گے۔

ہماری پریشانیاں محض نمازوں وغیرہ کے پڑھنے سے ہرگز دُور نہیں ہو سکتیں۔ ہم نمازیں تو پڑھ لیتے ہیں۔ جس میں چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ پھر اسی طرح اپنے کاروبار میں اسی ظالم نظام کی پیروی کرنے میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ جب تک اسلامی معاشرہ قائم نہ ہو۔ اس وقت تک ہماری پریشانیاں دور نہیں ہو سکتیں،....... اگر ہم اسلامی معاشرہ کو دُنیا کے سامنے عملاً پیش کرنے والے بن جائیں، تو دنیا اسی وقت باطل نظام کو چھوڑ کر اسلامی نظام کے اندر آجائے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اب اپنے کاروبار، کھیتی باڑی اور اہل وعیال کو نہ دیکھو۔ یہ وقت بہت ہی نازک ہے اور لوگوں کے ہدایت پر پڑنے کا بہترین موقعہ ہے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ محنت کے میدان میں اپنے تمام مالوں، اور اسبابوں کے ساتھ کُود پڑو اور انسانیت کی خدمت کر جاؤ۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی رحلت پر

تاثراتِ غم

شیخ التبلیغ کی وفات

عبدالماجد دریا بادی مدیر "صدق جدید"

شیخ التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلوی ثم دہلوی کی شخصیت اب ہندوستان گیر ہی نہیں رہی۔ آل ورلڈ یا آفاق گیر ہو چکی تھی۔ برما، جاپان وغیرہ تو پھر ایشیا ہی کے ملک ہیں۔ ان کی تبلیغی جماعتیں تو ایمان کا کلمہ پڑھتی ہوئی یورپ، افریقہ اور امریکہ کے ملکوں تک پہنچ چکی تھیں۔ اور کتنوں کو وہاں کلمہ شہادت پڑھا چکی تھیں۔ ایک حیرت انگیز طلسمی سا دینی نظام انکی مقناطیسی شخصیت نے اس بے دینی کے دور میں دنیا بھر میں قائم کر دیا تھا۔ اور اس تحریک کی جو قیادت انھیں اپنے والد ماجد مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے ورثہ میں ملی تھی۔ اسے انہوں نے برقرار ہی نہیں رکھا۔ بلکہ اس میں اور چار چاند لگا دیئے تھے۔ ابھی سن ہی کیا تھا۔ پورے پچاس کے بھی نہ تھے۔ بظاہر تندرست و توانا۔ اسی تبلیغ ہی کے سلسلے میں (اور یہی تو ان کا ایک مستقل کام دن رات کا رہ گیا تھا) لاہور گئے ہوئے تھے۔ عین حالت دعوت ارشاد میں رات کے وقت قلب کا دورہ پڑا۔ اور جمعہ کے دن خود ذکر الٰہی کرتے کرتے، دوسروں کو ذکر الٰہی کی تعلیم دیتے دیتے، اپنے مالک و مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ پردیس کی موت وہ بھی عین شغلِ ذکر و اطاعت میں۔ جمعہ کا دن۔ بہت بڑی نمازِ جنازہ۔ یہ سب چیزیں مرحوم و مغفور کے عظیم ذخیرۂ اعمال صالحہ کے ساتھ مل کر سونے پر سہاگے کا کام کر گئیں اور جنت کے اس مسافر کے انجام کو قابلِ رشک بنا گئیں۔ تعزیت کی مستحق، مرحوم کے اعزّہ، خصوصاً ان کے خسر اور عم زاد برادر بزرگ مولانا

محمد زکریّا شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم (سہارن پور) ہی نہیں، ساری امت، پوری ملت ہے اور صدمہ ہر کلمہ گو کا ذاتی و شخصی ہے۔ مولانا کا علمی پایہ بھی کسی جیّد فاضل سے کم نہ تھا۔ ان کی شرح معانی الآثار للطحاوی فقہ و حدیث کی ایک یادگار خدمت ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

دین کے احیاء کی وہ تحریک جسے تبلیغی کام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جو شخص بھی اس کی جس قدر افادیت کا قائل ہے۔ اسی قدر رنج والم کے ساتھ اس نے یہ خبر سنی ہوگی کہ اس کام کے سربراہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اچانک وفات پائی اور احیاءِ دین کی اس جد و جہد کی وہ مثالی شخصیت جس کے جذبۂ عمل کے مشاہدے اور جس کے انفاسِ گرم کی تاثیر سے کتنوں ہی کو ہمہ سوز و ہمہ عمل ہو جانے کی توفیق ملی۔ وہ آج راہِ خدا کے ان دیوانوں کے درمیان موجود نہیں ہے۔

بے شک بقاء و دوام اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اس کی اس دنیا میں کسی کو موت سے رستگاری نہیں۔ لیکن یہ بھی حق ہے کہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

مولانا نے جس راہ پر چلتے ہوئے دیوانہ وار جان دی ہے۔ یہ اسی عشق کی راہ ہے جس میں مرکر بھی آدمی مرتا نہیں۔ اس کی صرف یاد زندہ نہیں رہتی بلکہ اس یاد کے اثرات سے دلوں کو زندگی ملتی ہے اور یہی حیات و دوام ہے جو صرف عشاق کے نصیب میں آتی ہے۔

ہندوستان اور پاکستان میں دین سے معمولی تعلق رکھنے والا بھی کون مسلمان ہوگا۔ جو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے آشنا نہ ہو۔ آپ کے عظیم المرتبت والد ماجد مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے ۴۰ برس پہلے دین کی عمومی دعوت اور اس کے احیاء کی جو عظیم مگر سادہ جد وجہد اپنی مؤمنانہ بصیرت اور ایک والہانہ سوز وتڑپ کے اثر سے شروع کی تھی۔ مولانا کے انتقال پر (یعنی اب سے بیس برس قبل) اسکی گراں بار ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر آئیں۔ جب کہ آپ کا سن تیس برس کے اندر تھا۔ مگر آپ کی خداداد صلاحیتوں نے اس بیس برس کے اندر اس دینی تحریک کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔ پہلے جس کام کا دائرہ عمل غیر منقسم ہندوستان کے اندر موجود تھا۔ اب اس کی جڑیں روئے زمین کے ہر ہر خطہ میں جا پہونچیں۔ اور خود ہندوستان اور پاکستان کے اندر وہ مناظر اس کام کی وسعت ومقبولیت کے آئے دن نظر آتے ہیں۔ جو کل صرف آرزوؤں اور تمناؤں کا درجہ رکھتے تھے۔ غرض وہ پودا جو تھوڑی سی ہی نشو ونما حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی زندگی میں پا سکا تھا۔ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی مجاہدانہ کوششوں اور دینی صلاحیتوں سے ایک قد آور درخت کی شکل میں دنیا کے سامنے ہے۔

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَاۗءِ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ

افسوس اس ہستی کا چراغِ حیات ۲؍اپریل (۲۹ ذی قعدہ) یوم جمعہ کی سہ پہر کو لاہور کی سرزمین پر آناً فاناً گل ہوگیا۔ ایک ہستی کا چراغ نہیں بجھا۔ بلکہ دین کا روشن چراغ بجھ گیا۔ روشنی کا ایک بلند مینار گر گیا۔ دین کے لئے سوز وتڑپ کی ایک تصویر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ جسے دیکھ کر ہر دن اور ہر رات نہ معلوم کتنے دلوں میں اسی تڑپ کی بجلیاں کوندنے لگتی تھیں۔ خدا اپنی رحمت بے پایاں کی بارشیں ان کی روح پر فرمائے اور اس عظیم خلا کو اپنی قدرتِ خاص سے پُر فرمائے۔ جو ان کی اچانک وفات سے پیدا ہوگیا ہے۔

مولانا کا لاہور میں قیام اسی دینی دعوت کے سلسلے میں تھا۔ جس کے لئے ان کی زندگی کا

لمحہ لمحہ وقف تھا۔ شوال کے پہلے (اور فروری کے دوسرے) ہفتے میں آپ اپنے رفقاء کے ساتھ پاکستانی احباب کی دعوت پر مشرقی اور مغربی پاکستان کے ایک لمبے دورے پر تشریف لے گئے تھے۔ لاہور اس سفر کی آخری منزل تھی اور ۱۲؍اپریل بمطابق ۲۹؍ذی قعدہ ہی کی تاریخ دہلی واپس ہونے کے لئے مقرر تھی۔

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

واپسی ٹھیک اسی تاریخ کو ہوئی مگر کس طرح کہ وہ لاہور ہی میں جمعہ و عصر کے مابین ابدی نیند سو چکے تھے اور اسی عالم میں شب کو تین بجے ایک ہوائی جہاز انہیں دہلی کے ہوائی اڈے پر لے کر اترا اور وہ تبلیغی مرکز و مسجد جہاں دوسرے دن کو صبح کو ان کے ارشادات سننے اور ان کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے لئے دور دور سے سمٹ کر مشتاقوں کا مجمع ہوتا تھا۔ ان کے اشکبار سوگواروں سے بھری ہوئی تھی۔ اور مسجد کیا بھری ہوئی تھی۔ دہلی بھری ہوئی تھی۔

افسوس یہ کیسی بجلی ملت کے شکستہ ایوان پر گری اور کیسی نعمت چشم زدن میں ہاتھوں سے نکل گئی۔ ابھی مولانا کی عمر پچاس سال کی بھی نہ تھی۔ قویٰ مضبوط اور جسم تنومند تھا۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ دل سے جتنا کام لیتے تھے اور اعصاب پر جتنی شدید محنت کا بوجھ انہوں نے ڈال رکھا تھا۔ اس میں ظاہری قوت و صحت کے باوجود دل کا جواب دے جانا کوئی بہت حیرت انگیز واقعہ نہیں۔ دن و رات میں کئی کئی بار طویل طویل خطابات، پھر ان خطابات میں ایک جذبہ و حال، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کام کی فکر و نگہداشت، آرام سے بے نیازی صحت و مرض کی تفریق سے لاپروائی، ہر لمحہ محویت کا عالم، یہ ایسی چیزیں نہیں جنھیں قلب و اعصاب بڑی مدت تک برداشت کر سکیں۔ بے شک یہ بڑا عظیم خسارہ ہے کہ دین کے احیاء کی جد و جہد کے لحاظ سے ایک نادرۂ روزگار ہستی یوں آن کی آن میں دنیا سے اٹھ گئی، مگر انہوں نے ایک نمونہ دیا ہے کہ آدمی کمر باندھے تو دین کے لئے کیا کچھ کر سکتا ہے۔ ایسے زندۂ جاوید نمونے جب اٹھتے ہیں تو اپنے پیچھے میدان خالی چھوڑ کر نہیں جاتے۔ ان کی موت سے زندگی کے چشمے ابلتے ہیں

وہ ایک روح ایک کی جگہ کتنوں ہی میں سرایت کرتی ہے۔ اور جو جذبہ ایک ذات میں محدود تھا۔ وہ موت کے بعد کتنوں ہی کی میراث بن جاتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس حادثہ کا صرف صدمہ ہی ملت کے حصے میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اس کا یہ صلہ بھی خدا کی رحمت سے بھرپور عطا ہوگا۔

آسمانِ اصلاح و تبلیغ کا آفتاب غروب ہوگیا

ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی موت دنیائے اسلام کا ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی کی بظاہر کوئی شکل نظر نہیں آتی .... آپ نے اسے (الیاسی طرز تبلیغ کو) آفاقی بنانے میں تن من کی بازی لگادی۔ اور اتنے جوش و ولولہ کے ساتھ اپنے مشن کو جاری رکھا کہ دورِ حاضر میں اس کی نظیر ملنا محال ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم نے اتنے بڑے نظام کی سربراہی کے باوجود کہ جس کے ڈانڈے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے کسی کے سامنے امداد کے لئے ہاتھ نہ پھیلائے۔ نہ اشتہار بازی کی۔ نہ پراپیگنڈہ کے موجودہ طریقے اختیار کئے نہ بیانات اور انٹرویو سے دلچسپی لی.......

ہمیں اللہ رب العزت سے امید ہے کہ وہ مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جی مرحوم کے مشن اور صدقہ جاریہ کو جاری رکھے گا۔ اور وہ تمام راستے کھلے رہیں گے۔ جو ان کے ناخن تدبیر نے کھولے اور جن پر چل کر لاکھوں انسان ذکر اللہ میں مگن اور فکرِ آخرت میں مست ہیں۔

داعی الی اللہ

از۔ مولانا عبدالرحیم اشرف

نماز جمعہ (۲۸ ذی قعدہ ۸۴ھ، یکم اپریل ۶۵ء) کے بعد ایک میٹنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور ایک کربناک آواز سنائی دی۔ "حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب انتقال کر گئے"۔ ہیں! یہ کیسی خبر ہے؟ مولانا محمد یوسف صاحب وفات پا گئے؟ جی ہاں! صرف اتنی ہی خبر ملی ہے کہ رات دل کا دورہ ہوا اور آج دوپہر وفات پا گئے۔ یا اللہ! اس خبر کے برداشت کرنے کی ہمت کس میں ہے یہ کیا ہوا؟ تیرے لاکھوں بندوں کو تیری راہ پر لگانے والا مجاہد، سب سے رشتے ناطے توڑ کر تیری جانب متوجہ کرنیوالا یہ داعی، اب تو نے اسے اپنے ہاں بلالیا۔ تیرے ہاں تو اخیار کی کمی نہیں لیکن ہم تو فقیر و محتاج ہیں۔ روپے پیسے کے نہیں، مال و دولت والے تو ہمارے ہاں بے شمار ہیں مگر ہم محتاج ہیں تیرے ایسے بندوں کے جو تیری جانب تیری مخلوق کو متوجہ کریں۔ ان کے قلوب کو گرمائیں۔ ان کے دلوں سے حاضر دنیا کی محبت نکالیں۔ غائب آخرت کی طلب ان میں پیدا کریں۔ ان کے دلوں میں تیری محبت موجزن ہو۔ تیرے دین کے لئے وہ تڑپیں اور تیری رضا طلب کرنے کے لئے وہ آبادیوں میں گھومیں۔ جنگلوں میں پھریں اور ملک در ملک تیرے نام کی منادی سنائیں۔

الہ الحق، تیرا یہ بندہ یہی کام کر رہا تھا۔ اس نے اپنی جان اسی کام میں کھپادی اور اپنے گھر بار کو اسی مقصد کے لئے چھوڑا۔ یہ تیرا ہی کام تھا کہ تو نے لاکھوں انسانوں کے دل اس کی پکار کے لئے کھول دیئے اور آج قریہ قریہ، بستی بستی، اس کی آواز پر لبیک کہنے والے "حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الفلاح" کی صدائے دل نواز سنا رہے ہیں۔

مالک الملک! بلاشبہ تو قادر ہے کہ کل ہی اس سے بڑا آدمی پیدا فرما دے اور اسے اُن سے بھی زیادہ مجاہدے کی قوت و صلاحیت عطا فرما دے۔ لیکن رب ذوالجلال ہم نے اپنی زندگیوں میں یہی ایک شخص دیکھا تھا جس کی آواز نے لاکھوں انسانوں کو تیری راہ پر لگا دیا اور ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارا یہ سہارا بھی ہم سے چھن گیا۔

حضرت مولانا محمدؒ یوسف رحمۃ اللہ علیہ

کی

دُعاء

جن لوگوں نے حضرت مولانا مرحوم کو دُعا کرتے ہُوئے نہیں دیکھا اور نہیں سُنا وہ بالکل اندازہ نہیں کر سکتے کہ کسی کا دُعا میں یہ حال بھی ہوتا ہے اور کوئی اس طرح مجسم دُعا بن کے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کو جن نعمتوں سے نوازا تھا اُن میں سے ایک عظیم ترین نعمت حقیقت دعا تھی۔ ہماری بڑی آرزو تھی کہ اللہ کے کسی بندہ نے کسی اجتماع میں مولانا کی دُعا کو لفظ بلفظ لکھا ہو اور وہ ہم کو مل جائے لیکن اس کی امید اس لیے نہ تھی کہ اُن کی دعا کے وقت ہر شخص اپنے امکان کی حد تک ظاہر و باطن سے ان کی دُعا میں شریک ہونا چاہتا تھا، اس لیے جو حضرات تقریروں کا لفظ بلفظ لکھنا چاہتے تھے وُہ دعا کا ایک لفظ بھی نہیں لکھتے تھے ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ آرزو اس طرح پوری فرمائی کہ ہمیں معلوم ہُوا کہ مراد آباد کے آخری اجتماع میں آپ کی دُعا کے وقت ایک صاحب نے خفیہ طور پر ٹیپ ریکارڈ لگا کر آپ کی دُعا ریکارڈ کرلی تھی، اُس کی مدد سے آپ کی دُعا لفظ بلفظ قلمبند کرلی گئی اور وہ بالکل حضرت مولانا مرحوم کے الفاظ میں ایک لفظ کی کمی بیشی کے بغیر ذیل میں درج کی جارہی ہے اللہ تعالیٰ مراد آباد کے ان احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس کو اہتمام اور محنت سے قلمبند کر کے مرحمت فرمایا۔ دُعا میں جو الفاظ مکرّر سہ کرر ہیں وہ اصل دُعا میں اسی طرح تھے۔ (درود شریف کے بعد بالجہر دُعا اس طرح شروع فرمائی)

اللّٰہ لا الٰہ الّا ھو الحی القیوم، الم اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم وعنت الوجوہ للحی القیوم لا الٰہ الا انت سُبحٰنک انی کنت من الظّٰلمین، یا احد الصمد

الذی لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوًا احد، یا ارحم الراحمین. یاذاالجلال والاکرام، یاربنا یا سیدنا یا مولٰنا و یاغایۃ رغبتنا یاخالق انفسنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین۔ ربنا اغفرلنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔ رب اغفر و ارحم و تجاوزعما تعلم انک انت الاعز الاکرم۔ اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک یامقلب القلوب ثبت قلوبنا علیٰ دینک، اللّٰھم ان قلوبنا و نواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منہا شیئًا فاذا فعلت ذالک بنا فکن انت ولیّنا واھدنا الی سواء السبیل اللّٰھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلاً و ارزقنا اجتنابہ، اللّٰھم ارزقنا حبک وحب رسولک وحب من ینفعنا حبہ عندک و العمل الذی یبلغنا حبک اللّٰھم اجعل حبک احب الاشیاء الیّ و اجعل خشیتک اخوف الاشیاء عندی. اللّٰھم لا سھل الا ما جعلتہ سھلاوانت تجعل الحزن سھلا اذا شئت لا الٰہ الّا اللّٰہ الحلیم الکریم، سبحان اللّٰہ رب العرش العظیم الحمدللّٰہ رب العٰلمین اسئلک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک والعصمۃ من کل ذنب و الغنیمۃ من کل برٍّ و السّلامۃ من کل اثم لاتدع لی ذنبا الاغفرتہ ولا ھمّا الّا فرجتہٗ، ولا کربا الا نفستہٗ ولاضرّا الّا کشفتہ ولاحاجۃ ھی لک رضی الا قضیتھا یا ارحم الراحمین. الیک رب فحببنا و فی انفسنا فذللنا وفی اعین الناس فعظمنا و من سیّئ الاخلاق فجنبنا وعلی صالح الاخلاق فقومنا وعلی الصراط المستقیم فثبتنا وعلی الاعداء اعدائک اعداء الاسلام فانصرنا اللّٰھم انصرنا ولا تنصرعلینا اللّٰھم اکرمنا ولا تھنا اللّٰھم اثرنا ولا تؤثرعلینا اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا اللّٰھم امکرلنا ولا تمکرعلینا اللّٰھم ارحمنا و لا تسلط علینا من لایرحمنا، اللّٰھم اشرح صدورنا للاسلام اللّٰھم حبب الینا الایمان و زینہ فی

قلوبنا وكرّه الينا الكفر و الفسوق و العصيان، اللّٰهم اجعلنا من الراشدين المهديّين اللّٰهم اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم من النبيّين والصدّيقين و الشهداء و الصّٰلحين وحسن اولٰئك رفيقا. اللّٰهم اهد امّة محمّد صلى الله عليه وسلم، اللّٰهم علمهم الكتاب و الحكمة، اللّٰهم الهمهم مراشد امورهم، اللّٰهم اجعلهم دعاة اليك و الى رسولك، اللّٰهم ثبتهم على ملة رسولك اللهم اوزعهم ان يشكروا نعمتك التى انعمت عليهم و ان يوفوا بعهدك الذى عاهدتهم عليه، اللّٰهم انصرهم على عدوك وعدوهم اله الحق امين. اللّٰهم اهد هذه البلدة اللّٰهم اهد هذا الملك، اللّٰهم اهد هذه الحكومة، اللّٰهم اهد النّاس جميعًا، اللّٰهم اهد النّاس جميعًا، اللّٰهم عليك بصناديد اليهود والنصارىٰ و المشركين، اللّٰهم عليك باشداءهم على الاسلام و المسلمين، اللّٰهم اقطع دابرهم، اللّٰهم خذ ملكهم و اموالهم اللّٰهم فل اسلحتهم، اللّٰهم اهلكهم كما اهلكت عادا وثمود، اللّٰهم خذهم اخذ عزيز مقتدر، اللّٰهم اخرج اليهود و النصارىٰ و المشركين من جزيرة الحبيب سيّدنا محمّد صلى الله عليه وسلم من جزيرة العرب. اللّٰهم اخرج اليهود و النصارىٰ والمشركين من جزيرة الحبيب سيّدنا محمّد صلى الله عليه وسلّم من جزيرة العرب، اللّٰهم اخرج اليهود و النّصارى و المشركين من جزيرة الحبيب سيّدنا محمّد صلّى الله عليه وسلّم من جزيرة العرب، اللّٰهم اخرج اليهود و النّصارى و المشركين من جزيرة الحبيب سيّدنا محمّد صلى الله عليه وسلّم من جزيرة العرب، اللّٰهم اخرج اليهودية و النّصرانية والمجوسية والشيوعية و الشرك عن قلوب المسلمين، يا مالك الملك تؤتى الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء و تذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شئ قدير، اللّٰهم ايّد المسلمين فى مشارق الارض و مغاربها بالامام العادل و الخير و الطلعات و اتباع سنن سيّد الموجودات، اللّٰهم وفقهم لما تحب و ترضى

واجعل آخرتہم خیرًا من الاولی۔ اللّٰھم انصر الاسلام والمسلمین فی مشارق الارض و مغاربہا، اللّٰھم اعزّ الاسلام والمسلمین فی العرب والعجم اللّٰھم اعلی کلمۃ الاسلام والمسلمین فی المملکۃ الھندیۃ وغیرھا من الممالک الملحقۃ اللّٰھم ربّنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار، اللّٰھم انا نسئلک العفو والعافیۃ والفوز فی الدنیا والاخرۃ اللّٰھم احسن عاقبتنا فی الامور کلھا واجرنا من خزی الدنیا وعذاب الاخرۃ، اللّٰھم ارحمنا بترک المعاصی ابدا ما ابقیتنا، اللّٰھم اعنّا علی تلاوۃ القراٰن وذکرک وشکرک وحسن عبادتک، اللّٰھم جنّبنا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن، اللّٰھم جنبنا و اولادنا واحبابنا واقاربنا وجمیع المبلّغین والمعلمین والمتعلمین عن الفواحش ما ظھر منھا وما بطن وجنّبنا الحرام حیث کان واین کان وعند من کان وحل بیننا وبین اھلہ، اللّٰھم انا نسئلک من خیر ما سئلک منہ نبیّک مُحمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونعوذبک من شر ما استعاذک منہ نبیک محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم، اللّٰھمّ انّا نسئلک رضاک والجنۃ اللّٰھم انا نسئلک الجنّۃ وما قرب الیھا من القول والعمل، اللّٰھم انا نعوذبک من عذاب جہنّم ونعوذبک من عذاب القبر ونعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال، ونعوذبک من فتنۃ المسیح الدجال ونعوذبک من فتنۃ المحیا والممات ونعوذبک من الماثم والمغرم ونعوذبک من ان اموت، فی سبیلک مدبر، اللّٰھم ثبّتنا کتثبیت موسیٰ علیہ السّلام، اللّٰھم ثبّتنا کتثبیت موسیٰ علیہ السّلام، اللّٰھم ثبّتنا کتثبیت موسیٰ علیہ السّلام، اللّٰھم واقیۃ کواقیۃ الولید، اللّٰھم واقیۃ کواقیۃ الولید، اللّٰھم نصرا کما نصر محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللّٰھم نصرا کما نصر مُحمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ اللّٰھم نصرا کما نصر محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ونصر اصحابہ، اللّٰھم ربّنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبّت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکٰفرین ؂

اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما یا اللہ ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ اے اللہ ہم قصوروار ہیں ہم خطا کار ہیں ہم گنہ گار ہیں۔ ہم مجرم ہیں۔ ہماری ساری زندگی خواہشات کی اتباع میں گزر گئی۔ اے خداوند قدوس ہم دنیا کو سامنے رکھ کر اس سے متأثر ہوئے اور اسی کے یقین میں جذب ہو گئے۔ اور اسی کے طالب بن گئے اور اسی کے اندر اپنی ساری صلاحیتوں کو ہم نے ضائع کر دیا۔ اے خدا ہماری محنت کے بگڑ جانے کے اس جرم عظیم کو معاف فرما۔ جس جرم عظیم سے ہزاروں خرابیاں ہم میں پیدا ہو گئیں اور ہزاروں ہمارے اندر کی دولتیں لٹیں۔ اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا جرم عظیم ہے ساری اُمت کے اس جرم عظیم کو معاف فرما اے خدا ساری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جرم کو معاف فرما محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس محنت پر ڈال کر گئے اس محنت کو چھوڑ کر ان محنتوں میں الجھ گئے جن محنتوں سے نکال کر وہ گئے تھے اے خدا اس محنت کا بدلنا یہ ہمارا سب سے بڑا جرم ہے اس کو خصوصیت کے ساتھ معاف فرما اور اس محنت کو چھوڑ دینے کی بنا پر پھر جتنے جرائم میں مبتلا ہوئے ایک ایک جرم کو اپنے کرم سے معاف فرما۔ اور ایک ایک عصیاں کو معاف فرما ایک ایک گناہ کو معاف فرما۔ اے اللہ کمائیوں کی لائن کی ہماری عصیاں اور خرچ کی لائن ہماری عصیاں اور معاشرت کی لائن کی ہماری عصیاں اے اللہ ہر لائن میں ہم عصیاں کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں اے اللہ نکلنے کے ہمارے لئے کوئی صورت نہیں ڈوبا ہوا خود کہاں نکل سکتا ہے۔ جو ڈوبا نہیں ہے وہی نکال سکتا ہے۔ اے خدا ہم سب ڈوبے ہوئے ہیں اور تو ہی نکالنے والا ہے۔ اے اللہ عصیاں کے دریاؤں میں سے ہم کو نکال لے اپنے فضل سے نکال دے اپنے کرم سے نکال دے۔ اے کریم نافرمانیوں کے دریاؤں میں سے اپنے کرم سے نکال دے اے اللہ اپنی رحمت کی رسی ڈال اور ہمیں کھینچ لے اور ہمیں عصیاں کی دریاؤں میں سے نکال دے اور ہمیں طاقت کی سڑکوں پر ڈال دے اے اللہ ہمیں فرمانیوں کی پہاڑیوں کی چوٹیوں پہ پہنچا دے۔ اے اللہ ہمیں دین کی

محنت کے لئے قبول فرما، ہم سب کو دین کی محنت کے لئے قبول فرما۔ اور اے اللہ سو فیصد اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کی محنت کے لئے قبول فرمالے علم کی محنت کے لئے ایمان کی محنت کے لئے عبادت کی محنت کے لئے ذکر کی محنت کے لئے اخلاق کی محنت کے لئے، نمازوں کی محنت کے لئے حج کی محنت کے لئے روزوں کی محنت کے لئے زکواۃ کی محنت کے لئے ان سارے فرائض وعبادت کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے طریقے پر آجانے کے لئے ہم سب کو اس کی پوری پوری توفیق و محنت نصیب فرما ۔اے اللہ اے اللہ ہماری زندگی کے شعبوں کی بدعملیوں کو بھی دور فرما، کمائی کی بدعملیوں کو دور فرما اور کمائی کے اعمال صالحہ کو زندہ فرما، گھر کی زندگیوں کی بدعملیوں کو بھی دور فرما اور اعمال صالحہ کو گھریلو زندگیوں میں زندہ فرما، معاشرت کی بدعملیوں کو ختم فرما، اے اللہ عدل وانصاف والے اعمال کو ہماری معاشرت میں زندہ فرما۔ اے اللہ ہمیں نیک اعمال سے آراستہ فرمادے اور برے اعمال سے ہم کو نکال دے اے خداوند قدوس جس قسم کے زمانے میں تو نے اس تبلیغ کے ذریعہ اس کلمہ و نماز پر محنت کی صورت پیدا فرمادی اور ہمارے تمام دوستوں کو اس پر جمع ہونے کی اور کہنے سننے کی اور اپنی راہ میں نکلنے کی توفیق دی۔ اے اللہ جب تو نے اپنا کرم فرما کر اس کام کے کہنے سننے کا رخ پیدا فرمادیا۔ اور اس کی کام کی نقل و حرکت کا رخ پیدا فرمادیا اے کریم اپنے کرم سے سب کو قبول فرمالے اور ان سب کی ایسی تربیت فرما کہ یہ نقل و حرکت تجھے پسند آجائے تو ہی اپنے کرم سے اس تربیت کی نقل و حرکت کی تربیت فرما تو ہی مربی ہے تو ہی تربیت کرنے والا ہے تو ہی تزکیہ کرنے والا ہے اور تو ہی پاک وصاف کرنے والا ہے، اے اللہ اس نقل و حرکت کو قبول فرما۔ اے اللہ اس نقل و حرکت کو قبول فرما، اے اللہ اس نقل و حرکت کو قبول فرما۔ انتہائی رقت کے ساتھ، اے خدا ان کو اخلاص نصیب فرما۔ اے اللہ ان کو اخلاص نصیب فرما۔ اے اللہ ہم سب کو اخلاص نصیب فرما اے اللہ ہم سب کو اپنی قدرت پر یقین نصیب فرما۔ ہم سب کو یقین نصیب فرما، ہم سب کو اپنے وعدوں پر یقین نصیب فرما۔

یا اللہ ہمارے عقیدوں کو درست فرمادے اور اس محنت کے لئے ہمارے اندر وہ جذبات پیدا فرمادے! اے خدا جن قربانیوں سے اے اللہ یہ منی کے گندے قطرے کا بنا ہوا انسان تیرا دوست بن جاتا ہے۔ اور جن قربانیوں سے تیرا محبوب بن جاتا ہے اے خدا ان قربانیوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔ اے اللہ جس کرم سے تو نے یہ کام اٹھایا اب اس کام کو تکمیل کو پہنچا دے، اس کام میں لگنے والوں میں دنیا کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، ملک و مال کی رغبت ان کے دلوں سے نکال دے، اقتدار کی ہوس ان کے دلوں سے نکال دے، دنیا کے نقشے کے بارے میں بے رغبتی ان کے دلوں میں پیدا فرمادے، موت کی حقیقت ان کو عطا فرما۔ قناعت کی دولت ان کو نصیب فرما، اے اللہ صبر و اخلاص، مجاہدے کی طاقت ان کو نصیب فرما، اے خدا جس مجاہدے پر انسان اندر سے تیرے انوارات سے جگمگا جاتا ہے اور تیرے صفات، اخلاق ان اعلیٰ مجاہدوں پر اے اللہ ترقیات کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اخلاق کی چوٹیوں پر انسان پہنچ جاتا ہے۔ اے اللہ وہ مجاہدے کی دولت ہم سب کو نصیب فرما— اے اللہ جس طرح تو نے یہ کام اٹھایا اس کام کو ہدایت کے پوری دنیا میں آجانے کا اس کام کو سو فیصد ذریعہ قرار دے دے۔ اے اللہ سارے انسانوں کے لئے اور سارے ملکوں کے لئے اور سارے مسلمانوں کے لئے ہدایت ملنے کا سبب اس کو قرار دے دے سارے زمانوں قوموں ملکوں میں اس محنت کے پہنچنے کے لئے قبول فرمالے، اور یا اللہ ہدایت عام فرما، ہمیں اور ہمارے ساتھیوں کو ہمارے رشتہ داروں کو اور اس کام میں لگنے والوں کو ان کے متعلقین اور رشتہ داروں کو اور ان سے تعلق و محبت رکھنے والوں کو اس ہدایت میں سے نصیب فرما جو تو مجاہدین کو ہدایت دیا کرتا ہے اور تو داعیوں کو ہدایت دیا کرتا ہے اور جو تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو ہدایت نصیب فرمائی تھی۔ اور تو نے انبیاء، سابقین کو اور اولیاء اللہ کو ہدایت د

نرمانی عطا فرمائی تھی، اے اللہ اس ہدایت سے ہم سب کو بھرپور حصہ نصیب فرما، اے اللہ ان خالی ہاتھوں کو اپنے کرم سے بھردے اور ان خالی دلوں کو اپنے کرم سے بھردے۔ اپنے عشق سے اور اپنی محبت سے ہدایت کا فرمان ہمارے لئے فرما دے۔ یا اللہ پوری امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اے اللہ، اے اللہ جو انہیں ضلالت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں سے انہیں چھوڑا دے اور جو انہیں ہدایت کی طرف کھینچے ان کے ہاتھوں کی طرف ان کو منتقل کردے، اے خدا اس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ مشرکین و ملحدین کے ہاتھوں سے چھڑا دے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادوں پر ان کو کھڑا کردے۔ اے اللہ ان کے یقینوں کو ٹھیک کر، ان کو ہدایت نصیب فرما، ان کو ایمان کی قوت نصیب فرما، ان کو علوم نبویہ کا استقبال نصیب فرما۔ اسلام کی دولت ان کے سینوں میں اتار دے۔ اور اپنا ذکر ان کے دلوں کو نصیب فرما دے اور دنیا کی بے رغبتی نصیب فرما کر علم دین سیکھنے کے مطابق زندگی گزارنے کی ہدایت نصیب فرما۔ عام انسانوں کو ہدایت نصیب فرما۔ اس ملک کے بسنے والوں کو ہدایت نصیب فرما۔ اے اللہ اس ملک کے حاکم و محکوم کو یہاں کی اقلیت و اکثریت کو اے اللہ اس راستے کی ہدایت نصیب فرما، اے اللہ درندوں کی اور اژدہوں کی قسم کے جتنے انسان اور درندے انسان ہیں اور جن کو تجھے انسانیت سے نوازنا ہی نہیں۔ اے خدا ایسے ایسوں کو چن چن کر ہلاک فرما۔ ایسوں کو زمینوں کو اس کے لئے پھاڑ دے۔ ایسوں کے مکانوں کو ان پر توڑ دے، ایسوں سے نعمتوں کو اپنی چھین لے۔ ایسی عبرتناک سزائیں عطا فرما، کہ دنیا دیکھ لے کہ جو اپنی انسانیت کو بگاڑتا ہے خدا اس کی صورتوں کو اس طرح بدلتا ہے۔ اے خدا ظالم ترین مفسد ترین انسانوں کو چن چن کر ہلاک فرما جن ناکوں کی ہدایت سے قوموں اور ملکوں میں ہدایت آجائے، ان کو ہدایت نصیب فرما۔ اور جن ناکوں کی اے اللہ ہلاکت سے قوموں و ملکوں کے ضلالت و فساد ختم ہوجائیں اے اللہ ان کو چن چن کر ہلاک فرما دے اے خدا لوٹ و کھسوٹ کے ماحول کو ختم کر ظلم و ستم کے

ماحول کو ختم کر، عدل وانصاف کے ماحول کو قائم کر، علم وذکر کے ماحول کو قائم کر، خدمت خلق کے ماحول کو قائم کر، تعاون وہمدردی ومحبت کے ماحول کو قائم کر، اے اللہ ہماری دعاؤں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما، ہمارے مقروضوں کے قرضوں کی ادائیگی فرما، ہمارے محتاجوں کی حاجتوں کو پورا فرما، ہمارے بیماروں کو تندرستی عطا فرما۔ جو آنکھ کے بیمار ہیں ان کو آنکھ کی شفا عطا فرما، اے اللہ جو معدے کے بیمار ہیں ان کو معدے کی شفا عطا فرما، اور بقیہ جتنے آدمیوں نے اس جلسے میں ہم سے دعاؤں کے لئے کہا یا آج تک اس سے پہلے ہم سے دعاؤں کو کہا یا آئندہ ہم سے وہ دعاؤں کو کہیں اے اللہ سب کی حاجتوں کو پورا فرما، اور سب کی پریشانیوں کو ختم فرما، اے اللہ اس جلسے کو سارے ہی انسانوں کے لئے اور سارے ہی مسلمانوں کے لئے اس جلسے کو انتہائی باعث خیر وبرکت باعث رشد وہدایت، باعث لطف ورفعت اور باعث فلاح وفوز اپنے لطف وکرم سے فرما، ہماری دعاؤں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما۔ ان نکلنے والوں کو اپنے کرم سے قبول فرما۔ آمین۔

تاریخِ وصال

اے نُورِ عینِ حضرتِ الیاسؒ دہلوی
اے یُوسفِ زمانہ و اے صاحبِ جمال

اسلام کا نمونہ تری زندگی رہی
لاریب تیری ذات تھی روشن ترین مثال

ہر بُتکدے میں تیری اذاں گونجتی رہی
اللہ نے دیا تجھے نُطق و لبِ بلالؓ

تبلیغِ دینِ حق میں گزاری تمام عُمر
اِس راستے میں جان بھی دے دی زہے کمال

وارد ہُوا یہ قلبِ حزینِ نفیسؔ پر
"رأس مبلّغاں" ہے ترا سالِ ارتحال،

۱۳ ھ ۸۴

سیّد نفیس الحسینی

تبلیغ کے چھ نمبروں کا خاکہ

ا۔ کلمہ کا جزو اوّل

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کیا ہے؟

کلمہ کا مقصد یقین کی تبدیلی ہے۔ چیزوں سے یقین کی تبدیلی ہے۔ چیزوں سے یقین نکل کر خدا کی ذات پر یقین آجائے۔ اسی چیز کو کلمہ کہتے ہیں۔

ب۔ کلمہ کا جزو دوم

دوسری بات ہر حال میں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔

۱۔ جتنا ہم مجمع کو یقین کی دعوت دیں گے اتنا ہی ہم میں یقین پیدا ہوگا اور تنہائیوں میں اس کلمہ کو عظمت کے ساتھ خدا کے دھیان کے ساتھ جتنا پڑھیں گے۔ اتنا ہی دل میں یقین جمے گا۔

۲۔ نماز ایک عملی مشق ہے۔ کلمہ میں اجمالی طور پر جس بات کا اقرار کیا ہے نماز میں تفصیلی طور پر اس کی مشق ہے۔ نماز سے مقصود ہر حال میں ہر وقت ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے۔ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم والے طریقہ کے مطابق کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے جیسے

نماز میں تمام حرکات و سکنات خدا کے حکم کے مطابق ہیں۔اسی طرح نماز کے باہر والی زندگی خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہو جائے۔ جتنی ہم نماز کی دعوت دیں گے اور نماز کو اچھی طرح بنا کر پڑھیں گے اتنا ہی یہ نماز ہماری زندگی پر اثر انداز ہوگی۔

۳۔ علم سے مراد جاننے کے ہیں۔ ہر حال میں ہر موقع حکم جس کی مشق ہم نے نماز میں کی۔ اس کے جاننے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ کہ ہر ہر عمل کرنے سے پہلے ہم معلوم کریں گے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو کیسے کیا۔ اس کے معلوم کرنے میں وطن کو چھوڑنا پڑے۔ مال و جان کو قربان کرنا پڑے۔ تو ان ساری چیزوں کو اس کے حکم کے معلوم کرنے کے لئے قربان کریں گے۔ علم کے ذریعہ اس کا صحیح جذبہ پیدا ہوگا۔

۴۔ ذکر سے مراد دھیان کا پیدا کرنا ہے۔ تنہائیوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے دھیان کا پیدا کرنا۔ نیز تنہائیوں کے اندر اللہ پاک کے دھیان اور بڑائی کے ساتھ اُن تسبیحات کا پورا کرنا اور اس کے علاوہ ہر موقعہ کے اذکار مسنونہ میں مشغول رہیں گے تو خدا کا دھیان پیدا ہوگا۔

۵۔ اکرام مسلم۔ ہر انسان کے حقوق کو ادا کرنا۔ بلکہ اس کے حق سے زیادہ ادا کرنا۔ اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرنا۔

۶۔ تصحیح نیت۔ اپنی نیت کو صحیح کرنا۔ عمل کے آخر میں اپنی نیت کی کوتاہیوں کو نکالنا اول میں نیت صحیح کرنا۔ درمیان میں نیت کا دھیان کرنا۔ آخر میں نیت کی کوتاہیوں کا نکالنا۔

۷۔ تبلیغ۔ دوسروں کو عمل کی دعوت دیتے ہوئے اپنے کو اس عمل پر ڈالنے کی کوشش کرنا۔ یہ ایک مستقل محنت ہے۔ اس کے لئے عمر میں سے اول چار چار مہینے کے لئے اقلیم در اقلیم، شہر در شہر دین کے تقاضوں کے لئے پھرنا۔ اپنی جان و مال سب کو اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرنا۔

۸۔ جس عمل سے نہ دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا۔ اس سے پرہیز کرنا۔

امیر جماعت کے جانشین اور صاحبزادہ کا مشترکہ مکتوب
حضرت ناظم عمومی کے نام

ذیل میں امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ کے جانشین مولانا انعام الحسن صاحب اور ان کے صاحبزادہ مولوی محمد ہارون صاحب کا ایک مکتوب نقل کیا جا رہا ہے۔ یہ خط آپ دونوں حضرات نے مشترکہ طور پر ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب کو لکھا ہے اور اس میں حضرت ناظم عمومی سے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ اس خط کو جو ایک پیغام کی صورت میں ہے، تمام احباب تک پہنچا دیں۔ چنانچہ ان کی اس خواہش کے احترام میں یہ مکتوب یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خداوند کریم سے امید ہے کہ مزاج عالی بعافیت ہوں گے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مرحوم حضرت جی بہت ہی کمالات کے حامل تھے۔ بہت سی بیماریوں کے علاج کی صورت تھے۔ بہت سے کمالات کے حامل تھے اور ان کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا ظاہری طور پر صورت پریشانی ہے۔ لیکن حق تعالیٰ شانہٗ پر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی محنت میں قربانیوں کے ساتھ انہماک اور بارگاہِ الٰہی میں امت مسلمہ کے لئے ان تھک دعائیں ان ظاہری صورتوں کا نعم البدل اور بدل حقیقی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بابرکت اور باعظمت ہستی جن کے وجود گرامی سے امت کا وجود اور جن کے درد وکرب سے اور بےچینیوں سے امت کا نشو ونما اور جن کی گریہ وزاری سے امت کی دارین کی فلاح ونجات اور جن کے

چہرۂ انور کی زیارت ہزار ہا سال کی عبادت سے زیادہ ترقی دلانے والی تھی۔ اگر وہ بھی اس دُنیا سے تشریف لے جاویں اور پوری امت ان کی جدائی کے صدمہ اور رنج میں مبتلا ہو اور مصائب میں گھر جائے تو حق تعالیٰ شانہ پر اعتماد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر دین کے لئے قربانیاں اور محنتوں کا انہماک اور بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر دعائیں اور اس محنت کا دنیا میں تعدیہ و تبلیغ آپ کی ذات عالی کا بدل ہے اور قیامت تک کے لئے یہ سارے جانے والوں کا بدل اپنے میں لئے ہوئے تھے۔ "ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون"

حق تعالیٰ شانہٗ نے لطف و کرم اور فضل سے دین کی محنت کے جس عالی کام کی طرف ہم جمیع احباب کی رہبری فرمادی ہے اس میں پوری امت محمدیہ مرحومہ کے دارین کے مصائب کا پوری طرح علاج ہے۔ آپ پورے انہماک کے ساتھ سارے مصائب کے علاج کا یقین اس میں کرتے ہوئے اس محنت پر ڈٹے رہنے اور اس کی شکل کے صحیح ہونے کے لئے پوری پوری طرح محنت کریں تاکہ اس امت کے علاج کے لئے ایمان کی قربانیوں والی محنت کی فضاؤں میں بہت سے باہمت، بے لوث نفس کش داعی الی اللہ پیدا ہوں۔ ان کے وجود میں آنے کے لئے ثوابوں کو دارین میں حاصل کریں

اس کی نقلیں سارے احباب کو روانہ فرمادیں، اور یہ وقت لگانا حضرت جی کے ایصالِ ثواب کی نیت سے کریں اور کرائیں۔ صدقات و خیرات اور کثرتِ تلاوتِ قرآن پاک خصوصاً ذکر و دعا مقامی و بیرونی گشت روزانہ تعلیم کے ذریعہ بھی ایصالِ ثواب کی صورتیں اختیار کی جائیں۔ فقط والسلام۔

مولانا محمد انعام الحسن غفرلہٗ، مولوی محمد ہارون غفرلہٗ

تمت بالخیر

ملنے کے پتے

(۱) مکتبۂ رشیدیہ۔ ۳۲۔اے شاہ عالم۔ لاہور

(۲) مکتبۂ رشیدیہ۔ میاں چنوں۔ ضلع ملتان

(۳) مکتبۂ رشیدیہ۔ غلہ منڈی۔ ساہی وال

(۴) شرکتِ علمیہ۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر

(۵) ادارہ نشریاتِ اسلام۔ چوک مینار۔ انارکلی۔ لاہور

(۶) مکتبہ نفیس ۸۸ میکلوڈ روڈ لاہور

بیس (۲۰) بڑے مسلمان

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ
مولانا اشرف علی تھانویؒ	علامہ محمد انور شاہ محدث کشمیریؒ
مولانا عبید اللہ سندھیؒ	مفتی کفایت اللہ دھلویؒ
مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
مولانا محمد الیاس دہلویؒ	مولانا شیخ عبد القادر رائپوریؒ
مولانا احمد علی لاہوریؒ	مفتی محمد حسن امرتسریؒ
مولانا ابو الکلام آزادؒ	مولانا محمد علی جوہرؒ
مولانا سید محمد سلیمان ندویؒ	مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ	سردار احمد خان پتافیؒ

مکتبہ رشیدیہ، میاں چنوں ضلع ملتان